خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

مئی 2025

digest library.com

خواتین ڈائجسٹ

MEMBER
APNS
CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن آئی ایف آر پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

بانی ——— محمود رحمانی

مدیرہ ——— نگار خاتون

نائب مدیرہ ——— رضیہ جمیل

مدیر خصوصی ——— امت الصبور

بلقیس بھٹی

انتظامیات ——— ادارہ

قانونی مشیر ——— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کنسلٹنٹس

واٹس اپ 03172266944

کہی سنی، مدیرہ 8

کرن کرن زندگی، ادارہ 9

ہمارے نام، نادو خاتون 27

آپ سے

ایک سوال نامہ کا جواب، انشائی 14

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے، امت الصبور 203

مجھ سے ملئے

باتیں عبدالمنان سے، شاہین رشید 22

انٹرویو

صوفیہ بیٹ سے ملاقات، شاہین رشید 16

خوشبو کی زبان، سمیرا حمید 27

ناول

انگنا پھول کھلیں گے، راحت جبیں 34

مکمل ناول

رسالا، نمرہ احمد 162

پرزے، سمیرا حمید 142

تنکا تنکا، آسیہ رئیس خان 110

شرط، ضحیٰ مصطفیٰ 64

انسانی

سبق، مونا ملی 89

ڈھنگ، حنا جاوید 100

ایک خط، آسیہ ساجد علی 61

اسرارِ حیات، مریم انصاری 39

digest library.com

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔



مئی 2025

جلد 53 شمارہ 01

قیمت 150 روپے

بلاعنوان، مینا عمر خان 158

خوفِ خدا، جویریہ مریم 192

مامتا، صائمہ علی 191

نظمیں غزلیں

نظم، گلزار 196

غزل، نعمان محمود 196

پکوان

موسم کے پکوان، واصفہ سہیل 204

رنگا رنگ پھول

رنگا رنگ سلسلہ، شگفتہ جاہ 197

میری بیاض سے

آپ کی بیاض سے، رحیلہ خان 201

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

زرِ سالانہ بذریعہ بینک جمع کروانے کی تفصیل

پاکستان (سالانہ) ——— 3600 روپے

امریکہ، کینیڈا، یورپ ——— 25000 روپے

سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں

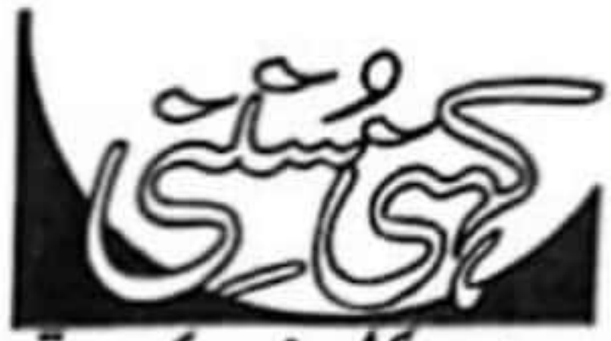
subscriptions@khawatindigest.com

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، ادارہ 208

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے، امت الصبور 210



آزمائشیں فرد پر بھی آتی ہیں۔اور قوموں پر بھی، جوان آزمائشوں میں ثابت قدم رہتے ہیں وہ دو جہاں میں سرخرو ہوتے ہیں اور انعام کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

پاکستان کا قیام ایک معجزہ تھا۔اپنے قیام سے ہی بھارت کی نظروں میں پاکستان کا وجود ہمیشہ کھٹکتا رہا ہے۔ جب بھی اسے موقع ملا اس نے پاکستان پر وار کیا لیکن ہماری تمام تر کوتاہیوں، غلطیوں اور بداعمالیوں کے باوجود قدرت ہم پر مہربان رہی ہے۔آزمائش کی گھڑیوں میں ایک نادیدہ ہاتھ ہمیں ہر خطرے سے بچالیتا ہے۔

پاکستان آج پھر ایک نازک دوڑ پر آ کھڑا ہوا ہے۔ہمیں بیک وقت اندرونی اور بیرونی محاذوں پر مشکلات و مسائل کا سامنا ہے۔اتحاد، اتفاق اور یک جہتی سے ہی ان چیلنجز سے نمٹا جاسکتا ہے۔

محمود ریاض صاحب

وہ لوگ جو ہماری زندگی کا حصہ ہوتے ہیں۔ایک دن اچانک ہمارا ساتھ چھوڑ کر اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ ان کی واپسی کا تصور بھی محال ہوتا ہے۔

اس لمحہ زندگی کی ساری جدوجہد، سارے رشتے، ساری رونق بے معنی نظر آتی ہے۔وقت کے ساتھ انسان زندگی کی گہما گہمی میں کھو جاتا ہے۔لیکن درحقیقت جانے والے جو خلا چھوڑ جاتے ہیں۔وہ کبھی پُر نہیں ہوتے۔

محمود ریاض صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن اپنی مختصر سی زندگی میں وہ ایسی شمعیں روشن کر گئے جو آج بھی بہت سے لوگوں کی رہنمائی کر رہی ہیں۔

محمود ریاض صاحب نے ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی بنیاد رکھی۔اس سے پہلے وہ عمران ڈائجسٹ کا اجراء کر چکے تھے۔اس کے بعد خواتین ڈائجسٹ شعاع اور کرن کا اجراء کیا۔

یہ پرچے خواتین کی زندگیوں میں روشنی کی وہ کرن بن کر آئے جس نے ان کو ایک نئی راہ دکھائی، سر اٹھا کر جینا سکھایا۔اپنی اقدار، اپنی روایات کی پاس داری کا درس دیا۔خواتین کو اپنی ذات کا ادراک دیا۔اور انہیں ایک پہچان اور شناخت دی۔

10 مئی 2001ء کو محمود ریاض صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کو جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے۔آمین۔قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

عید سروے

☆جون کا شمارہ عیدالاضحیٰ سے پہلے آئے گا۔عید نمبر ہوگا۔عید نمبر میں آپ کی شمولیت کے لیے عید سروے بھی شامل ہوگا۔سوالات یہ ہیں۔

☆کیا آپ کے گھر قربانی ہوتی ہے۔کوئی یادگار واقعہ لکھیں جو جانور کے گھر آنے یا قربانی کرتے وقت پیش آیا ہو۔

☆بقرعید پر دعوت کے لیے گوشت کی کوئی خاص ڈش بنانے کی کوشش کی جو صحیح نہ بن سکی۔لیکن ساری پریشانی اس وقت خوشی میں بدل گئی جب گھر والوں کے ساتھ ساتھ مہمانوں کو بھی وہ ڈش بہت پسند آئی۔

☆بقرعید کا دن کیسے گزرتا ہے، اس کا احوال لکھیے کیا ڈش بناتی ہیں۔اپنی پسند کو ترجیح دیتی ہیں یا گھر والوں کی پسند کا خیال رکھتی ہیں؟

ان سوالات کے جواب اس طرح بھجوائیں۔22 مئی تک موصول ہو جائیں۔

آپ چاہیں تو ان سوالات کے جوابات ای میل بھی کر سکتی ہیں۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔
قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔
پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔
کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔
ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

چالیس سال پہلے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آپس میں بحث ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔
"اے آدم! آپ ہمارے والد ہیں، آپ نے ہمیں محرومی کا شکار کر دیا اور گناہ کا ارتکاب کر کے ہمیں جنت سے نکلوا دیا۔"
آدم علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔ "اے موسیٰ! اللہ نے آپ کو شرف ہم کلامی کے لیے منتخب فرمایا اور آپ کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر تورات دی، کیا آپ مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے میری قسمت میں لکھ دی تھی؟ چنانچہ بحث میں آدم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام غالب آ گئے، آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔" (تین مرتبہ آپ نے فرمایا۔)
(بخاری)

فوائد و مسائل:
(1) حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ ملاقات، ممکن ہے جنت میں ہوئی ہو، ممکن ہے عالم ارواح میں۔ واللہ اعلم۔
(2) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد حضرت آدم علیہ السلام کو یہ طعنہ دینا نہیں کہ انہوں نے غلطی کیوں کی کیونکہ وہ غلطی تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دی تھی۔ ارشاد ربانی ہے۔
"پھر انہیں ان کے رب نے نوازا، ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کی رہنمائی کی۔" ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی وجہ سے تمام انسانوں کو دنیا کی مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے جواب میں وضاحت فرما دی کہ یہ مصائب تو پہلے ہی تقدیر میں لکھے جا چکے تھے اور ان کا فیصلہ بہت پہلے ہو چکا تھا۔

(3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا۔ ''آدم علیہ السلام غالب آ گئے۔'' یہ تکرار تاکید کے لیے تھی تاکہ بخوبی علم ہو جائے کہ آدم علیہ السلام سے جو کچھ ہوا وہ تقدیر الٰہی اور مشیت الٰہی کا اجر تھا۔

تقدیر پر بحث کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''قریش کے مشرک تقدیر کے مسئلہ میں بحث کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، تو یہ آیت نازل ہوگئی۔

ترجمہ:

''جس دن انہیں چہروں کے بل آگ میں گھسیٹا جائے (اور ان سے کہا جائے گا) تم دوزخ کی آگ لگنے کا مزا چکھو۔ بے شک ہم نے ہر چیز ایک اندازے کے مطابق پیدا کی ہے۔'' (القمر۔)

فوائد و مسائل:

(1) اس آیت اور حدیث سے بھی تقدیر کا ثبوت ملتا ہے۔

(2) کفار کے لیے جہنم کا سخت عذاب مقدر ہے۔

(3) واضح اور قطعی مسئلے میں اختلاف اور بحث کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

تقدیر پر بحث

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، ''ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر صحابہ کے پاس تشریف لائے تو وہ تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصے سے اس قدر سرخ ہو گیا، گویا اس پر انار کے دانے نچوڑ دیے گئے ہیں۔ (تب) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے؟ یا کیا تمہیں اس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ تم قرآن کی آیات کو ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہو۔ تم سے پہلی امتیں اسی وجہ سے تباہ ہوئی تھیں۔'' (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی مجلس سے غیر حاضر رہنے پر خوشی نہیں ہوئی جس طرح اس مجلس میں موجود نہ ہونے پر خوشی ہوئی۔''

فوائد و مسائل:

(1) تقدیر اسرار الٰہی میں سے ایک راز ہے، اس پر مجمل ایمان لانا کافی ہے، اسی طرح دوسرے غیبی امور کے بارے میں بھی جس قدر بتا دیا گیا، اسے مان لینا کافی ہے اور جس چیز کی وضاحت نہیں کی گئی، اس کی تفصیل معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

(2) قرآن و حدیث کی نصوص کی وضاحت اس انداز سے کرنی چاہیے کہ ان میں ٹکراؤ پیدا نہ ہو، ورنہ امت میں اختلاف و افتراق پیدا ہوتا ہے اور قرآن و حدیث پر ایمان میں فرق آنے کا اندیشہ ہے۔

(3) قرآن و حدیث کے مطالعے کا اصل مقصد اخلاق و عمل کی اصلاح ہے۔ اگر کوئی شخص محض زور خطابت کے اظہار کے لیے یا اپنے علم و فضل کا رعب جمانے کے لیے پیچیدہ مسائل میں مشغول ہوتا ہے، تو یہ اصل مقصد کے خلاف اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے۔

(4) نصیحت کرتے ہوئے موقع محل کی مناسبت سے بعض اوقات غصے کا اظہار بھی کیا جا سکتا ہے، خصوصاً جب کہ نصیحت کرنے والا قابل احترام شخصیت کا حامل اور سامعین پر اس کے غصے کا منفی اثر پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(5) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اس مجلس میں موجود نہیں تھے۔ کسی دوسرے صحابی نے انہیں یہ واقعہ سنایا، تاہم محدثین کے اصول کے مطابق یہ حدیث ''صحیح'' ہے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث براہ راست سننے والے صحابی کا نام نہ

بھی لیا جائے لیکن اس سے سن کر روایت کرنے والا بھی صحابی ہوا تو ایسی حدیث بالاتفاق صحیح ہوتی ہے کیونکہ تمام صحابہ "عادل" (قابل قبول اور قابل اعتماد) ہیں۔

(6) صحابی کو اس مجلس سے غیر حاضری پر اس لیے خوشی ہوئی کہ حاضرین پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خفگی کا اظہار فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن کو اگر نیکی کی توفیق مل جائے یا وہ کسی گناہ سے بچ جائے تو اس پر خوشی کا اظہار کرنا فخر وریا میں شامل نہیں بلکہ نیکی کی محبت اور گناہ سے نفرت کی علامت ہے جو ایمان کا ایک حصہ ہے۔

بدشگونی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بیماری ایک سے دوسرے کو نہیں لگتی، بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں، نہ الو کوئی چیز ہے۔"

ایک اعرابی اٹھ کر آپ کے قریب آیا اور کہا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دیکھیے نا، ایک اونٹ کو خارش کی بیماری ہوتی ہے، وہ تمام اونٹوں کو خارش میں مبتلا کر دیتا ہے۔"

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ تقدیر ہے، پہلے اونٹ کو خارش کس سے لگی؟"

فوائد و مسائل:

(1) عام طور پر تصور کیا جاتا ہے کہ اگر کسی بیمار کے پاس کوئی تندرست آدمی اٹھتا بیٹھتا ہے یا اس کے ساتھ کھاتا پیتا ہے یا اس کا لباس استعمال کرتا ہے تو اسے بھی وہی بیماری لگ جاتی ہے جو مریض کو تھی۔ عرف عام میں ایسی بیماریوں کو متعدی بیماریاں کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیماری اس طرح ایک سے دوسرے کو نہیں لگتی، البتہ ایسا ہو سکتا ہے کہ جس وجہ سے پہلے آدمی کے جسم میں مرض پیدا ہوا ہے، وہی وجہ کسی اور شخص میں بھی پائی جائے اور وہ بھی بیمار ہو جائے۔ جدید طب میں جراثیم کا نظریہ بہت مقبول ہے لیکن یہ جراثیم بھی بحکم الٰہی اثر انداز ہوتے ہیں، گویا دوسرے مریض کے بیمار ہونے کی اصل وجہ حکم باری تعالیٰ ہے نہ کہ مریض کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ اس کے علاوہ ہومیو پیتھک نظریہ علاج جراثیم کو امراض کا سبب ہی تسلیم نہیں کرتا، اس لیے اس نظریے کے مطابق بھی مرض کا ایک شخص سے دوسرے کو منتقل ہونا ایک غلط تصور ہے۔

(2) عرب لوگ پرندوں اور جنگلی جانوروں کے گزرنے سے شگون لیتے تھے۔ کوئی شخص کوئی کام کرنا چاہتا تو کسی بیٹھے ہوئے پرندے یا ہرن وغیرہ کو پتھر مار کر بھگاتا، اگر وہ دائیں جانب جاتا تو سمجھا جاتا کہ کام صحیح ہو جائے گا، اگر بائیں طرف جاتا تو سمجھا جاتا کہ کامیابی نہیں ہوگی۔ اس طرح کے کام محض توہم پرستی کا مظہر ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ آج کل بھی اس طرح کے توہمات پائے جاتے ہیں، مثلاً کسی لنگڑے یا یک چشم انسان سے ملاقات ہو جائے تو اسے نحوست کا باعث قرار دینا۔ کالی بلی راستہ کاٹ جائے تو سمجھنا کہ کام نہیں ہوگا یا کسی خاص عدد (مثلاً تیرہ کا عدد) یا کسی خاص دن (مثلاً منگل) یا کسی خاص مہینہ (مثلاً ماہ صفر یا شوال) کو نامبارک قرار دینا بھی اسی میں شامل ہے۔ کوئی نقش بنا کر اس کے خانوں میں انگلی رکھنا یا اس قسم کے فال ناموں سے قسمت معلوم کرنے کی کوشش کرنا سب ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔

(3) مشرکین عرب میں ایک غلط تصور یہ بھی پایا جاتا تھا کہ اگر مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی روح الو کی شکل اختیار کر کے بھٹکتی اور چیختی پھرتی ہے اور انتقام کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس غلط تصور کی وجہ سے ان لوگوں میں نسل در نسل انتقام اور قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں تھی، اسی طرح الو کو منحوس تصور کرنا غلط ہے۔ وہ بھی دوسری مخلوقات کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہے جس کا انسانوں کی قسمت سے کوئی تعلق نہیں۔

دل کی مثال

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''دل کی مثال ایک پر کی سی ہے جسے ہوائیں چٹیل میدان میں الٹاتی پلٹاتی رہتی ہیں۔''

فوائد و مسائل:

(1) پرندے کا اکھڑا ہوا ایک پر بہت ہلکی چیز ہوتا ہے جسے معمولی ہوا بھی سیدھے سے الٹا اور الٹے سے سیدھا کر سکتی ہے۔ اگر وہ کسی کھلے میدان میں ہو تو ظاہر ہے ہوا اس پر زیادہ اثر انداز ہوگی کیونکہ وہاں ہوا کے اثر کو کم کرنے والی کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اور وہ بڑی تیزی سے الٹ پلٹ ہوتا ادھر سے ادھر اور یہاں سے وہاں اڑتا پھرے گا، انسان کے دل کی بھی یہی حالت ہے۔ اس پر مختلف جذبات و احساسات تیزی سے اثر انداز ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ کبھی نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے کبھی گناہ کی طرف، کبھی اس میں محبت کے لطیف جذبات موجزن ہوتے ہیں، کبھی نفرت کی آندھی چڑھ آتی ہے۔ دل کی اس کیفیت سے فائدہ اٹھا کر شیطان اسے گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے، لہذا کسی کو نیکی کی راہ پر گامزن دیکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ضرور جنت میں جائے گا اور نہ کسی کو گناہوں میں غرق دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ لازماً جہنمی ہے، اس لیے نیکی کی توفیق ملے تو اللہ سے استقامت کی دعا کرنی چاہیے اور گناہ ہو جائے تو اشک ندامت کا نذرانہ لے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو جانا چاہیے ایسا نہ ہو کہ گناہوں کی آندھی اسے رحمت سے بہت دور لے جائے۔

(2) چونکہ دل کی کیفیات کسی بھی لمحے تبدیل ہو سکتی ہیں، اس لیے انسان اپنے انجام کے بارے میں مطمئن نہیں ہو سکتا۔ ضروری ہے کہ ایمان پر وفات کی دعا کی جائے اور ہر قدم پر اللہ تعالیٰ سے ہدایت و رہنمائی کی درخواست کی جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا کرتے تھے۔

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرا دل اپنی اطاعت و فرمانبرداری پر ثابت رکھ۔''

عمر میں اضافہ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''صرف نیکی ہی عمر میں اضافے کا باعث ہوتی ہے اور تقدیر کو محض دعا ہی ٹالتی ہے، بلاشبہ انسان کو بعض اوقات ایک گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔''

فوائد و مسائل:

(1) یہ روایت بعض محققین کے نزدیک حسن درجے کی ہے جو البتہ اس حدیث کا آخری حصہ ''انسان اپنے برے عمل کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔'' کسی معتبر سند سے ثابت نہیں بلکہ شیخ البانی رحمۃ اللہ اس کی بابت لکھتے ہیں کہ یہ موضوع ہے۔

(2) نیکی کا ثواب جس طرح آخرت میں بلندی درجات اور ابدی نعمتوں کا باعث ہوتا ہے، اسی طرح نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی نعمت، عزت اور مزید نیکی کی توفیق سے نوازتا ہے، اسی طرح برے عمل کی سزا دنیا اور آخرت دونوں میں ملتی ہے، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دے۔

(3) عمر میں اضافے کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ (ا) یعنی عمر میں برکت ہوتی ہے اور وہ اچھے کاموں میں صرف ہوتی اور ضائع ہونے سے بچ جاتی ہے۔ (ب) نیکیوں کی توفیق کی وجہ سے مرنے کے بعد بھی ثواب پہنچتا رہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے ہاں ثواب کے لحاظ سے بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے اچھی ہیں۔''

(ج) فرشتوں کو یا ملک الموت کو اس کی جو عمر معلوم تھی، اس میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ فرشتوں کے لحاظ سے اضافہ ہے، اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ یہ شخص فلاں نیکی کرے گا جس کے انعام کے طور پر

digestlibrary.com

اس کی عمر میں اس قدر اضافہ کر دیا جائے گا۔
تقدیر بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ جس مصیبت سے انسان ڈرتا ہے، دعا کی برکت سے رک جاتی ہے اور آئی ہوئی مصیبت رفع ہو جاتی ہے۔ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کو دعا کی وجہ سے مچھلی کے پیٹ سے نجات مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
"اگر وہ (اللہ کی) پاکیزگی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہو جاتے، تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس (مچھلی) کے پیٹ ہی میں رہتے۔"
الصفت 143-144
(4) یہاں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تبدیلی فرشتوں کے علم کے مطابق تبدیلی ہے اللہ کے علم میں تبدیلی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ فلاں شخص دعا کرے گا، پھر اس کی مشکل حل ہو جائے گی۔
(5) اس میں دعا کی ترغیب پائی جاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعا بھی جائز اسباب میں سے ہے جسے اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں بلکہ عین توکل ہے۔

عمل

حضرت سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔
"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا عمل ان امور میں شامل ہے جنہیں لکھ کر قلم خشک ہو گیا اور اس کے بارے میں تقدیر کا فیصلہ ہو چکا یا اس کا تعلق آئندہ (فیصلہ ہونے والے معاملات) سے ہے۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"بلکہ وہ ان امور میں شامل ہے جن کو لکھ کر قلم خشک ہو گیا اور اس کا اندازہ ہو چکا اور ہر ایک کے لیے وہ کام آسان ہو جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔"

فائدہ:
انسان کے نیک اور بد ہونے کا تعلق بھی تقدیر سے ہے لیکن بندے کو اس کا علم نہیں۔ وہ شریعت کے مطابق عمل کرنے کا مکلف ہے۔

مومن

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"مومن ہمیشہ اپنے دین کے بارے میں کشادگی میں رہتا ہے جب تک وہ حرام خون (بہانے کا ارتکاب) نہ کرے۔"
(بخاری)

فائدہ:
اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ مومن جب تک کسی کا ناحق خون نہیں بہاتا، اسے دین پر عمل کرنے کی توفیق ملتی رہتی ہے اور دوسرا مفہوم ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے لیے کشادہ رہتی ہے، مال (انجام) دونوں کا ایک ہی ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کا زیادہ مستحق اور امیدوار ہوتا ہے اور جوں ہی وہ قتل ناحق کا ارتکاب کرتا ہے تو اللہ کی رحمت کی امید کا دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے اور وہ ناامیدوں میں سے ہو جاتا ہے۔

ناجائز لینا

حضرت خولہ بنت ثامر انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اور یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔
"بلاشبہ کچھ لوگ اللہ کے مال (بیت المال) میں ناجائز تصرف کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے لیے قیامت والے دن جہنم کی آگ ہے۔"
(بخاری)

فائدہ:
قومی خزانے میں ناجائز تصرف اور اسے مصالح عامہ کے بجائے مصالح خاصہ کے لیے استعمال کرنا کبیرہ گناہ ہے جس پر اسے جہنم کی سزا ہو سکتی ہے، اگر اس نے مرنے سے قبل خالص توبہ نہ کی۔

ایک سوال نامہ کا جواب

انشاجی



آج ہمیں ایک بڑا سا جہازی سائز کا کارڈ ڈاک میں ملا ہے۔ جس کے ایک طرف تو ہمارا پتا لکھا ہے، مکرمی، معظمی وغیرہ القابات کے ساتھ دوسری طرف کارڈ چھاپنے اور بھیجنے والے کا نام ہے۔

خدمت عوام پارٹی (غیر سیاسی)

اس کے نیچے چند سوالات بھی درج ہیں۔

1۔ کیا آپ ادارے یا محکمے کا سامان اسٹیشنری وغیرہ اپنے ذاتی استعمال کے لیے گھر تو نہیں لے جاتے؟

2۔ کیا آپ اپنے دفتری اوقات کو خوش گپیوں یا دوستوں کی خاطر تواضع میں تو ضائع نہیں کرتے؟

3۔ کیا آپ دفتر کا کام ختم ہو جانے سے پہلے کھسک تو نہیں جاتے؟

4۔ کیا آپ اپنے دفتر کا کام جان بوجھ کر تاخیر سے تو نہیں کرتے؟

5۔ کیا آپ کسی عزیز یا محترمہ کو اپنے سرکاری ٹیلی فون سے مفت کال کرنے کی اجازت تو نہیں دیتے؟

6۔ کیا آپ اپنے دفتر میں کام کرنے والی خواتین کو اس نگاہ احترام سے دیکھتے ہیں جیسے اپنی خواتین کو؟

7۔ کیا تنخواہ لیتے وقت آپ کا ضمیر تو کبھی ملامت نہیں کرتا؟

بعض لوگ منفی ذہنیت کے ہوتے ہیں۔ ہم ان میں سے نہیں ہیں۔ چنانچہ پہلے پانچ سوالات کی حد تک ہمارا جواب اثبات میں ہے۔ بے شک اپنے ادارے کی اسٹیشنری لے جاتے ہیں لیکن اس پر ذاتی استعمال کی تہمت نہیں لگا سکتے۔ ایک تو اس لیے کہ زیادہ تر بچوں کے کام آتی ہے یا اس پر دھوبی کا حساب لکھتے ہیں۔ سو دھوبی کی ذات اور ہماری اپنی ذات میں فرق ہے۔ اگر اس اسٹیشنری سے خطوط لکھتے بھی ہیں تو ہر چند کہ خود لکھتے ہیں لیکن وہ جاتے تو دوسروں کے نام ہیں۔ دوسرے لوگ ہماری ذات کی تعریف میں کیسے آسکتے ہیں۔

دوسرے سوال میں لفظ ضائع کے استعمال پر ہمیں اعتراض ہے بلکہ ہم اس پر احتجاج کرتے ہیں۔ خوش گپیوں اور دوستوں کے لطف صحبت سے دماغ تازہ ہوتا ہے اور اگلے روز کام کرنے کے لیے آدمی تازہ دم اور مستعد آتا ہے۔ اگر اگلے روز بھی وہ احباب آجاتے ہیں تو اس سے اگلے روز بھیجیے۔

اے ذوق کسی ہم دم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

تیسرے سوال کا جواب تو اثبات ہی میں ہے۔ لیکن کھسکنے کا لفظ یہاں بے محل ہے۔ ایک سینما میں کوئی صاحب فلم دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی کوئی تعمیری قسم کی، چنانچہ خرانے لینے لگے۔

باس والے نے بے زار ہو کر ان کو جگایا اور ملامت کی کہ بھلے مانس خرانے لے کر دوسروں کو نیند میں خلل کیوں ڈالتا ہے۔ چپکے سے نکل جانے میں بھی کچھ اس قسم کی مصلحت ہے، کوئی دیکھ لے اور پوچھ لے اور باز پرس کرنے لگے تو خود ہی سوچیے اس میں کتنا وقت ضائع ہوگا اور وہ سرکاری وقت ہی ہوگا۔

چوتھے سوال کا جواب بھی ہاں ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اگر جھٹ پٹ کام کر دیا جائے تو پھر دفتر کی ضرورت نہیں رہتی۔ تاخیر میں کئی فائدے ہیں، ایک آدمی کا کام کرنے کے لیے پانچ آدمی رکھے جاتے ہیں۔ ملک میں بے روزگاری کم ہوتی ہے۔ تاخیر کے اسباب معلوم کرنے کے لیے کمیشن بیٹھتا ہے۔ اس میں نیا عملہ وملہ بھرتی ہوتا ہے اس سے بے روزگاری مزید ختم ہوتی ہے۔ پانچویں سوال کے جواب میں ہم کہیں گے۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ جب کسی محترمہ کو ہم خود مفت کال کرتے ہیں، اگر وہ خود آ کر مفت کال کر لے تو کیا مضائقہ ہے۔

اب رہا سوال نمبر 6: دفتر میں کام کرنے والی عورتیں اگر معمولی صورت کی یا سن ہیں تو اخلاق کے تقاضے سامنے آجاتے ہیں کہ ان کو مائیں، بہنیں، بیٹیاں سمجھا جائے۔ ویسے آج کل گھر گھاٹ یعنی گھر اور دفتر میں چنداں فرق نہیں رہا۔

مغرب میں تو عام بات ہے کہ اگر کوئی سیکریٹری خوب صورت ہے تو مستقبل قریب میں اپنے افسر کی گھر والی بن جاتی ہے اور گھر اور دفتر کے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ ساتویں سوال کا جواب ہے کہ جی نہیں، ملامت نہیں کرتا، کیا مجال ہے کہ کرے۔ البتہ تنخواہ نہ لیں تو ضرور ملامت کرتا ہے۔

یہ سوالات تو ضمنی ہیں۔ کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔ اصل چیز خدمت عوام پارٹی ہے بلکہ اس کا غیر سیاسی ہونا ہے ویسے.....

ہنستی کے مت فریب میں آجائیو اسد

ہم نے بہت سی پارٹیوں اور جماعتوں کا تحریکوں کو غیر سیاسی سے شروع ہو کر سیاست کا پنجہ پکڑتے دیکھا ہے۔ خود اس سوال نامے میں سیاست کے جراثیم بہت ہیں۔ کل ان ہی لوگوں کے پاؤں جم گئے تو جھنڈا لے کر نکل آئیں گے کہ دفتروں میں کاہلی اور بے ایمانی اور عدم کارکردگی دور کرنے کے لیے ہمیں اپنی صفوں کو منظم کرنا چاہیے اور عوام کی خدمت اور معاشرے کی اصلاح کے لیے اگلے الیکشن میں کھڑا ہونا چاہیے۔

الیکشن کی بات آئے گی تو دائیں بازو اور بائیں بازو اور اسلام اور سوشلزم کا قضیہ ضرور اٹھے گا۔ ہم نے تو اس سوال نامے کے بے سوچے سمجھے جواب دے دیے، قارئین کو احتیاط چاہیے کیونکہ بات سے بات نکلتی ہے اور غیر سیاسی سے سیاسی بنتی ہے۔ سرچشمہ باید گرفتن بہ بیل۔

ایک بزرگ بازار میں جا رہے تھے، ایک نوجوان نے انہیں سلام کیا۔ وہ چپ رہے اور جواب نہیں دیا۔ بزرگ کے ساتھی نے کہا۔

"بھلا آپ نے یہ غیر شرعی حرکت کیوں کی، سلام کا جواب دینا چاہیے تھا؟"

بولے.....

"تم نہیں سمجھتے، میں سلام کا جواب دیتا تو وہ اپنا تعارف کراتا اور کہتا۔ حاجی صاحب آئیے چائے خانے میں چل کر چائے پیجیے۔ اس کی چائے پی کر اسے چائے پلانا میرا فرض ہو جاتا۔ اس کی میرے گھر میں آمد و رفت شروع ہو جاتی۔ میری..... ایک جوان بیٹی ہے میں ایسے اوباش نوجوان کو اپنی بیٹی کا رشتہ ہرگز نہیں دے سکتا۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوب صورت ناول



فصل غم کا گوشوارہ

راضیہ جمیل

قیمت 300/- روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32736021

آپ کی پسندیدہ مصنفہ

صوفیہ بٹ سے ملاقات

شاہین رشید

ادارہ خواتین ڈائجسٹ نے بے شمار مصنفین کو متعارف کرایا ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو سامنے لانے میں خواتین ڈائجسٹ کا کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔

صوفیہ بٹ کو لکھتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ ''احد'' ان کا پہلا ناول تھا۔ پہلی تحریر سے ہی انہوں نے قارئین کے دلوں میں جگہ بنالی۔ آج ہم ان سے آپ کی ملاقات کرارہے ہیں۔

''کیسے مزاج ہیں؟''

''الحمدللہ''

''لکھنے کے علاوہ آج کل کیا مصروفیات ہیں؟''

''دوسرے ملک میں سیٹل ہونے کے لیے جدوجہد درکار ہوتی ہے۔ آج کل اسی سے گزر رہی ہوں۔ دوسال پہلے آسٹریلیا آئی تھی۔ یہاں پڑھائی کی پھر جاب..... یہی مصروفیات ہیں آج کل، ساتھ ساتھ گھومنے پھرنے کا سلسلہ بھی چلتا رہتا ہے کتاب پڑھنا میری سب سے بڑی عیاشی ہے جو آج کل میسر نہیں۔''

''چلیں جی..... اب آپ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتایئے؟''

''جی ضرور..... 11 نومبر 1977ء کو سندھ کے ضلع ''بدین'' کے چوہدری خاندان میں پیدا ہوئی۔ ابو زمین دار تھے۔ (اب حیات نہیں ہیں) امی آسٹریلیا میں ہوتی ہیں۔ سیاست، حالات حاضرہ اور پاکستانی ڈراموں میں گہری دلچسپی رکھتی ہیں۔ معصوم اتنی ہیں کہ سوشل میڈیا پہ چلنے والی ہر جھوٹی سچی خبر کو سچ مان کر ہم تک پہنچاتی ہیں.....

میں بچپن میں سمجھتی تھی کہ ہم تین بہنیں اور تین بھائی ہیں..... چچا اور پھر کچھ سال کے بعد چچی کی وفات کے بعد پتا چلا کہ ان کے ''دونوں بیٹے'' بھی ہمارے بھائی ہیں۔ چچا چچی کے بچے نہیں تھے تو انہوں نے میرے دو بھائیوں کو اڈاپٹ کیا تھا.....

بہن بھائیوں میں میرا نمبر سیکنڈ لاسٹ ہے مجھ سے بڑا بھائی ''نقی'' ڈیڑھ سال پہلے ہم سے بچھڑ گیا۔ اس کا صدمہ ہم سب کے لیے بہت بڑا ہے..... میری بھابھی اور بچوں کے لیے بڑا امتحان ہے۔

ہم بہن بھائیوں کا آپس میں تعلق بہت مضبوط ہے۔ ابو کی وفات کے وقت بہنیں ملک سے باہر تھیں





بھائیوں اور بھابھیوں نے ہر ممکن طور سے امی اور میرا خیال رکھا..... ہمارے یہاں عام سا رواج ہے کہ ماں باپ میں سے کوئی ایک نہیں رہا تو لڑکی کی شادی کردو جلدی سے.....میرے بھائیوں نے میری خواہش پر مجھے یونیورسٹی بھیجا۔ ہاسٹل میں رہنے کی اجازت دی، مکمل اعتماد اور آزادی دی.....اور میں نے ''آئی بی'' میں ''بی ایس'' اور انگریزی ادب میں ماسٹرز کیا.....

گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج بدین میں لیکچرار رہی..... بڑی جوائنٹ فیملی میں بھائیوں۔ بھابھیوں، بھتیجے، بھتیجیوں کے ساتھ مزے کا وقت گزرا۔

پھر ''جمیل بٹ'' کے ساتھ شادی ہو کر اسلام آباد چلی گئی..... ''بٹ صاحب'' ''نادرا'' میں ہوتے ہیں۔

عزت، محبت دینے والے، خیال رکھنے والے انسان ہیں۔ سسرال والا روایتی ماحول نہیں ملا۔ کیونکہ سسرال میرا ''نارووال'' میں ہے۔ ساس سسر حیات نہیں ہیں.....خواہش تھی کہ یہ رشتے مجھے ملتے پر اللہ کی جو رضا.....

بٹ صاحب کہتے ہیں کہ اگر ان کی والدہ حیات ہوتیں تو ہم ساس بہو کی بہت اچھی بنتی.....ایک نند ایک جیٹھ نارووال میں ہیں۔ ایک نند کینیڈا اور دیور امریکہ میں ہیں.....سب بہت اچھے ہیں۔ عزت دیتے اور لیتے ہیں کوئی کسی کی زندگی میں خواہ مخواہ کی دخل اندازی نہیں کرتا۔ اس لیے سب بہت اچھا اچھا ہے۔ شکر اللہ کا۔''

''سنا ہے کہ ''بٹ'' طاقت ور اور غصے کے تیز ہوتے ہیں۔ آپ بٹ ہیں؟ شادی کے بعد یہ نام ملا؟''

''آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے کہ ''بٹ'' طاقت ور ہوتے ہیں اور غصے والے بھی اور خوب صورت بھی۔

میں چوہدری آرائیں فیملی سے ہوں، شادی کے بعد صوفیہ بشیر سے صوفیہ بٹ ہوگئی اور بٹ صاحب میں ہیں ساری ''بٹ'' والی خوبیاں.....لیکن غصہ بلاوجہ نہیں کرتے، اگر وہ غصہ دکھاتے ہیں تو مجھے اندر سے کہیں پتا ہوتا ہے کہ غلطی میری ہے یا اس کی جس پر یہ غصہ دکھا رہے ہیں.....سال میں ایک بار غصہ آتا ہے اور بہت شان کے ساتھ آتا ہے، میرے چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔

میری شادی کو بارہ سال ہو گئے ہیں۔''

''بچپن کیسا گزرا اور آپ کیسی بچی تھیں؟''

''ہوش سنبھالا تو میں ''پھپھو'' اور ''خالہ'' کے مرتبے پر فائز ہو چکی تھی.....شرارتی نہیں تھی، لڑاکا بھی شاید نہیں تھی۔ ''نقی'' ''میں'' اور ''راشد'' ہم چھوٹے تین بہن بھائیوں کا بچپن بڑے بھائی کے بچوں کے ساتھ گزرا۔ اس لیے ان کے ساتھ بہت دوستی بھرا رشتہ ہے۔ نقصان یہ کہ بدتمیز ہمارے رعب میں بھی نہیں آتے، رعب میں تو خیر چھوٹے بھتیجے بھتیجیاں بھی نہیں آتے.....میں ان کی وہ پھوپھو ہوں جن کے ساتھ انہوں نے اپنی ہر بات شیئر کرنی ہوتی ہے۔ اور میری ہر خوشی ان کے بغیر ادھوری ہے..... بڑی بہن جرمنی میں ہیں تو ان کے ساتھ اور ان کے بچوں کے ساتھ کم وقت گزرا۔ لیکن پیار بھرا رشتہ ہے۔ ان سے چھوٹی بہن آسٹریلیا میں ہیں تو یہاں آنے

کے بعد ان کے تینوں بچوں کے ساتھ اب وقت گزر رہا ہے اور ماشاء اللہ بہت اچھا گزر رہا ہے..... اپنی زندگیوں میں خوش اور عزت پیار دینے والے بچے ہیں۔"

"کبھی پڑھائی کے دوران رزلٹ کارڈ پر اپنے دستخط خود سے کیے؟..... والدین کی طرف سے سب سے زیادہ پیار کس کو ملا؟"

"رزلٹ کارڈ پر خود سے دستخط تو کبھی نہیں کیے مگر ایک اور حرکت ضرور کی ہے..... شام کے وقت ہمارے ابو ہماری روز کی کارکردگی کا جائزہ ضرور لیتے تھے، اور جس بچے نے ٹیسٹ میں زیادہ نمبر لیے ہوتے تھے یا اسکول کی کسی تقریب میں حصہ لیا ہوتا تھا تو ابو کی طرف سے اسے، نقد انعام ملتا تھا تو ہم چھوٹی ٹیم ایک ہی رزلٹ کو بار بار دکھا کر ابو سے انعام لے لیا کرتے تھے۔

پیار ہم سب کو میرا خیال ہے کہ ایک جیسا ہی سب کو ملا ہے بہنوں میں "میں" اور بھائیوں میں راشد چھوٹے ہو کر بھی چھوٹے نہ تھے، کیوں کہ بھتیجے بھتیجیاں جو تھے حصے دار ہم چھوٹوں کے پیار میں۔"

"مڈل کلاس سے تعلق تھا؟" گھر کا ماحول کیسا تھا سادہ یا ادبی اور بچوں کی پرورش میں زیادہ کس کا ہاتھ تھا والد یا والدہ کا؟"

"ہم مڈل کلاس سے تھے، گھر کا ماحول سادہ تھا..... صرف میں تھی جو بچپن میں اپنے خرچ سے بچوں کی کہانیاں اور رسائل خریدتی تھی، پھر جب کچھ بڑی ہوئی تو اخبار جہاں، خواتین شعاع اور کرن ڈائجسٹ خریدنے لگی۔ جس پر کبھی بڑے بھائی سے ڈانٹ بھی پڑ جاتی تھی..... بہت چھوٹی تھی جب ابو بیمار ہوئے تو ان کو "اخبار" پڑھ کر سناتی تھی..... مجھے ٹھیک سے یاد نہیں لیکن بڑی بہن جن کی شادی ان دنوں نہیں ہوئی تھی وہ بتاتی ہیں کہ "میں" (صوفیہ) خبریں کچھ اس طرح کی سناتی تھی۔

"فلاں لڑکی اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ گئی۔"

شہ سرخی سن کر ابو کہتے "بابا دوسری خبر پڑھو" پھر میں سناتی کہ "فلاں اداکار کا چکر فلاں کے ساتھ چل رہا ہے۔"

تو بہن بھائی دور سے سن کر ہنستے تھے..... ابو پھر مجھے اخبار کا پہلا صفحہ خود نکال کر دیتے کہ یہ خبر پڑھو..... اور مجھے وہ سیاسی خبریں پھیکی اور بے مزا لگا کرتی تھیں۔

خیر پھر بھی ابو کے نزدیک میری اہمیت اس لیے بھی زیادہ تھی کہ بہت چھوٹی عمر سے میری ریڈنگ اچھی تھی..... لکھ بھی اچھا لیتی تھی تو رجسٹر میں "باریوں" کے کھاتے ان میں درج رقومات مجھ سے لکھواتے تھے۔ قانونی دستاویزات بھی میرے پاس رکھواتے تھے..... پیار تو ابو ظاہر ہے سب سے کرتے ہوں گے لیکن باقی بچوں کے مقابلے میں ابو کے قریب اس لیے بھی زیادہ تھی کہ میں ابو کو کچھ پڑھ کر سناتی تھی۔

ابو تعلیم دوست انسان تھے، سخت مزاج نہیں تھے۔ مگر کچھ اصول ضرور بنا رکھے تھے جن کی وجہ سے نہ کبھی بہت زیادہ آسانی ملی اور نہ ہی بہت پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور مجھے یہ معتدل ماحول ذاتی طور پر پسند ہے۔

امی سادہ مزاج، سازشوں سے پاک، گھریلو خاتون ہیں میری پرورش میں ان کا کردار ان کے عمل سے رہا۔ بیٹیوں سے بہوؤں کا خیال رکھنے والی خاتون ہیں، نرم دل، زندہ دل اور خوش لباس ہیں۔ پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں ہر بات ان سے شیئر کرتے ہیں۔ سب کی خوشی میں خوش ہونے والی خاتون ہیں..... اپنے فیصلے کبھی کسی پر مسلط نہیں کرتیں....."

"لکھنے کی طرف رجحان کب ہوا اور کس نے اس جانب آپ کو راغب کیا؟"

"کتاب سے محبت قدرتی تھی..... بچپن میں ایک بیمار پڑوسی کی وفات کے بعد میں نے کاغذ پہ ان کے بارے میں ان کی وفات اور جنازے کے وقت اپنے تاثرات بالکل مناظر کی صورت میں لکھے۔ اور وہ میری بہن نے پڑھ لیے اور ابو کو دکھایا..... ابو نے



ہوئے..... ''احد'' وہ واحد ناول ہے جس کی پچیس اقساط ہیں۔''

''کم کم لکھنے کی وجہ اور اعزازیہ کیا ملا تھا؟''

''ایک تو میں ست مزاج واقع ہوئی ہوں۔ اور دوسری وجہ مجھے لکھنے کے لیے ایک مخصوص ماحول چاہیے ہوتا ہے جو کہ بڑی مشکل سے میسر آتا ہے۔ تحریریں شائع کروانے کے لیے میری پہلی ترجیح خواتین اور شعاع ہی رہے۔ اسی لیے میری پہلی تحریر بھی خواتین ڈائجسٹ میں ہی شائع ہوئی..... اور اعزازیہ چھ ہزار ملا تھا جو کہ واقعی اعزاز تھا میرے لیے..... خرچ تو میری ان کو مٹھائی کھلانے میں ہو گئے تھے جو میری تحریریں پڑھتے بھی نہیں لیکن ٹریٹ ضرور لے لیتے ہیں۔''

''لکھائی کی دنیا میں اپنی جگہ بنانے میں آسانی ہوئی! جو لکھا وہ چھپا اور مزید لکھنے کی بھی آفر آئی؟''

''اللہ کا بہت شکر ہے کہ جو پہلی تحریر میں نے بھیجی وہ شائع ہوئی۔ جو لکھ کر دیتی تھی چھپ جاتا تھا اور دوبارہ بھی لکھنے کے لیے کال آتی تھی..... ''امتل'' کا شکریہ کہ انہوں نے اس قابل جانا اور مجھے دوبارہ بھی لکھنے کا کہا۔

مجھے بلا کر پیار کیا..... تب مجھے لگا کہ یہ اچھا کام ہے..... کاغذ پر لفظ بکھیرتی رہتی تھی.....

بہن بیاہ کر جرمنی چلی گئی اور ابو کی وفات ہو گئی تو پڑھنے والا سننے والا کوئی رہا ہی نہیں..... کالج آئی تو میری اردو کی ٹیچر ''مسز رخسانہ زیدی'' کو اندازہ ہوا کہ مجھ میں لکھنے کی صلاحیت ہے کیونکہ میں جواب رٹے رٹائے نہیں لکھتی تھی بلکہ صحیح یا غلط خود سے لکھا کرتی تھی۔ ''میم رخسانہ زیدی'' نے مجھے کالج میگزین کی ایڈیٹر بنایا اور میرے لکھے کو سراہا..... تو میں آج تک سمجھتی ہوں کہ وہ ہی ہیں جنہوں نے میری صلاحیت کو جانا اور نکھارا.....

خواتین ڈائجسٹ میں پہلی تحریر اکتوبر 2008ء میں شائع ہوئی، یہ ایک مکمل ناول تھا۔ ''وہ تو نہیں مگر'' کے نام سے..... یہ تحریر ایک سادہ سی محبت بھرے رشتوں میں گندھی ہوئی تھی..... سب نے پسند کی.....

گھر والوں نے خوشی کا اظہار کیا مبارک باد بھی دی..... ابو کی بہت یاد آئی کہ وہ ہوتے تو بہت خوش ہوتے۔ پیار بھی کرتے اور انعام بھی ملتا..... میرے گھر والے میری تحریریں بالکل بھی نہیں پڑھتے..... ''ظالم'' ناقدرے،

مجھے سراہنے والے دو بندے ہیں..... میری بہت پیاری دوست رضوانہ خانخیلی اور ہمارے پڑوس میں رہنے والی فہمیدہ شاہ زمان بھابھی..... جن کے ساتھ فیملی ٹرمز بھی ہیں..... دونوں میری تحریروں کا انتظار کرتی ہیں۔ پڑھتی ہیں۔ تبصرہ بھی کرتی ہیں اور سراہتی بھی ہیں۔''

''باقاعدہ کب سے لکھنا شروع کیا؟''

''باقاعدہ لکھنے کا سلسلہ کبھی شروع ہوا ہی نہیں، تسلسل ٹوٹ ہی جاتا ہے، مجھے رشک آتا ہے ان رائیٹرز پر جو مسلسل لکھتے ہیں اور معیاری لکھتے ہیں..... میری تو گنی چنی تحریریں ہیں۔ ''توبہ'' سے مجھے پہچان ملی، جو خواتین ڈائجسٹ میں شائع ہوا تھا..... ''بلیو مون'' شعاع میں شائع ہوا..... پھر دو مکمل ناول ''الف کتاب'' سے پبلش

کچھ موضوعات ایسے ہیں کہ ان پہ آدھی ادھوری کہانیاں میرے لیپ ٹاپ پر پڑی ہیں اور مجھے لگتا ہے کہ وہ شائع نہیں ہوں گی کہ وہ بہت ہی "حساس" موضوعات ہیں۔"

"کچھ لوگ پیدائشی لکھاری ہوتے ہیں کچھ پڑھ کر اور کچھ کو موٹی ویٹ کرنا پڑتا ہے..... آپ کے ساتھ کیا سلسلہ ہے؟"

"اللہ کی طرف سے یہ تحفہ پیدائشی ملا ہے..... ہاں مختلف طرح کا ادب پڑھنے کے بعد سوچ میں خیالات میں وسعت ضرور آجاتی ہے جو قلم پر اثر انداز ہوتی ہے..... موٹی ویٹ کرنے میں رضوانہ اور فہمیدہ بھابھی کے علاوہ قارئین کا کردار بھی شامل ہے جو فیس بک، انسٹاگرام پہ یا ان بکس میں آکر لکھنے کے لیے کہتے ہیں۔ تعریف وتنقید بھی ہوتی ہے..... اور لوگوں کا پیار میرے لیے تحریک ہے..... کتابی شکل میں ابھی تک کچھ منظر عام پر نہیں ہے..... لیکن بہت جلد "احد" کو آپ کتابی شکل میں دیکھیں گی....."

"سوال میں سب سے کرتی ہوں کہ آج کل کی نوجوان نسل میں پرنٹ پر شائع ہوئی تحریروں کو پڑھنے کا رجحان کم ہوگیا ہے۔"

"بالکل ایسا ہی ہے اور یہ لمحہ فکریہ ہے..... آسٹریلیا میں، میں دیکھتی ہوں کہ "بس" ہو "ساحل سمندر" میں "ایئرپورٹ" ہو، ہر جگہ کافی لوگ آپ کو کتاب پڑھتے نظر آئیں گے۔ ان کے گھروں میں بھی کتابیں ضرور ہوتی ہیں۔ بچوں کے کمرے میں بھی کھلونوں کے ساتھ کتابوں کا شیلف ضرور دکھائی دیتا ہے میرے بھانجے کی بیوی آسٹریلین ہے۔ تو میں نے دیکھا کہ ان کی بیٹی ابھی ایک ماہ کی تھی تو ماں اس کو کتاب پڑھ کر سناتی تھی..... ابھی وہ بچی سال بھر کی ہوئی ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کھلونوں کے ساتھ کھیلتی ہے۔ تھوڑی دیر کتاب اٹھاتی ہے، ہم میں سے کسی کی طرف بڑھاتی ہے کہ پڑھ کر سناؤ..... اسے بھلا کیا سمجھ..... لیکن وہ کتاب خود بھی کھول کر دیکھتی ہے۔ تصویروں کو دیکھ کر بہت پیارے تاثرات دیتی ہے....."

میں سوچتی ہوں کہ یہی چیز ہے جو پاکستان میں آج کل کی ماؤں میں سے ختم ہوتی جارہی ہے..... کتاب سے محبت ان کی پیدائش کے ساتھ ہی ان کے اندر بھر دینی چاہیے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ ہمارے وطن سے بھی یہ محبت ختم نہ ہو..... ہم بھی کتاب پڑھیں اور بچوں کا رجحان بھی اس طرف بڑھانے کی کوشش کریں۔ ورنہ سوشل میڈیا کا نشہ تباہی لائے گا۔ اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔ ہم وقت پر سمجھ جائیں۔"

"پلاٹ کب ذہن میں آتا ہے اور اسے کہاں محفوظ کرتی ہیں ذہن میں یا موبائل میں؟"

"پلاٹ تو کبھی بھی کسی بھی وقت ذہن میں آجاتا ہے، کبھی کسی شخص کو دیکھ کر تحریک ملتی ہے..... کبھی کوئی خبر سن کر تو کبھی منظر دیکھ کر..... پھر اسے لیپ ٹاپ میں ایک فائل میں آئیڈیا لکھ کر رکھ لیتی ہوں..... پھر مکمل جب بھی کروں....."

"کبھی افسانوں کی خواتین کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ افسانہ پڑھنے میں مگن اور چولہے پر رکھی ہانڈی جل گئی، دوپٹا جل گیا۔ تو کبھی آپ کے ساتھ ایسا ہوا کہ پلاٹ ذہن میں آرہا ہے اور....."

"میں اس معاملے میں بہت ڈانٹ کھا چکی ہوں..... بیٹھے بیٹھے خیالات میں گم ہوجاتی ہوں..... اکثر اپنا بیگ، موبائل یا والٹ جہاں رکھتی ہوں وہیں چھوڑ آتی ہوں..... شکر ہے کہ کبھی کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا..... بٹ صاحب کہتے ہیں "جن دنوں آپ لکھتی ہیں آپ کو میری آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔"

واقعی ایسا ہوتا ہے کہ میرے اردگرد کیا چل رہا ہے اکثر کچھ دیر کے لیے بھول جاتی ہوں..... کوئی مجھ سے بات کررہا ہوتا ہے۔ میرا دھیان سین میں ہوتا ہے۔ اتنا "کھپ" کر ہی میں اچھا لکھ سکتی ہوں۔ ورنہ جلد بازی میں جو کچھ لکھوں، مجھے اپنے الفاظ اوپر اوپری سے لگتے ہیں۔ ان میں گہرائی یا اثر محسوس نہیں ہوتا۔"

''رومینٹک ،یا کوئی بھی سنجیدہ یا کامیڈی لکھتے وقت سامنے کون ہوتا ہے؟''

''مجھے نہیں پتا کہ سب کے ساتھ ایسا ہوتا ہے یا نہیں، لیکن میں اپنے ہر کردار میں خود ڈھل جاتی ہوں.....خود کلامی کے سے انداز میں ہر کردار بات کرتا ہے۔مثال کے طور پر اگر ''احل'' اور عبدالہادی کے بیچ کوئی سین ہے تو احل بھی میں بنتی ہوں اور عبدالہادی بھی.....یوں خود بہ خود جملے بنتے چلے جاتے ہیں۔فیلنگز آتی جاتی رہتی ہیں اور منظر مکمل ہوجاتا ہے۔''

''کیا لکھنا آسان ہے۔کامیڈی، سنجیدہ یا ہلکا پھلکا انداز.....اچھا لگتا ہے۔''

''مجھے رومینس یا ہلکا پھلکا انداز میں لکھنا آسان لگتا ہے، سنجیدہ لکھنے کے لیے میں قلم اٹھاتی ہوں اس وقت جب میری معلومات یا تحقیق مکمل اور مستند ہوں.....کمی تو خیر رہ جاتی ہے کیونکہ مکمل پن تو کہیں نہیں ہوتا.....لیکن میں اپنی ہر ممکن کوشش کرتی ہوں اس لیے سنجیدہ لکھنے میں وقت لگتا ہے۔''

''گھر اور سسرال میں کوئی آپ کی تحریروں کو زیادہ پسند کرتا ہے؟''

''پسند ناپسند تب کریں جب پڑھیں.....میرے طعنے سننے کے بعد ایک دفعہ بھابھی نے ''وہ تو نہیں مگر'' پڑھ لیا اور تحریر پر تبصرہ کرنے کے بجائے بہت سنجیدہ انداز میں مجھے کہنے لگیں۔''صوفیہ تمہیں کسی سے محبت ہوئی ہے؟'' پھر میرے گھورنے پر بولیں ''مطلب محبت نہیں ہوتی تو ''رافع'' اور ''احدیہ'' کے بیچ اتنی محبت لکھ کیسے لی''

تو یہ حال کرتے ہیں میرے گھر والے میری تحریروں کا بٹ صاحب البتہ اتنی مہربانی کردیتے ہیں کہ کہتے ہیں ''پڑھ نہیں سکتا سنا دو۔

اور میرے احتجاج پہ صفائی دیتے ہیں۔''مجھے آپ کے منہ سے سننا اچھا لگتا ہے۔'' اور پھر جب سننے لگتے ہیں تو بہت سنجیدگی کے ساتھ سنتے ہیں.....اچھا تبصرہ بھی کرتے ہیں اور مشورہ بھی دیتے ہیں۔''

''آپ کا دل چاہتا ہے کہ آپ ایک سیلیبریٹی ہوتی اور پہچانی جاتیں لوگ آپ کی تعریف کرتے کیونکہ لکھاری منظر عام پر نہیں آتا تو لوگ پہچانتے بھی نہیں ہیں۔''

''تعریف، پذیرائی اور پہچان اچھی تو لگتی ہے مگر میں انٹروورٹ ہوں، اچھا لکھ لیتی ہوں، اچھا بول نہیں پاتی.....اس لیے کوئی مجھ سے میرے لکھاری ہونے کے حوالے سے بات بھی کرے تو میں جھجک جاتی ہوں.....اس لیے ایسا کوئی دل چاہتا ہی نہیں ہے۔''

''کبھی کوئی تحریر مسترد ہوئی؟ یا جو بھیجا من وعن شائع ہوگیا۔''

الحمدللہ کوئی بھی تحریر مسترد نہیں ہوئی جو بھیجی وہ شائع ہوئی البتہ من وعن نہیں۔''توبہ'' اور ''احد'' سے کچھ سین حذف کرلیے گئے جو میرے نزدیک اہم تھے.....شاید حساس نوعیت کے ہونے کی وجہ سے کاٹے گئے ہوں.....کتاب میں وہ سین شامل ہوں گے۔ان شاءاللہ۔''

''ہماری کافی خواتین رائیٹرز ''ڈرامہ'' کی طرف آئی ہیں۔آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ بھی ڈرامہ لکھیں؟''

''ڈرامہ لکھنا چاہتی ہوں.....دو تین جگہوں سے آفرز بھی آئیں۔لیکن وہ مجھ سے عام گھریلو سازشوں بھرا ڈرامہ لکھوانا چاہتے ہیں۔جبکہ میں ذرا مختلف موضوعات پر ڈرامہ لکھنا چاہتی ہوں.....ون لائنر بھجوائے تو قبول نہیں ہوئے.....جو ایک قبول ہوا اس میں اتنی تبدیلیاں کرنے کو کہا گیا کہ میں نے منع کردیا.....پھر چند دوستوں نے مشورہ دیا اور میں نے بھی سوچ لیا کہ لکھ لیتی ہوں.....ایک عام سا موضوع تھا سوچا کہ پیسے تو آئیں گے.....لیکن بٹ صاحب نے کہا کہ اللہ نے ہمیں روزی دی ہوئی ہے۔آپ لکھیں تو اپنے دل کے لیے لکھیں، پیسے کے لیے اپنا معیار کم نہ کریں.....تو بس یہی کہانی ہے.....کم کم ہی سہی، بہت اچھے اور مختلف ڈرامے، بھی آرہے ہیں۔میری پسند کے لکھاری بھی ڈرامہ لکھ رہے ہیں تو امید ہے کہ کبھی میری باری بھی آجائے گی۔ان شاءاللہ۔''

☆☆

(جاری ہے)

محبت ریزہ ریزہ کے اربان

عبدالمنان سے ملیں

شاہین رشید



1 ''اصلی نام؟''

''عبدالمنان۔''

2 ''پیار کا نام؟''

''امی مجھے ''مان'' کر کے بلاتی ہیں۔''

3 ''تاریخ پیدائش/سال/قد؟''

''16 اکتوبر/2000/قد ہے 5 فٹ 10 انچ۔''

4 ''ستارہ/بہن بھائی آپ کا نمبر؟''

''لبرا/دو بہن بھائی/میں گھر میں بڑا ہوں بہن چھوٹی ہے۔''

5 ''مادری زبان/تعلیم/شادی؟''

''پنجابی/میں گریجویٹ ہوں اور سنگل میڈیلسٹ ہوں /شادی نہیں ہوئی۔''

6 ''آج کل کی مصروفیات؟''

''فیشن شوز چل رہے ہیں۔ایونٹ اپیرنس۔ گرین ٹی وی۔پی ٹی وی اور ایکسپریس کے لیے کام کر رہا ہوں۔اور شوبز کے سلسلے میں لاہور، اسلام آباد اور کراچی کے لیے ٹریول کرتا رہتا ہوں۔''

7 ''شوبز میں آمد۔گھر والوں کا ردعمل؟''

''شوبز میں گھر والوں کی اجازت سے آیا۔اس لیے وہ سب بہت سپورٹ کرتے ہیں۔''

8 ''بچپن کی بری عادت جو مشکل سے گئی؟''

''بچپن سے ہی خوش خوراک ہوں اور یہی بری عادت ہے کہ میں اپنی فٹنس کا خیال نہیں رکھ پاتا۔ہاں بچپن میں مٹی بھی کھاتا تھا مگر اب نہیں۔''

9 ''اپنی کمائی سے پہلی چیز کیا خریدی؟''

''اپنی پہلی کمائی سے اپنی اماں کے لیے سوٹ لیا تھا۔''

10 ''رشتے داروں میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ رشتہ؟''

''نہیں ایسا کچھ نہیں۔ننھیال اور ددھیال میں سب ہی اچھے ہیں۔''

11 ''بچپن میں کس سے ڈر لگتا تھا؟''

''بچپن میں مجھے اندھیرے سے ڈر لگتا تھا اور اب مجھے اندھیرے میں رہنا پسند ہے۔کیونکہ ستارے اندھیرے میں ہی چمکتے ہیں۔''

12 ''زندگی کا پہلا عمرہ کس عمر میں کی اور کس کے ہاتھ میں رکھی؟''

''سولہ سترہ سال کی عمر میں پہلی عمرہ کی تھی اور اپنی والدہ کے ہاتھ میں رکھی تھی۔''

13 ''آپ کی زندگی کی بڑی اچیومنٹ؟''

''ابھی تو بہت ساری اچیومنٹ کے لیے کام کرنا ہے۔ویسے میں جس یونی ورسٹی سے پاس ہوا تھا انہوں نے مجھے گیسٹ کی حیثیت سے بلایا تھا اور پھر مجھے ایوارڈ دیا تھا۔''

14 ''اپنے ہر کام کے لیے کس سے مشورہ لیتے ہیں؟''

digest library.com

"میں کسی سے زیادہ مشورہ نہیں لیتا۔ کیونکہ جتنے مشورے اتنی ہی باتیں تو میں اپنے آپ سے ہی مشورہ لیتا ہوں خواہ وہ غلط ہو یا صحیح۔"

15 "گھر میں کس کا رعب ہے؟"

"میرا ہی ہے کیونکہ میں ہی گھر کا بڑا بیٹا ہوں۔"

16 "آپ کی صبح اور رات کب ہوتی ہے؟"

"آج کل روٹین خراب ہوگئی ہے تو صبح آج کل بارہ یا ایک بجے اور رات بھی ایسی ہوتی ہے۔"

17 "صبح کیا نہ ملے تو صبح نہیں ہوتی اور رات کیا نہ ملے تو رات نہیں ہوتی؟"

"صبح کافی نہ ملے تو صبح نہیں ہوتی اور رات کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جب نیند آتی ہے سو جاتا ہوں۔"

18 "بھوک میں آپ کی کیفیت؟"

"کوئی خاص نہیں برداشت کر لیتا ہوں کیونکہ ڈائیٹ بھی چل رہی ہوتی ہے۔"

19 "پاکستان کے لیے کیا سوچتے ہیں/کس ملک میں ہمیشہ رہنا چاہتے ہیں؟"

"بہت اچھا سوچتا ہوں کیونکہ اللہ نے بہت نعمتیں دی ہوئی ہیں اور ان شاء اللہ پاکستان کے لیے ہی کام کر کے اس کا نام روشن کریں گے۔ افسوس اس ملک کے لوگوں نے ملک کا ستیاناس کر دیا ہے بڑی خواہش ہے کہ ہم بھی اپنی زندگی میں پاکستان کو ترقی کرتا ہوا دیکھیں۔ ویسے تو پاکستان میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔ لیکن موقع ملا تو جرمنی میرا انتخاب ہوگا۔"

20 "اسپورٹس سے آپ کا لگاؤ؟ کون سا کھیل پسند ہے؟"

"بچپن سے ہی۔ اسپورٹس سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ ہاں فٹ بال پسند تھا مگر اب اسے بھی چھوڑ دیا ہے۔"

21 "گھر میں ضدی اور آرام طلب کون ہے؟"

"ضدی میں ہوں اور آرام طلب میری چھوٹی بہن ہے۔"

24 "پہلی بار کیمرے کا سامنا کیا تو کیا کیفیت تھی؟"

"عادت تھی بچپن سے، کیونکہ فوٹو گرافی کرتا تھا۔ میں نے ماؤنگ سے اسٹارٹ کیا تھا تو اللہ کا شکر ہے کہ کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔"

25 "غصے میں آپ کا ردعمل؟"

"جو اپنے ہوتے ہیں ان کے سامنے تو کچھ زیادہ ہی بول دیتا ہوں۔ کچھ زیادہ ہی آگے نکل جاتا ہوں۔ جہاں میرا تعلق زیادہ نہیں ہوتا وہاں میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ گلہ انسان اپنوں سے ہی کرتا ہے پرایوں سے نہیں۔"

26 "سیاست میں کون پسند ہے؟"

"فی الحال تو کوئی بھی پسند کرنے کے لائق نہیں ہے اور ویسے بھی غیر سیاسی ہوتے ہیں۔"

27 "کس سیاست داں کا کردار کرنے کی خواہش ہے؟"

"ضرور کروں گا۔ مگر کس کا..... یہ میں نہیں بتاؤں گا۔ ویسے میری نظر میں کوئی ایسا سیاست دان ہے نہیں کہ جس کو میں کسی قابل سمجھوں۔"

28 "شوبز میں کیا اچھا ہے کیا برا ہے؟"

"بہت ساری چیزیں اچھی بھی ہیں۔ بہت ساری بری بھی ہیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ سب لوگ بہت سپورٹیو ہوتے ہیں خاص طور پر سینئر آرٹسٹ بہت اچھا گائیڈ کرتے ہیں اور بری بات بھی یہی ہے کہ کچھ سینئر آرٹسٹ سپورٹیو نہیں ہوتے۔"

29 "کیا کیا چیزیں خریدنا آپ کا خواب ہے؟"

"گاڑیوں سے مجھے لگاؤ ہے۔ گھڑیوں سے مجھے لگاؤ ہے ان کا کلیکشن کرنا میرا خواب ہے۔ ویسے مجھے گاڑیوں اور بائیکس کا شوق ہے۔"

30 "کس کی خاطر فیلڈ چھوڑ سکتے ہیں؟"

"اس کے لیے بہت بڑی وجہ چاہیے ہوگی۔ وہ کوئی انسان نہیں ہوگا۔ کوئی سچویشن ہو سکتی ہے۔ ورنہ میرے چاہنے والے کبھی نہیں چاہیں گے کہ میں اپنے خواب چھوڑ دوں ان کی خاطر۔"

31 "خاندان میں کون جلدی ناراض ہو جاتا

ہے؟"

"میں جلدی ناراض ہو جاتا ہوں۔"

32 "کسی کی ایک اچھی عادت جو آپ چاہتے ہیں کہ آپ میں آ جائے؟"

"بھئی اچھی عادتیں مجھ میں ہی ہیں اور کسی میں نہیں ہیں۔"

33 "زندگی میں کچھ واپس ملنے کا چانس ملے تو کیا واپس لینا چاہیں گے؟"

"زندگی میں کچھ بھی واپس نہیں لینا چاہتا، جو گزر گیا وہ گزر گیا۔ ویسے بھی جو اپنا ہو وہ جاتا نہیں ہے اور جو پرایا ہو وہ کبھی آتا نہیں ہے۔"

34 "دل کا ٹوٹنا قابل برداشت ہے یا موبائل کا؟"

"دل تو ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اس لیے موبائل کا ٹوٹنا قابل برداشت نہیں۔"

35 "اپنے گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟"

"ہر کونے میں سکون ملتا ہے کیونکہ گھر سکون والی جگہ ہے تب ہی تو ہم اسے گھر کہتے ہیں۔"

36 "بیمار ہونے پر بیماری کو سیریس لیتے ہیں؟"

"میں تو نہیں لیتا لیکن میرے گھر والے لیتے ہیں تو پھر مجھے بھی لینا پڑتا ہے۔"

37 "اس فیلڈ میں کیا کیا کر چکے ہیں؟"

"میں نے ماڈلنگ سے اسٹارٹ لیا تھا اور ابھی تک ماڈلنگ بھی کر رہا ہوں۔ اور ہر طرح کی ماڈلنگ کی ہے میں نے اور ماڈلنگ سے اداکاری کی طرف آیا۔ اللہ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس قابل سمجھا۔"

38 "کردار کون سے پسند ہیں۔ نیگٹو یا پوزیٹو؟"

"میں دونوں ہی کرنا چاہوں گا۔ نیگٹو لوگوں کو زیادہ یاد رہ جاتا ہے۔ ویسے لوگ کہتے ہیں نیگٹو والے رول کرنے کی شکل نہیں تمہاری۔"

39 "پہلا ڈرامہ/وجہ شہرت؟"

"میسنی تھا ہم ٹی وی کا اور یہی وجہ شہرت بھی تھا۔"

40 "اپنی کمائی سے کتنے فیصد بچا لیتے ہیں؟"

"بچپن سے ہی عادت ہے بچت کرنے کی پچاس فیصد تو بچت کر ہی لیتا ہوں۔"

41 "کچن سے لگاؤ کبھی شیف بننے کا خیال آیا؟"

"کھانے میں جو مزہ ہے، وہ بنانے میں نہیں ہے۔ اور کبھی شیف بننے کا خیال نہیں آیا۔ کیونکہ کھانا بنانے میں بہت ٹائم لگ جاتا ہے۔"

42 "کوئی فیصلہ جو غلط ثابت ہوا ہو؟"

"جو فیصلہ میں لے لیتا ہوں خواہ وہ غلط بھی ثابت ہو اس پر میں پچھتاتا نہیں ہوں بلکہ سیکھتا ہوں کہ آگے کا فیصلہ غلط نہ ہو۔"

43 "کس کو دیکھے بنا نیند نہیں آتی؟"

"اپنی ماں کو دیکھے بنا نیند نہیں آتی۔"

44 "کس شخصیت پر چاہتے ہوئے بھی غصہ نہیں کر سکتا؟"

"غصہ تو کسی پر بھی آ سکتا ہے اور اپنوں پر ہی آتا ہے۔ ہاں غیروں پہ غصہ میں اس لیے نہیں کرتا کہ غیر ہماری زندگی میں اتنی اہمیت نہیں رکھتے۔"

45 "کس تہوار کا انتظار رہتا ہے؟"

"عید کا انتظار رہتا ہے۔"

46 "ملک کی ترقی کی راہ میں کون رکاوٹ ہے حکمران یا عوام؟"

"عوام..... کیونکہ حکمران بھی عوام میں سے ہی بنتے ہیں۔"

47 "کھانے کی ٹیبل پر کیا ہونا ضروری ہے؟"

"کھانا ہونا لازمی ہے اور میں کھانے سے پہلے پانی پیتا ہوں تو پانی ہونا بہت ضروری ہے۔"

48 "کبھی غربت میں وقت گزارا؟"

"بالکل..... اور ایسا نہیں ہے کہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوا غربت سے جدوجہد شروع کی اور آج الحمدللہ بہت لوگوں سے بہت اچھا ہوں۔"

49 "ایک مضمون جو آج تک ناپسندیدہ

ہے؟"
"شروع میں تو میٹھ اچھا لگتا تھا۔ مگر پھر ناپسندیدہ ہوگیا۔"
50 "ڈاکٹر، حکیم اور ہومیو پیتھک کس پر اعتبار ہے؟" "ڈاکٹر پر..... اور باقی دو کا تجربہ نہیں ہے۔"
51 "دنیا کا سب سے بورنگ کام؟"
"ہر وہ کام جس میں میری مرضی شامل نہ ہو۔"
52 "کیا دل سے اترا ہوا انسان دوبارہ اپنا مقام بنا سکتا ہے؟"
"بالکل بھی نہیں۔"
53 "کہاں جانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں؟" "باہر جانے کے لیے۔"
54 "وقت کی پابندی کے کتنے قائل ہیں؟"
"سو فیصد ..... مگر پاکستان میں وقت کی پابندی کرنے والے کی کوئی تعریف نہیں کرتا۔"
55 "گھر کا کون سا کام کرنا پسند نہیں؟"
"سارے کام کرنے پسند ہیں۔"
56 "آج کے دور کا پسندیدہ اینکر؟"
"میں چونکہ نیوز چینل دیکھتا نہیں۔ اس لیے ان کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔"
57 "دوست مخلص ہوتے ہیں یا رشتے دار؟"
"دوست ہی مخلص ہوتے ہیں۔ حالانکہ رشتے داروں سے تو خون کا رشتہ بھی ہوتا ہے۔"
58 "کس طرح کے کردار مسترد کر دیں گے؟"
"ایسے کردار جو محض ڈمی ہوں اور ان کے بغیر بھی ڈرامہ بن سکتا ہو۔ ایسے کردار پسند ہیں جو بھرپور ہوں۔"
59 "غصے میں آپ کی کیفیت؟"
"چپ کر جاتا ہوں۔"
60 "کون سی تاریخیں یاد رہ جاتی ہیں؟"
"تاریخیں یاد کرنے کا کیا فائدہ، دکھ ہی دیتی ہیں ہاں وہ تاریخیں یاد رہتی ہیں جن میں مجھے اپنی پے منٹس لینی ہوتی ہیں۔"
61 "کیا کبھی آستین کے سانپ سے پالا پڑا؟" "بالکل پڑا ہے اور دوست ہی ہوتے ہیں جو آستین کا سانپ بن جاتے ہیں۔"
62 "گھر میں کون پڑھا کو تھا؟"
"میں ہی تھا پڑھا کو۔"
63 "بچپن میں کس وجہ سے مار کھاتے تھے؟"
"بہن کو تنگ کرنے کی وجہ سے۔"
64 "گھر میں کون بی بی سی ہے؟"
"چھوٹی بہن ہے۔"
65 "کن چیزوں پر زیادہ خرچ کرتے ہیں؟"
"کپڑوں پر۔"
66 "کون سا کردار کرنے کی خواہش ہے؟"
"ہیکو کردار کرنے کی خواہش ہے۔"
67 "کبھی نجومی کو ہاتھ دکھایا؟"
"کبھی نہیں دکھایا۔ کیونکہ ضرورت ہی نہیں پڑی فیوچر میں دیکھنے کی۔ اللہ کا شکر ہے کہ نہ ماضی میں جیتے ہیں نہ فیوچر میں حال میں جیتے ہیں۔"
68 "کس کام کو کرنے کے لیے بہت سوچتے ہیں؟" "ہر کام کرنے سے پہلے سوچتا ہوں کہ غلط ہوگا یا صحیح۔"
69 "کس سے بلا جھجک ادھار مانگ لیتے ہیں؟" "میں ادھار مانگتا ہی نہیں ہوں۔"
70 "کس کے روٹھ جانے پر پریشان ہو جاتے ہیں؟"
"امی کے روٹھ جانے پر۔"
71 "پسندیدہ موسم؟"
"سردیاں۔"
72 "گھر میں کس کی زبان کو بریک لگانا مشکل ہے؟"
"چھوٹی بہن کو۔"
73 "آپ کے گھر میں کون حاتم طائی ہے؟"
"میں ہوں۔"
74 "کبھی چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سنیں؟" "جی جی..... بہت مرتبہ سنی ہیں۔"
75 "یوٹیوب میں آپ کا پسندیدہ چینل؟"
"مذہبی چینل..... مگر دیگر چینلز کے لیے موڈ ہوتا ہے کہ کیا دیکھا جائے اسلامی چینل سے نالج میں اضافہ ہوتا

ہے۔"

76 "دنیا کی خطرناک ترین مخلوق آپ کی نظر میں؟"

"میرے خیال میں تو انسان ہی ہے۔ اور انسان سے بڑا جانور کوئی نہیں ہے۔"

77 "شادی میں کن رسموں کے خلاف ہیں؟"

"ساری رسموں کے خلاف ہوں سوائے شریعت کے۔"

78 "کون سا کھانا مشکل سے کھاتے ہیں؟"

"کھانا کھانے کے بعد کھانا، کھانا مشکل ہوتا ہے۔"

79 "گھر میں کون مزاج کا گرم ہے؟"

"بابا گرم ہیں اور ان کے بعد میں ہوں۔"

80 "گھر سے باہر مہینے میں کتنی بار کھانا کھاتے ہیں؟"

"کبھی گنا نہیں جب موڈ ہوتا ہے کھا لیتے ہیں الحمد للہ۔"

81 "کھانا کھانے کا مزہ آتا ہے اپنے بیڈ پر۔ ڈائننگ ٹیبل پہ یا چٹائی پر؟"

"چٹائی پر۔"

82 "اچھی اور بری خبر سب سے پہلے کس کو سناتے ہیں؟"

"اچھی خبر سب کو سناتا ہوں۔ بری خبر کسی کو نہیں سناتا۔"

83 "کن باتوں سے موڈ خراب ہو جاتا ہے؟"

"جب کوئی غلط بات کرتا ہے۔"

84 "کون سی چیز نشے کی حد تک پسند ہے؟"

"کافی۔"

85 "گھر سے کب نہیں نکلتے؟"

"میں گھر میں رہنا پسند کرتا ہوں۔ بلاوجہ گھر سے نہیں نکلتا۔"

86 "جانوروں میں پسندیدہ جانور؟"

"بلی.....اور شیر۔"

87 "کیا آپ کے اندر بھی ایک ولن ہے؟"

"بالکل ہے۔ یہ سوسائٹی یہ لوگ آپ کو ہیرو کب رہنے دیتے ہیں۔"

88 "آپ کے گھر سے کون اس فیلڈ میں آنا چاہتا ہے؟"

"میں نہیں آنا چاہتا تھا لیکن آ گیا ہوں۔ اور مزید کوئی نہیں آنا چاہے گا نہ ہی کسی میں اتنی ہمت ہے۔"

89 "پہلی ملاقات میں شخصیت کی کس چیز کا جائزہ لیتے ہیں؟"

"بات چیت.....انسان کا اصل چہرہ اس کا تعارف ہوتا ہے اور پھر بول چال اس کا دوسرا تعارف ہوتا ہے۔"

90 "شوبز میں آنے کی بنیادی وجہ؟ متعارف کس نے کرایا؟"

"کسی نے متعارف نہیں کرایا۔ سوشل میڈیا کا دور ہے برانڈز شوٹس کیے، ماڈلنگ کی اور یوں اداکاری میں بھی آ گیا۔"

91 "سوشل میڈیا نہ ہوتا؟"

"تو شاید میں اس فیلڈ میں نہ ہوتا۔"

92 "مطالعہ کرتے ہیں؟ کس کو زیادہ پڑھتے ہیں؟"

"میں زیادہ تر اسلامی چیزیں پڑھتا ہوں۔ ہسٹری پڑھنے کا شوق ہے۔ پاکستان کی ہو یا کہیں کی ہسٹری ہو شوق ہے پڑھنے کا۔"

93 "پسندیدہ فوڈ اسٹریٹ؟"

"لاہور کی فوڈ اسٹریٹ۔ کراچی میں برنس روڈ۔"

94 "اگر کبھی ریسٹورنٹ کھولیں تو کون سی ڈش نہیں پکنے دیں گے؟"

"میں دیسی کھانوں کا ہی کھولوں گا۔ ایسٹرن، اٹالین والی سائیڈ پر نہیں جاؤں گا۔ ویسے میری خواہش ہے کافی شاپ کھولوں۔"

95 "اگر آپ کی شہرت کو زوال آ جائے تو؟"

"اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ صبر کر لیں گے۔ وہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔"

☆☆

خوشبو کی زبان

سمیرا حمید

الزبتھ بلیک ویل دنیا کی پہلی خاتون تھی جو ڈاکٹر بنی تھی۔

ایک عام لیڈی سے، لیڈی ڈاکٹر بننے کا سفر ہرگز آسان نہ تھا۔ایک واقعہ نے اس کی زندگی بدل دی اور اس نے ٹھان لی کہ وہ ڈاکٹر بن کر رہے گی۔

الزبتھ ایک غریب گھر سے تھی، پیٹ بھرنے کے لیے اسے ٹیچر بننا پڑا۔اس دوران اس کی ایک سہیلی بیمار پڑ گئی۔

ان دنوں پردے کا رواج تھا۔عورتیں، مرد ڈاکٹر سے علاج کروانے کے بجائے بیمار رہنا پسند کرتی تھیں۔سہیلی کی بیماری اور تکلیف بڑھتی چلی گئی۔الزبتھ لیڈی ڈاکٹر کی تلاش میں [illegible] پھرنے لگی مگر ناکامی ہوئی۔ان حالات نے الزبتھ کا ذہن متاثر کیا اور اس نے ڈاکٹر بننے کا ارادہ کرلیا۔وہ سمجھ گئی کہ اس کی منزل اسکول کی ٹیچنگ نہیں بلکہ میڈیکل کالج ہے۔

وہ برطانیہ سے تھی، ڈاکٹر بننے کے لیے امریکا گئی، جہاں جدوجہد کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا۔وہ درخواست لے کر جس جس میڈیکل کالج میں گئی، اسے داخلہ دینے سے انکار کردیا گیا کیونکہ قانون کے مطابق عورتیں ڈاکٹر نہیں بن سکتی تھیں۔اسے اپنے عورت ہونے کا احساس شدت سے ہوا۔ایک طرف علاج سے محروم بیمار سہیلی، دوسری طرف ڈاکٹر بننے سے محرومی۔

الزبتھ درخواست پر درخواست دیتی رہی، اسے انکار پر انکار ملتا رہا۔بالآخر اس نے جنیوا کالج میں اپنا مقدمہ پیش کیا۔کالج انتظامیہ نے ازراہ مذاق کہہ دیا کہ

"اگر کلاس کے مرد طالب علم اس کے حق میں ووٹ دے دیں گے تو اسے کالج میں داخلہ مل جائے گا۔"

یہ بھی انکار ہی تھا لیکن دوسرے انداز میں۔

کالج کے مرد طالب علموں سے ووٹ لیے گئے اور تمام ووٹ الزبتھ کے حق میں نکلے۔یہ ووٹنگ ان سب کے لیے تفریح سے زیادہ نہیں تھی۔ایک طرف الزبتھ جس نے امریکا کا کوئی کالج نہیں چھوڑا تھا جس کا دروازہ نہ کھٹکایا ہو، دوسری طرف کالج جو مذاقاً ووٹنگ کروا رہا تھا۔

وہ کسی کو یہ سمجھا نہیں سکی کہ وہ شوق کے تحت نہیں ضرورت کے لیے ڈاکٹر بن رہی ہے تاکہ عورتیں اس [illegible] تکلیف سے نہ گزریں۔الزبتھ نے دنیا کی پہلی لیڈی ڈاکٹر بن کر دنیا کی باقی عورتوں کے لیے ڈاکٹر بننے کی راہ ہموار کی، ورنہ شاید آج بھی یہ راستہ خواتین کے لیے بند رہتا۔

جیسے خواتین جسمانی بیماریوں میں خاموشی کا شکار رہی ہیں، ویسے ہی خواتین جذباتی بیماریوں میں بھی گھٹن کا شکار رہی ہیں۔احساسات کی گھٹن، نارسائی کی تکلیف، ناقدری کا عذاب اور چپ کی مشقت۔

بتایئے کیا انسان صرف جسمانی تکلیفوں کی ہی دوا چاہتا ہے؟ کیا اس دل کو ان کہے غموں کی دوا مطلوب نہیں ہوتی؟

دو عورتیں دو صورتوں میں بڑی جلدی سہیلیاں بن جاتی ہیں۔ان کے خواب ایک جیسے ہوں، یا ان کے درد ایک جیسے ہوں۔یہ خواب، یہ درد، خواتین

digest library.com

ڈائجسٹ کے صفحوں پر بکھرے ملے تو پڑھنے والی آنکھ، دھڑکنے والے دل سکھی سہیلی بن گئے۔ پاکستان میں ان خواتین کو ''قلم اور کہانی'' تھما دینے کی ابتداء خواتین ڈائجسٹ سے ہوئی۔ یہاں یہ بند راستہ ''خواتین ڈائجسٹ'' نے کھولا۔

ٹراسکی کہتا ہے:

''اگر تم حالات کو تبدیل کرنا چاہتے ہو تو ان حالات کو ایک عورت کی نظر سے دیکھو۔''

عورت کی یہ نظر کہانیوں میں دکھائی دی، سنائی دی۔ ہم نے تاج و تخت کی بغاوتیں سنیں، لیکن گھر کو جنت بنانے کی مشقتوں سے نا آشنا رہے۔

منو بھائی ایک بہت ہی پیاری بات بتاتے ہیں۔ کہتے ہیں ''ایک عورت میرے پاس آئی اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، بے چاری روتی رہی ہو گی۔ اس نے کہا'' بچے کی گمشدگی کی خبر دینی ہے۔

''چھ سال کا ہے، محمد انور نام ہے۔''

''کپڑے کیسے پہنے ہوئے ہیں؟''

''نیلے رنگ کی قمیص، ہوائی چپل، اور شلوار سفید تھی مگر اب تو میلی ہو گئی ہو گی۔''

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول



منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

مزید کہتے ہیں۔

''اس عورت کی بات سے میرے ذہن میں ایک عجیب سی سوچ آئی کہ اگر اس بچے کا باپ ہوتا تو سفید شلوار ہی لکھواتا۔ لیکن ماں چونکہ روز دھلی ہوئی شلوار پہناتی ہو گی تو اسے احساس ہے کہ اب میلی ہو گئی ہو گی۔ اس لیے اگر بہن بھی ہوتی تو یہی کہتی۔ اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ عورت اور طرح سے سوچتی ہے۔ اس بات نے مجھے ایک نیا احساس دیا کہ چیزوں کو اور حالات کو عورت کی نگاہ سے دیکھنا بہت اہم ہے۔'' (منو بھائی)

عورت کی نگاہ، حساس نگاہ ہے۔ محبت سے لبریز نگاہ ہے۔ ہم عورتوں نے لکھا، ہم عورتوں نے پڑھا۔ ہمارے خواب ملتے تھے ورنہ درد مشترکہ تھے، ایسے لکھتے پڑھتے ہم ایک ہو گئے۔ کچھ گتھیاں سلجھیں، کچھ سوجھ بوجھ ملی۔ زندگی کا بوجھ کچھ تو کم ہوا۔

ایک خط نے دوسرے خط سے تعلق بنایا۔ میں نے آپ کو جانا، آپ نے مجھے جانا۔ جو خواتین کبھی اپنے گھروں، اپنے گاؤں سے باہر نہیں نکلی تھیں، انہیں کہانیوں کے ذریعے نیا جہان مل گیا۔ جن خواتین کو اپنی خوشیاں بانٹنے کے لیے کوئی نہیں ملتا، انہیں بہنوں کی محفل میں ان خوشیوں کو دوبالا کرنے کا ٹھکانا مل گیا۔

ان کہانیوں پر طنز کیے جاتے رہے کہ یہ حقیقت سے دور لے جاتی ہیں، خوابوں میں بھٹکاتی ہیں۔ اتنی ترقی یافتہ دنیا میں یہ کتنی غلط بات ہے کہ کہانیاں صرف اس لیے نہ پڑھنے دی جائیں کہ وہ آنکھوں میں خواب جگا دیتی ہیں۔ کیا دو چار خواب دیکھنے کے لیے بھی دو ٹوں کی ضرورت درپیش رہے گی؟

ہرگز نہیں..... خاص کر ان آنکھوں کو جو حساس نگاہ رکھتی ہیں، اور ان لفظوں کو جو خوشبو کی زبان بولتی ہیں۔

☆☆

سلمیٰ مسرت راولپنڈی

چھ ماہ سے شعاع میں اور سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے مسلسل خواتین ۱۱ اگست میں باقاعدہ خط بھیج رہی ہوں۔ تقریباً سارے سروے، سالگرہ نمبر، سال نو نمبر، عید نمبر اور رمضان کے تمام سروے میں شرکت کی لیکن مسلسل نوانٹری ہے، صدف ناصر اور فرمانبردہ سلیم نے کئی بار آواز دی لیکن میرے ادارے کو کوئی خیال نہیں آیا، مجھے لگتا ہے۔ میرے خط آپ تک پہنچتے ہیں لیکن آپ مجھے جگہ دینے کو تیار نہیں ہیں، اس بار تو میرے بیٹے نے خط "رجسٹری" کر کے بھیجا تو رسید ساتھ لے کر آیا 10 مارچ کی رسید اس کے پاس محفوظ ہے میری ہر ماہ اداسی دیکھ کر میرے میاں نے کہا ہے کہ تم واٹس ایپ کا طریقہ استعمال کرو میں موبائل استعمال نہیں کرتی اب اس طریقے پر صرف آپ کو اطلاع دے رہی ہوں کہ میرے ساتھ آپ کا رویہ ایسا کیوں ہے؟

ج: پیاری سلمیٰ! ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ کے خط اور سروے شامل نہ ہو سکے۔ ہم لیٹ موصول ہونے والے خط بھی اگلے ماہ شامل کر لیتے ہیں۔ آپ کا یہ خط بھی ہمیں ای میل کے ذریعے موصول ہوا ہے۔ آپ کے دو یا تین خط ہمیں موصول ہوئے ہیں۔ جو ہم نے شامل بھی کیے ہیں۔ دراصل ڈاک کا نظام بہت گڑبڑ ہو گیا ہے اکثر قارئین یہی شکایت کرتی ہیں۔

عینا عمر خان..... کراچی

اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر تھا اس لحاظ سے پورا رسالہ ہی بہترین اور پرفیکٹ تھا، تمام سلسلوں سے لے کر کہانیوں تک مجھے تو سب کچھ پسند آیا میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ مئی میں ہماری ویڈنگ اینورسری بھی ہے سات مئی 2004ء کو میں نے اپنی زندگی کے تمام اختیارات زبیر صاحب کو سونپ دیے، نہ جان نہ پہچان ایک غیر شخص کے ساتھ ایسا تعلق ایسا رشتہ قائم ہوا جو تمام رشتوں سے زیادہ خوب صورت اور پیارا ہے (محبت۔ عزت اور سکون) اس رشتے کو بیان کرنے کے لیے یہ تین لفظ ناکافی ہیں۔ اکیس سال ہو جائیں گے شادی کو۔ ایک ان دیکھا، انجانا شخص زندگی میں آیا اور اب وہی میری زندگی بن گیا ہے۔ ہر موسم خوب صورت ہے کیونکہ میرا شوہر میرے ساتھ ہے۔

کہنی سنتی پڑھا، آپ کو خواتین ڈائجسٹ کی 53 سالگرہ مبارک ہو بلاشبہ یہ آپ سب کی کاوشوں کا نتیجہ



ناز کن خاتون



خط بھجوانے کے لیے پتا۔
خواتین ڈائجسٹ۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:Info@khawateendigest.com

ہے جو خواتین ڈائجسٹ کامیابی سے اپنا سفر طے کر رہا ہے۔

کرن کرن روشنی سے مستفید ہوئے۔ "فروزاں ہیں چراغ" بہت اچھا سروے کیا آپ نے۔ صفحہ نمبر 23 پر جو تصویر ہے وہ کس کی ہے نعیمہ ناز جی یا پھر فرحت اشتیاق صاحبہ۔ سو بری محترمہ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ مگر مجھے نام نہیں پتا کہ یہ کون ہیں۔

عشرہ مومن جی پہلی کہانی چھپنے پر مبارک باد قبول کریں، پچھلے ماہ آپ کا خط پڑھ کر ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ کے قلم میں کتنی پختگی ہے یقیناً آپ بہت آگے تک جائیں گی۔ عیشہ حسین کا ناولٹ زبردست تھا ایمان کی سادگی اور توکل بہت بھایا۔ زبردست تحریر تھی۔ انگنا پھول کھلیں گے۔ کہانی اپنے اختتام کی جانب گامزن ہے ثانیہ کو آخر میں اچھا نہیں بنا دینا کہ عبید سے معافی مانگ کر اچھی بیوی بن کر رہنے لگ جائے بلکہ اسے اس کے کیے کی سزا ملنی چاہیے۔

اور پردیس۔ سمیرا جی آپ سے تو یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ یہ کیا کیا آپ نے مشعل کو مار دیا۔ کیونکہ آپ نے جو

لکھا ٹھیک لکھا۔ مشعل کی موت کا غم ایک طرف مگر آپ نے معاشرے کے جس تلخ پہلو کو اجاگر کیا ہے وہ اپنی جگہ جوں کا توں قائم ہے۔ یا تو لڑکی اپنی خواہش، اپنا شوق قربان کر دے یا پھر خود قربان ہونے کے لیے تیار ہو جائے یہی المیہ ہے اور یہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

''شکاگو پر بارش نہیں، قہر برس رہا تھا، آسمان شق ہو گا زمین پھٹے گی اور ہر راز باہر نکل آئے گا۔''

سمیرا جی آپ کے لفظ لفظ نے رلایا۔ مشعل کی موت نے رلایا۔ اس کے بعد کچھ پڑھا نہیں گیا۔ ڈائجسٹ بند کر کے رکھ دیا۔ پھر جتنی بار رسالہ کھولا۔ یہی صفحہ نکالا، بار بار پڑھا!! پتا نہیں کتنی بار پڑھ چکی ہوں۔ اب اور کچھ پڑھا نہیں جا رہا۔

ج: پیاری عینا! سب سے پہلے خوش گوار شادی کی سالگرہ کی مبارکباد قبول کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کا ساتھ سلامت رکھے آمین۔ اللہ تعالیٰ نے سمیرا کی تحریر میں بہت اثر رکھا ہے۔ وہ جب مزاح لکھتی ہیں تو ہنسی نہیں رکتی اور جب معاشرے کی تلخ حقیقتوں سے پردہ اٹھاتی ہیں تو آنسو روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ دعا کریں کہ وہ اسی طرح لکھتی رہیں۔ مشعل کی دردناک موت پڑھ کر ہمیں بھی اتنا ہی دکھ ہوا تھا جتنا آپ کو..... زیادہ دکھ اس بات پر کہ یہ افسانہ نہیں حقیقت ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایسی سینکڑوں کہانیاں بکھری پڑی ہیں جہاں نام و نہاد غیرت کا مظاہرہ عورت کو قتل کر کے کیا جاتا ہے۔

صفحہ 23 پر بہن فرحت اشتیاق کی تصویر ہے۔

حنا جاوید..... کراچی

اس بار شمارہ تاخیر سے ملا۔ کہنی سننی کے بعد کرن کرن سے روشنی سمیٹتے ہوئے آئے تو ''فروزاں ہیں چراغ'' میں شاہین رشید صاحبہ کی کاوش دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ اپنی پسندیدہ مصنفات کے انٹرویوز پڑھنے کا جو مزہ ہے وہ بھی بیان نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں تو گیارہ مصنفات کی باتیں اور باتیں بھی وہ جس میں ان کے احساسات کو پڑھنے کا موقع ملا۔ رہنمائی حاصل ہوئی۔

ہمارے نام میں ہمیشہ کی طرح دوستوں کی بزم اور گیدرنگ والی فیلنگز آتی رہیں۔ بھئی فرخندہ سلیم۔ آپ قاریہ اور تبصرہ نگار تو ہیں ہی۔ اب آپ قلم اٹھائیے اور ایک مزے دار سی پر مزاح تحریر لکھ ڈالیے۔ میرا اندازہ ہے کہ آپ بہت اچھا مزاح لکھیں گی۔ آپ نے جو سرورق پر تبصرے کیے ہیں ہر تبصرے کے بعد دوبارہ سرورق دیکھ کر ہنستی رہی۔

حمیرا شفیع کے افسانے میں مجھے انتظار ہی رہا کہ کب فہد عاشی کے بابا کے لیے لنگی خریدے گا تاکہ بابا کو اچھا لگے۔ مگر جب افسانہ ختم ہونے لگا اور لنگی کا کوئی تذکرہ نہ ہوا تو میں نے فہرست میں جا کر عنوان کا نام چیک کیا اور پتا چلا کہ اس بار مس پرنٹنگ انجوائے منٹ کا سبب بن گئی ہے۔ افسانوں میں نادیہ جہانگیر اور حمیرا کے افسانے اچھے لگے۔ پریتم بس ٹھیک تھا۔ ناولٹ بہت مزے دار اور بہترین تھا۔ پڑھ کر مائنڈ فریش ہو گیا۔ چونکہ شمارہ لیٹ ملا تو جتنا پڑھا اس پر تبصرہ حاضر۔ باقی محفوظ۔

ج: پیاری حنا! ڈیڑھ سال پرانی بات ہے ہم نے آپ کا افسانہ پڑھا تو ضرور ہو گا لیکن ہمیں بالکل یاد نہیں ہے کہ افسانہ کس موضوع پر تھا۔ کیوں شائع نہیں ہوا۔ آپ ہمیں اپنا فون نمبر بھجوا دیں، ہم فون پر بات کریں گے۔

''ڈھنگ'' ملا ہم نے پہلی فرصت میں پڑھا۔ بہت زبردست لکھا ہے۔ خاص طور پر کردار نگاری بہت عمدہ ہے جن کرداروں پر آپ نے لکھا ہے۔ وہ ہم نے اپنے اردگرد دیکھے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خونی رشتوں کو بھی احساس دلانا پڑتا ہے۔ خاموشی کی زبان کوئی نہیں سمجھتا۔ اچھا ہونا کافی نہیں اپنی شخصیت کا اظہار بھی ضروری ہے۔

فرخندہ سلیم..... ملتان

سالگرہ نمبر سرورق میری پسند کے مطابق سجا سنورا تھا اور ماڈل کو زبردستی ساڑھی سالگرہ نمبر کی وجہ سے پہنائی گئی تھی جو مجھے بے حد حسین لگ رہی تھی۔ سالگرہ نمبر میں سب نے بہت محنت کی تو میری طرف سے شاباش کہ کوئی کمی نہیں تھی اور نمبر 100/100۔ سروے میں شاہین نے خوب دلچسپ سوال کیے اور ذاتی طور پر مجھے شاہین کا سروے کرنے کا انداز بہت پسند ہے مگر اجمل کا اس سے زیادہ کہ سوال دلچسپ ہوتے ہیں۔ میری بہت خواہش ہے اور وہ یہ کہ شاہین کا انٹرویو شعاع میں لگے طویل سا۔ راحت کی یہ قسط پڑھ کر سکون ہوا کہ کمینی دراصل ثانیہ کا نک نیم کمینی ہے تو اس کے گھر میں قدرت کی طرف سے لگی ہوئی آگ دیکھ کر خوشی ہوئی یہ ہے بھی اسی قابل اور عبید کے قابل نہیں۔

حمیرا شفیع کا افسانہ حسب روایت دلچسپ عنوان کے ساتھ موقع کی مناسبت سے تھا۔ عشرہ مومن کا افسانہ

مختصر مگر بہت ہی پر اثر اور حقیقت سے قریب تر تھا۔عیشہ حسین تو چھائی ہوئی ہیں اور سچ یہ ہے کہ سالگرہ نمبر میں ان کا ناول ٹاپ پر تھا کہ اندر لکھنے کا کچھ منفرد سا تھا سسپنس اور پلاٹ بھی عمدہ تھا بہت خوب عیشہ میں آشیرواد دیتی ہوں کہ تم سدا سہاگن رہو اور پتی خوب محبت دے آمین۔ ہاں ناول کا نام بھی دلچسپ تھا۔

اللہ پریتم افسانہ تو افسانوں میں سب سے ٹاپ پر لگا اور اگرچہ دکھی سا تھا مگر کبھی کبھی دکھی کہانیاں بھی اچھی لگتی ہیں اگر سلیقہ سے لکھی ہوں، نگہت کی کہانیوں میں اداسی، خاموشی یاسیت ہوتی ہے مگر اسی وجہ سے مجھ کو پسند ہیں نگہت، خاموش سی محبت والی کہانیوں کی نگہت۔

نادیہ جہاں گیر کافی دن بعد آئیں، اچھے سے افسانے کے ساتھ اور افسانہ حقیقت سے قریب تر تھا پھر میکے کی عید ایسا عالمی مسئلہ ہے کہ بہت سے دنگا فساد اور کبھی کبھی گالم گلوچ بھی ہو جاتی ہے۔

اب تو مجھے آسیہ کی کہانیاں بھی اچھی لگنے لگ گئی ہیں کہ میں نے سوچا کہ سب پڑھ رہے ہیں شوق سے کچھ بات ہے تب ہی نا تو مجھے دوسروں کی پسند کا بھی خیال کرنا چاہیے اور ناول اچھا لگا۔

فریدہ سیفی کا انداز بھی لکھنے کا ہم کا اچھا لگے ہے اور فریدہ بھی کافی دن بعد آئیں مگر ناولٹ اچھا تھا جس میں نظم بہت پیاری سی لگی۔

زارا منجر اکا افسانہ جو گھریلو سا تھا، میری جان تھا کہ مجھ کو ایسی تحریریں پسند ہیں پھر میں نے پی ایچ ڈی بھی کی ہوئی ہے نا گھریلو گھرانے میں نا۔

سارے سلسلے کراچی کی چٹ پٹی تہہ والی بریانی جسے کھا کر معدہ تیزاب پیدا کر دیتا ہے ویسے معدے کا مسئلہ مجھے تو بہت ہے تو میں کھانے میں بہت احتیاط کرتی ہوں تو بریانی کی طرح بہت مزے کے تھے۔ اچھا چلتی ہوں اگلی بار تفصیل سے باتیں کروں گی۔

ج: پیاری فرخندہ! تبصرہ آپ کا مزے دار ہے۔ ہمیشہ ہی ہوتا ہے، اس بار خاص بات یہ ہے کہ آپ کو ساری کہانیاں بھی اچھی لگیں اور ٹائٹل بھی پسند آیا۔ بہت شکریہ۔ آپ نے ہماری حوصلہ افزائی کی۔

جویریہ حیدر ملغانی.....سوکڑ تونسہ شریف

شکر ہے اس دفعہ رسالے جلد مل گئے۔ سات تاریخ کو۔ شعاع ابھی تک نادیہ کے پاس ہے اس کا دیدار نہیں ہوا۔ خواتین کا ٹائٹل دیکھ کے بے ساختہ واہ اور زبردست بول اٹھے۔

سب سے پہلے سروے "رمضان کی برکتیں" پڑھا۔ زبردست بھئی۔ اپنی فرخندہ تو اس دفعہ "فل موڈ" میں ہیں۔ ہمیشہ خوش رہیں۔ سب بہنوں کا رمضان زبردست رہا۔ کھائیں پئیں مگر اعتدال سے۔

مالا اس دفعہ زبردست رہا۔ محبت کا پرپل کلر اتنا خوب صورت ہوگا (بیکری کی صورت میں) اندازہ نہیں تھا۔ واہ بھئی وارے نیارے اسے کہتے ہیں۔ دیکھیں زارا کی نفرت کیا رنگ لاتی ہے۔ خدا خیر کرے۔ "آئینے اور گرد" زبردست۔ راشدہ رفعت کا اپنا انداز۔ گھریلو پرسکون اور محبت سے گندھی کہانی پڑھ کے مزہ آیا۔ عارفہ کا کردار زبردست رہا۔

افسانہ نگری بہترین نگری۔ "سیفٹی پن" کیا ایسا ہوتا ہے۔ ہم نے تو آج تک نہیں دیکھا۔ "کچن کا راجا" والا حال ہمارا ہے۔ آئندہ احتیاط کریں گے۔ بچیاں اور بہن سب کاٹ کر دیتی ہیں۔ پکائی میں ہوں۔

"ہم بتلائیں کیا" احساس جگاتی ہوئی تحریر۔ خوب جویریہ حیدر لگی رہو۔ ہمارے نام زبردست اور پسندیدہ سلسلہ۔ بہنوں کی محفل خوب جمی۔ اعتل جی۔ نازیہ جمال سے درخواست کریں کہ شازیہ کے بارے میں لکھیں۔ تبصرے سب کے بہترین رہے۔ ناہید اسماعیل، رضوانہ فرخندہ اور صدف ناصر کے تبصرے بہترین رہے۔ رضوانہ کا باورچی خانہ بہترین رہا۔ مجھے پڑھ کے ایسا لگا جیسے یہ ہمارے گھر کا حال ہو۔ سادہ طرز زندگی۔ سادہ لوگ۔

نفسیاتی الجھنوں میں بہن نزہت ہوش کے ناخن لیں۔ اپنی عاقبت دنیا اور آخرت بچائیں۔ بیوٹی بکس میں بہترین مشورے ہوتے ہیں۔ میں بھی آزمائی ہوں بہت فائدہ ہوتا ہے لیکن مستقل مزاجی شرط ہے۔

شعاع جنوری میں میری کہانی "برکت" پر دعا ایوب لکھا دیکھ کے مزہ کرکرا ہو گیا۔ "ادارے والیوں سے شکایت کر دیں۔" یہ میری بیٹی عروہ زاہد کے الفاظ ہیں۔

آج دسواں روزہ اور گیارہ تاریخ ہے۔ صبح تو نسہ شریف جائیں گے۔ عید کی خریداری کے لیے۔ خط بھی پوسٹ کر دوں گی۔

ج: پیاری جویریہ! ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ

کی کہانی پر دعا ایوب کا نام لگ گیا۔ہم پرچے میں تصحیح کر رہے ہیں۔

آپ کا خط لیٹ ملا۔اس لیے مارچ کے شمارے پر تبصرہ اس ماہ شامل ہے۔آپ نے اپنی عید کی خریداری کی جو تفصیل لکھی ہے اس پر تو افسانہ لکھا جا سکتا ہے۔آپ ہمیں قطعی افسانہ لکھ کر بھجوائیں۔

زاہد بھائی سے دلی ہمدردی ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ پیسے خرچ کرنے کے لیے ہی ہوتے ہیں اور اپنوں کی ضرورتیں پوری ہوں، ان کے چہروں پر اطمینان اور خوشی نظر آئے۔پیسے کا اس سے اچھا مصرف کیا ہو سکتا ہے۔

رضوانہ وقاص.....کرلاں ہری پور

خواتین اس بار 9 تاریخ کو مل گیا۔ارسلان اور اس کے پاپا ہری پور گئے ہوئے تھے۔رات کو دیا۔مجھے جنہوں نے فون کیے تھے۔ان کے نام لکھے تھے۔لیکن نہ شعاع میں اور نہ ہی خواتین میں خط ہی نہیں آیا۔میری پیاری دوستیں جو مجھے فون کرتی ہیں۔سب نے بولا ہم خاموش قاری ہیں۔ہمارا نام لکھنا۔ایک بار پھر سب کے نام لکھ رہی ہوں پلیز جگہ دینی ہے شکریہ جی۔

میں بھی اس دفعہ تیار ہوئی، مہندی چوڑیاں۔نئے کپڑے پہنے جو مجھے میرے بھائی شاہ زیب نے بیٹے کے ہونے پر دیے۔بھائی دیتے ہی رہتے ہیں۔اگر کچھ نہ بھی دیں۔پیار سے بات ہی کرتے ہیں وہی بہت ہوتا ہے۔

ماڈل تیار اچھی لگی۔میں اتنی ہیوی جیولری نہیں پہن سکتی۔لیکن ماڈل پر اچھی لگی۔بال کے اسٹائل نہیں بدلتے ہر ماڈل کے بال بکھرے ہوئے ہوتے ہیں۔میں اگر تبصرہ کرنے لگ گئی تو خط بہت لمبا ہو جائے گا۔لہذا میں صرف نام لکھوں گی جنہوں نے مجھے فون کیے۔اور انہیں میرے خط اچھے لگتے ہیں۔عشرہ مومن پنجاب بھکر سے۔اس بہن نے مجھے کال کی ان کا افسانہ آیا ہوا ہے۔وہ پڑھا۔بہت اچھا لکھا آپ نے۔اور یہ مجھے بھی بہت اچھی باتیں سکھا رہی ہیں بہت شکریہ عشرہ آپی۔سب سے پہلے مجھ سے رابطہ کیا میری پیاری دوست کیمرا آپی نے کھلابٹ سے۔میری اور ان کی ملاقات بھی ہو گئی۔بہت خوشی ہوئی ان سے مل کر، ڈھیندے اسپتال میں داخل ہوئی وہ مجھے دیکھنے آئیں اپنی بہنوں کے ساتھ۔بہت اچھا لگا ان سے مل کر۔بہت شکریہ۔ان کا ملنا میرے لیے اچھا ثابت ہوا کہ اب مجھے سب کی کالیں آ رہی ہیں۔فون نمبر سیل ہو گیا مانگا تھا۔پہلے میں فون استعمال نہیں کرتی تھی۔لیکن اب میری ضرورت بن گیا ہے۔بچوں کا پتا کرنا ہوتا ہے۔ان کی ٹیچر مجھے اب بچوں کی جو بات ہوتی ہے پر بتا دیتی ہے۔احمد، عباس کو ان کے پاپا نے فون دیا۔کہ رابطہ ہو سکے۔مجھے رمضان میں فون آنے شروع ہوئے۔تم آنٹی کورنگی کراچی۔پھر لاہور سے ڈاکٹر نوید لڑکی ہے۔نام ان کا نوید بہت اچھی باتیں کرتی ہیں۔میں نے ان کی ہر بات پر عمل کیا وہ ہی نہیں جو مجھے جو بھی بات وظیفہ ڈاکٹر بتا رہی ہیں ایک بار ضرور کروں گی اور وظیفے بھی کروں گی ان شاء اللہ۔فوزیہ جمشید لاہور۔عائشہ آپی صادق آباد۔عائشہ طارق بھکر۔فوزیہ آپی میاں چنوں۔گوہر آپی لیاری۔عشرہ مومن ڈے جے کسوہ۔ارم صوابی۔حمیدہ لاہور۔مقدس بخاری بھکر۔ماریہ شاہین۔اسلام آباد۔صبا اسلام آباد۔مبین آپی گجرات۔نورین آپی کراچی۔رفعت آپی گجرات۔رضوانہ آپی منگلا ڈیم۔ثمینہ لاہور۔شائستہ کھرپا۔شازیہ کوٹ ادو۔طیبہ سیالکوٹ۔زبیدہ آنٹی لاہور۔بیا انمول قصور۔فاطمہ آپی میری بہت اچھی دوست بن گئی ہے۔روز بات نہ بھی ہو دوسرے دن ہوتی ہے۔لیاری کراچی سے۔گلشن ڈے جے۔یہ ڈاکٹر کی پڑھائی کر رہی ہے۔اور ان کی بہن ثانیہ بھی پڑھتی ہے۔جنت ڈے جے اس کی بہن ملائکہ بھی ڈاکٹری کی پڑھائی کر رہی ہے میری دعا ہے اللہ انہیں اچھا ڈاکٹر بنائیں۔میری دعا ان کے ساتھ۔مریم حیدر آباد۔نسرین آنٹی بھکر۔اوجمید ڈے جے خان۔رابعہ عمران۔ثمینہ آنٹی فیصل آباد۔شبنم سندھ۔زرینہ آنٹی گوجرانوالہ۔انمول کوٹ ادو یہ اور اس کا بھائی آیان بھی پڑھتا ہے۔وہ نویں کلاس کا طالب علم ہے۔فرزانہ عمر فہمیدہ راولپنڈی۔کیمرا، شاہ کوٹ۔کیمرا بابر فیصل آباد ان کی بہن سدرہ بھی پڑھتی ہے۔عطیہ آنٹی اٹک حضرو۔واسین زاہد راولپنڈی شکیلہ آنٹی کراچی۔

ان سب نے بات کی ہے۔ڈاکٹر بھی بتائے۔وظیفے بھی۔کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی ٹیچر ہے۔کوئی عالمہ ہے۔کوئی پڑھائی کر رہی ہیں اور کوئی گھریلو خاتون ہے۔سب سے بات کر کے اچھا لگا۔زیادہ وہی مجھ سے رابطہ کر رہی ہیں۔جو خاموش قاری ہیں۔کبھی خط نہیں لکھا اور بولا ہے۔سب کے خط پڑھتی ہیں۔سب پڑھنے اور لکھنے والیوں کو سلام۔

اور ایک دو نے کہا گوشی جمال کے خط اچھے لگتے ہیں۔عطیہ آنٹی نے بولا ثمینہ اکرم کا پوچھنا ہے۔کہ وہ

بہت عرصہ ہو گیا نہیں لکھتیں۔ کدھر ہے کیسی ہے۔ اور مدیرہ کا پوچھا وہ کیسی ہے۔ مجھ سے بات ہوئی بہت اچھا لگا۔ اب ہم اچھی دوستیں اور بہنیں بن گئی ہے۔ اور جس طرح انہیں اچھا لگا ہے بات کر کے مجھے بھی اچھا لگتا ہے۔

اور ام انعام نواب شاہ اللہ پاک آپ کے بیٹے کو جلدی سے ٹھیک کر دیں آمین۔ یہ پہلے لکھتی تھی خط لیکن اب بیٹے کی وجہ سے لکھنا چھوڑا ہوا ہے۔ میری سب کے لیے دعا ہے۔ جن کی جو جو پریشانیاں ہے اللہ پاک دور کر دیں آمین۔ اور میرے لیے سب دعا کرتی ہیں۔ سب کا بہت بہت شکریہ۔ شاہ زیب بھائی کی شادی کا احوال بھی لکھ کر بھیجا تھا وہ بھی نہیں آیا۔ اب اگلے ماہ 5 تاریخ کو میرے پیارے بھتیجے عدنان بشارت کی سالگرہ ہے پپی برتھ ڈے ٹو یو تم جیو ہزاروں سال (آمین)

ج: پیاری رضوانہ! آپ کا خط اور سرورے تاخیر سے موصول ہوئے اس لیے شامل نہ کر سکے۔ جن بہنوں نے آپ کو خط لکھے آپ نے ان کے نام لکھے ہم شائع کر رہے ہیں لیکن اس طرح نام پڑھنے سے قارئین کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ممکن ہے آپ کو بہت ساری بہنیں فون کریں آپ سب کا نام تو نہیں لکھ سکتیں نہ ہم شائع کر سکتے ہیں۔ جن کا نام نہیں لکھیں گی انہیں شکایت ہوگی۔ بھائی کی شادی کا احوال جون کے شمارے میں شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔

بے نام.....نامعلوم شہر

یہ بے نام تبصرہ ہمیں ای میل کے ذریعے موصول ہوا ہے تبصرہ بہت اچھا ہے لیکن قاری بہن نام لکھنا بھول گئی ہیں۔

اس دفعہ بہت زیادہ مصروفیات ہونے کے باوجود شمارہ جلدی پڑھ لیا تھا۔ گھر کی مصروفیات چاچو کے آنے کی وجہ سے تجرے میں کھانا چائے بھجوانے کے ساتھ ساتھ کالج کی مصروفیات آڑے آتی رہیں۔ مگر ہم نے بھی ہمت نہ ہاری۔ مکمل کر کے، پڑھ کے، رٹ کے، دہرا کے اور تبصرہ کر کے ہی دم لیا۔

اب برقعہ پہنے ہوئے مابدولت گاڑی کے انتظار میں بیٹھے ہیں اور نقاب تک لگایا ہوا ہے لیکن آج ان شاء اللہ تمام تحریروں پر رائے پیش کر کے ہی رخصت ہوں گے۔

کہنی سنی سے آگے بڑھے تو کرن کرن روشنی سے دل کو منور کیا۔ جزاک اللہ۔ اتنے پیاری سلسلے کے لیے۔

انشاء جی کی پنجابی نظم بہت پسند آئی۔

"فروزاں ہیں چراغ" میں روشن چراغوں سے ملاقات کی۔ ہماری پیاری رائٹرز! سلام عشق ہے آپ کو۔

"ہمارے نام" خط واقعی آدمی ملاقات ہیں۔ بہت دھیان سے پڑھتی ہوں۔

حمید چوڑیاں اور لگی۔ ویل ڈن میر اشفیع مگر لگی۔ کا ذکر کہیں نہ ملا۔ ہجرت۔ مختصر۔ پراثر۔ محسن اثر ہون..... حمیدہ حسین نام ہی کافی ہے۔ اتنی سی شکایت ہے۔ آسیہ رئیس کے خیالات سے متفق ہیں۔ زندگی اور رشتوں میں اعتدال بہت ضروری ہے۔ کسی رشتے سے اپنائیت، اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دوسروں کی حق تلفی یقینی ہے۔ نوین کا کردار واقعی ہیروئن جیسا تھا۔ سچا، کھرا، بے باک۔

"چلو ساتھ چلتے ہیں" فریدہ سیفی نیا نام مگر اعلیٰ کام۔ شاباش فریدہ۔

باقی تمام سلسلے بھی رسالے کی جان ہیں۔ سب ہی پسند آئے۔ میں نے "پرتھوی راج کی سندری" کے نام سے ناولٹ لکھا ہے۔ ان شاء اللہ جلد بھیجوں گی۔

بہت سے افسانے، ایک ناولٹ اور ایک ناول بھیج چکی ہوں۔ کہا گیا تھا کہ قابل غور کی لسٹ میں ہیں۔

ج: عزیز بہن! آپ کے پرچا مکمل پڑھ کے، رٹ کے، دہرا کے تبصرہ کیا اور بلاشبہ بہت اچھا لکھا لیکن اپنا نام لکھنا بھول گئیں۔ پرتھوی راج کی سندری جلد مکمل کر کے بھجوا دیں۔ ہم منتظر ہیں۔ اس سندری کے درشن کے لیے۔ ناول مکمل ہو جائے تب پڑھیں والی بات ہمیں ٹھیک نہیں لگتی۔ مصنفہ کو فیڈ بیک کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمیں بھی۔

افسانہ، ناولٹ کا کیا بتائیں جب نام ہی نہیں معلوم۔

نصرت جبیں ملک.....نامعلوم

صبح آٹھ بجے سے دوپہر دو بجے تک لگاتار مختلف کلاسز میں پیریڈ لینے کے بعد جب چھٹی سے پانچ منٹ پہلے آفس روم میں چیئر پر تھکاوٹ سے نڈھال ہو کر آ بیٹھی تو میم بلقیس ہاتھ میں "شعاع" لیے اندر آئیں تو حبس زدہ ماحول میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کی طرح اطمینان محسوس ہوا۔ اللہ بھلا کرے ان کے شوہر کا، بیگم کو چھٹی پر گھر لینے کے لیے آئے تو ہر ماہ کی طرح اس مرتبہ بھی میرے لیے شعاع لانا نہیں بھولے کیونکہ ہمارے گاؤں سے پرچا بہت لیٹ ملتا ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 202 پر

Digest
Novels
Lovers
Group



انتیسویں قسط

''یہ تمہارا ہی تھا زارا.....!'' عفان کا لہجہ بھیگ گیا۔ آنکھوں میں آئی نمی کو بمشکل پیچھے دھکیلا۔ زارا لپک کر قریب آئی عفان کے دونوں ہاتھ تھام کر زار و قطار رونے لگی۔ اس کے دونوں ہاتھ کانپ رہے تھے۔

''تم نے مجھ پر بہت احسان کیا ہے عفان! تم نے مجھے خرید لیا ہے۔'' اندر آتی ارم نے اس منظر کو حیرت سے دیکھا۔ پھر مسکرا دی۔

عفان نے ایک بے بس سی نگاہ ارم پر ڈالی۔ یہ فیصلہ بہت مشکل تھا۔ مگر اس نے کر لیا۔

ارم نے پاس آ کر زارا کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ زارا نے سر اٹھایا اور بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔

''یہ احسان نہیں ہے۔ وہ ہمارے پاس تمہاری امانت تھا زارا۔''

ارم نے اپنے ہاتھوں سے اس کا چہرہ صاف کیا۔

''ہم تمہاری فیملی ہیں۔ اور ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گے۔''

زارا بے اختیار ہنسی..... پھر عفان کی طرف مڑی۔

''اگرچہ تم میرا ہی بیٹا مجھے واپس کر رہے ہو۔ پھر بھی میں ساری زندگی احسان مند رہوں گی۔ مانی کو کبھی تم لوگوں سے دور نہیں کروں گی۔ وعدہ کرتی ہوں وہ اپنے چاچا، چاچی سے ملنے آتا رہے گا۔''

''اور دادی کو بھول گئیں۔'' وہ ہاجرہ کی آواز پر پلٹی۔

''آپ تو میری ماں ہیں۔'' زارا نے ان سے لپٹ کر ماتھا چوم لیا۔

''جو کچھ آپ نے میرے لیے کیا ہے وہ کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔''

''بس اب رونا بند کرو۔ یہ ہمیشہ تمہارا میکہ تھا۔ میکہ ہی رہے گا۔ جب بھی آنا پورے حق کے ساتھ آنا۔'' ہاجرہ نے نم آنکھوں کے ساتھ بہت سی دعائیں زادِ راہ کر دیں۔

پوتے کو بھیجنا آسان نہ تھا۔ وہ اس میں اپنے بیٹے کی صورت دیکھتی تھیں۔ مگر زندگی میں فیصلے محض جذبات سے تو نہیں ہوتے۔ انہوں نے افسردگی مگر اطمینان سے عفان کو دیکھا۔

ان کے جذباتی بیٹے نے حقیقت پسندی سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔

''اب آ جاؤ سب لوگ کھانا ادھورا چھوڑ کر آئے ہیں۔''

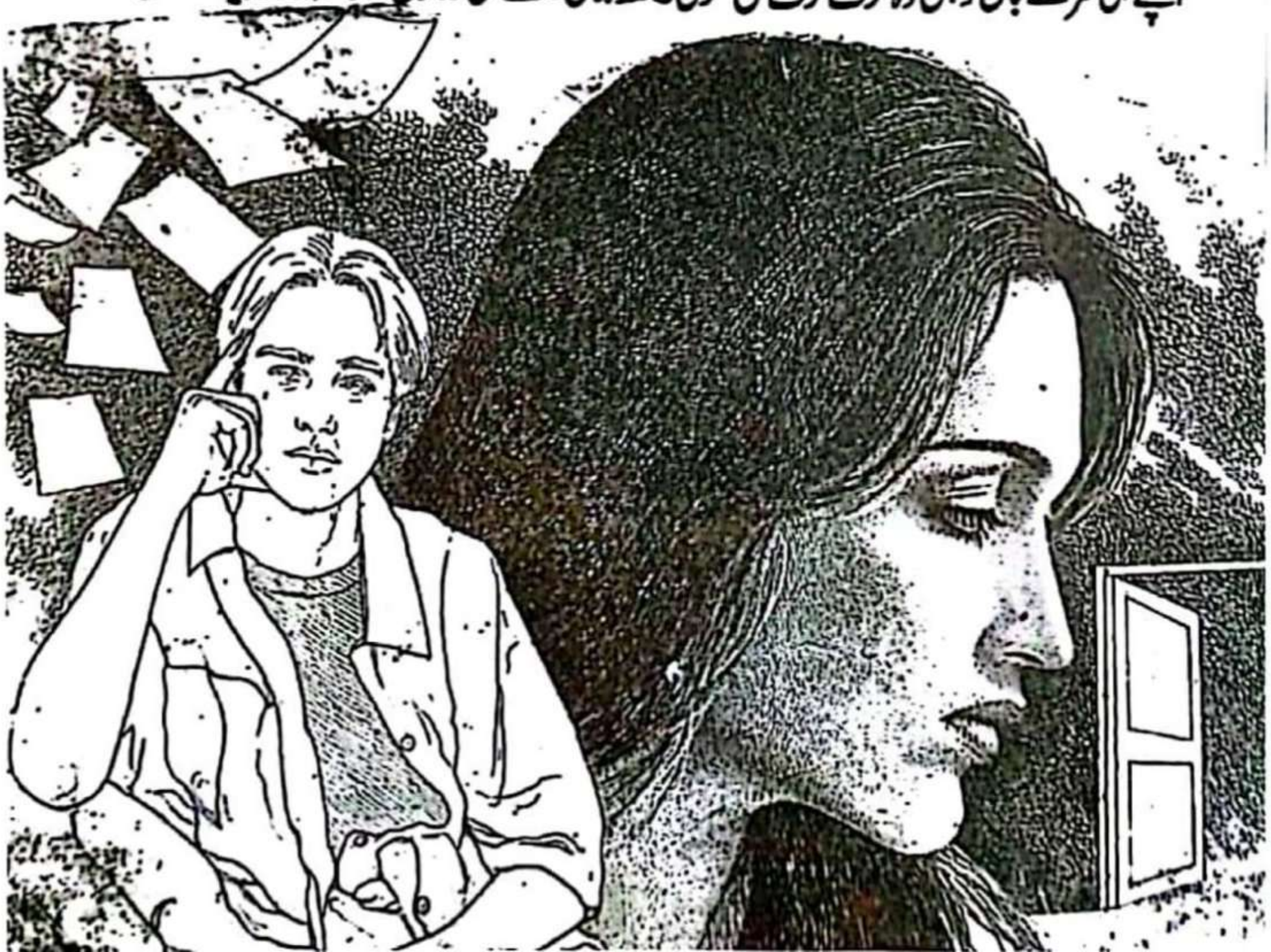
''آپ لوگ جائیں میں کچھ وقت مانی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں اب تو مہمان ہے پھر نجانے کب آئے۔''

عفان نے بے حد ضبط سے کہا۔ تو ہاجرہ کا دل بھی جیسے مٹھی میں آ گیا۔

جدائی عارضی ہو یا دائمی۔
تکلیف دیتی ہے۔
پھر صبر آجاتا ہے۔
"میں نے جوان بیٹے کی موت پر صبر کیا ہے۔ یہ جدائی تو پھر عارضی ہے۔"
انہوں نے خود کو تسلی دی۔

☆☆☆

ان چند دنوں میں وہ اتنا روئی تھی کہ لگتا تھا آنسو ختم ہو گئے ہیں۔ فرخ کو اتنی بددعائیں دی تھیں کہ کوئی نئی بد دعا نہ سوجھتی تھی۔
ملامت جس نے ساری زندگی خود سے محبت کی تھی۔ وہ خود کو ملامت کر کے نہ تھکتی۔
اپنی خطائیں.....اپنی غلطیاں.....اپنے گناہ۔
وہ آئینہ جو اسے آسمانوں پر اڑاتا تھا۔ اب اس کا بدصورت چہرہ دکھاتا۔
وہ خود کو دیکھ نہ پاتی۔ نظریں چراتی۔
یہ خود شناسی، خود آگاہی کا سفر اس کے اندر کہاں سے شروع ہو گیا تھا کہ اس کا اپنا ہی وجود طنز و ملامت کی کانٹے دار جھاڑیوں میں پھنسا لیر ولیر ہو رہا تھا۔
بات وہیں آ رکتی تھی۔
وہ فرخ کے راستے میں کیوں آئی؟
وہ تو کسی اور کے ساتھ زندگی کا سفر شروع کر رہا تھا۔ اس نے کالی بلی کی طرح فرخ کا رستہ کاٹ دیا۔
دریا کسی اور طرف بہہ رہا تھا۔ تانیہ نے زبردستی رخ موڑنے کی کوشش کی تو وہ اسی کو بہا کر لے گیا۔
قسمت کے سبک خرام چلتے پہیے میں ہاتھ دو گے تو ہاتھ تو کٹے گا۔
اپنے ہی سر کے بال نوچتی وہ حرف حرف جمع کرتی۔ لفظ بناتی، جملے بنتی وہ کون سا جملہ ہو جو عبید کے دل کو



اس کے لیے صاف کردے۔
''میں عبید سے محبت کرتی ہوں۔''
''محبت تو وہ بھی تم سے کرتا تھا۔''
''میں نے اس کے لیے بہت سی قربانیاں۔'' لفظ اس کے اندر ہی دم توڑ جاتے۔
''کون سی قربانیاں۔''
ہر قربانی عبید نے دی۔ اپنا گھر چھوڑا، اس کے لیے گھر بنایا۔ اس کی خاطر ماں باپ، بہن سے دور ہوا۔
''میں نے اس سے وفا.....''
وفا بھی اس نے بھائی دل پر ہاتھ رکھو۔ دماغ پر زور دو۔ تم سے پہلے یا بعد میں اس کی زندگی میں کوئی آیا۔
یہ کون کمبخت تھا جو اس کے اندر سوال جواب کا دفتر کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ عدالت ضمیر کی ہو تو وکیل باہر نہیں آتے۔
اپنا دل و دماغ ہی وعدہ معاف گواہ بن جاتے ہیں۔ کٹہرا سجاتے ہیں۔ سزا سناتے ہیں۔
وجود برتا جا چکا تھا۔ اس کی کشش بے معنی تھی۔
وہ مشکوک تھی اور محبت آخری ہچکیوں پر۔
وہ کیا کرے کہ اسے معافی مل جائے۔
''کب تک مردوں کی طرح پڑی رہو گی۔'' نادرہ کی پاٹ دار آواز نے اسے دلاسا دیا۔ کب سے تکیے میں منہ دیے وہ بے حس و حرکت پڑی تھی۔
نادرہ غصے میں بھری آئیں۔
''تمہارے باپ نے باتیں سنا سنا کر جان کھالی ہے۔ کہتا ہے ہاتھ پکڑو اور اس کے گھر چھوڑ کر آؤ۔''
''میرا گھر تو رہا ہی نہیں۔'' ثانیہ کرلائی۔
''تو سسرال چلی جاؤ لڑکیاں سسرال میں نہیں رہتیں۔'' ثانیہ نے تکیہ ہٹا کر حیرت سے ماں کو دیکھا۔
''ہاں تو مجھے کیا پتا۔ کیا کر کے آئی ہو چلو ہو گئی لڑائی۔ تو اب کیا سال بھر یہیں بیٹھی رہو گی۔ شوہر بار بار منانے نہیں آتے چلی جاؤ اپنی گز بھر کی زبان قابو میں رکھو گی تو گھر بھی بس جائے گا۔''
کیا نصیحت تھی اور کس وقت پر آئی تھی۔ ثانیہ کو ہنسی آئی اور وہ ہنستی چلی گئی۔
''دماغ تو نہیں چل گیا۔'' نادرہ کو سچ مچ یہی لگا۔ ثانیہ کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں رگڑیں۔
''نہیں ابھی تو ٹھیک ہوا ہے۔ ٹھوکر کھا کر بہت سا خسارہ کما کر۔''
''جا جا کر اسے منا لے۔ مرد کا کیا ہے مان ہی جاتا ہے۔''
''ہوں۔'' وہ نجانے کہاں کھو گئی۔ نادرہ سمجھاتی رہیں۔ وہ سب جو انہیں پہلے سمجھانا چاہیے تھا ثانیہ نے ایک لفظ نہیں سنا مگر ٹوکا بھی نہیں۔ محلے میں خبر پھیل گئی تھی۔ لوگ ٹوہ لینے آتے۔ ''دونوں الگ الگ کیوں رہتے ہیں۔''

☆☆☆

''ثانیہ کو طلاق ہو گئی ہے۔''
رابعہ کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔ سہیل نے بے زاری سی نگاہ آصفہ پر ڈالی۔ اچھے بھلے خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا جا رہا تھا۔ فرخ بھی ہاتھ روک کر رابعہ کو دیکھنے لگا۔ رابعہ کے اندر غصے کی لہر اٹھی۔
''خدا کا خوف کریں۔ پھوپھو کچھ بھی بول دیتی ہیں۔ اب کیا ثانیہ چار دن آ کر میکے بھی نہیں رہ سکتی۔''

''خوشی خوشی میکے آ کر رہنے اور لڑ جھگڑ کر آنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ میں چوہی نہیں ہوں سب نظر آ رہا تھا۔ پہلے تو کمرے سے نکلی نہیں، جب میں گئی تو تکیے میں منہ دیے پڑی تھی۔ اجڑا چہرہ بکھرے بال۔''

رابعہ نے نظریں چرالیں۔

فرخ کے اندر کمینی سی خوشی جاگی۔ ثانیہ یہی ڈیزرو کرتی تھی۔

''عبید بھی اپنا فلیٹ چھوڑ کر آ گیا ہے۔'' آصفہ نے نئی اطلاع دی۔ ''دونوں الگ ہو گئے ہیں۔''

آصفہ نے دکھ سے کہا رابعہ کو بات سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ چھوٹی سی کالونی تھی۔

ایک گھر سے دھواں اٹھتا تو سات گھروں میں جاتا ہے۔

''میں نے تو کچھ اور بھی سنا ہے۔'' آصفہ کا لہجہ پراسرار ہوا۔ آواز سرگوشی میں ڈھلی۔

''کیا سنا ہے؟'' فرخ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''کسی لڑکے کا چکر ہے۔ عبید نے رنگے ہاتھوں۔''

فرخ کے گلے میں کچھ پھنس گیا۔

رابعہ نے غصے سے پلیٹ پٹخی۔

''بس کریں پھوپھو، اپنی بھتیجی پر الزام لگاتے آپ کو شرم آنی چاہیے۔ آپ اتنی بڑی بات کر کیسے سکتی ہیں۔'' وہ روتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔

''اماں! حد کر دی آپ نے ایسی باتیں ہیں کرنے والی۔'' سہیل بھی غصے سے اٹھ گیا۔ آصفہ غصے سے بڑبڑانے لگیں۔

فرخ پانی کا گھونٹ بھر کر محتاط نظروں سے ماں کو دیکھا۔

''کیا بتا رہی تھیں؟''

''میں کون سا خود سے کہانیاں گڑھ رہی ہوں۔ نہ مجھے چسکے لینے کا شوق ہے، خون ہے میرا جو کام والی ثانیہ کے فلیٹ میں کام کرتی تھی وہ.....''

لوگوں کو کسی کے گھر کی اچھی بات پتا ہو یا نہ ہو بری بات فوراً پتا چلتی ہے۔ پھر اسے جنگل کی آگ کی طرح پھیلانا ان کا فرض اولین تھا۔

''لڑکا کون تھا؟'' کچھ دیر پہلے کی خوشی معدوم ہوئی۔ وہ ثانیہ کو عبید کی نظروں سے گرانا چاہتا ہے۔ عبید کو اس کی زندگی سے نکالنا چاہتا تھا۔ مگر اس ساری دنیا میں تماشا۔

''تمہیں کیوں اتنا تجسس ہو رہا ہے اپنے کام سے کام رکھو۔'' آصفہ نے غصے میں اسے ہی لتاڑ دیا۔

''میں تو شکر کرتی ہوں۔ تمہاری جان چھوٹ گئی بھی۔''

فرخ نے خاموشی سے کھانا کھانا شروع کر دیا۔ اگرچہ دل کھانے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

رابعہ نے رو رو کر آنکھیں سجالی تھیں۔

''تمہارا رونا بتاتا ہے کہ بات سنگین ہے۔'' سہیل کی بات پر رابعہ ایک دم چپ ہو گئی۔ پھر کچھ دیر کے بعد مدھم لہجے میں گویا ہوئی۔

''ان کا واقعی جھگڑا ہوا ہے سہیل۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ پھوپھو اس طرح کے الزام لگانا شروع کر دیں۔ آج لڑے ہیں کل صلح ہو جائے گی۔ کیا ہمارے درمیان کبھی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔''

''خیر اب ثانیہ کو خود سے تو نہ ملاؤ۔ اس کے تو رنگ ڈھنگ ہی الگ ہیں۔''

سہیل نے صاف گوئی سے کہا۔ رابعہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ اپنی تعریف پر خوش ہو یا ثانیہ کے بارے میں تبصرے پر ناراض۔

"جھگڑا کس بات پر ہوا؟"
"وہ کچھ بتا ہی نہیں رہی۔"
"مطلب غلطی ثانیہ کی ہی ہے۔" سہیل بڑبڑایا۔ رابعہ چپ کی چپ رہ گئی۔ خاندان بھر میں ثانیہ کی بدزبانی اتنی مشہور تھی کہ وہ حق بھی ہوتی تو لوگوں نے غلطی اسی کی نکالنی تھی۔
"بہر حال اب گھر کا ماحول خراب نہ کرنا۔ اماں کا تو پتا ہی ہے کچھ نہ کچھ کہہ دیں گی۔ تم نظر انداز دینا۔" سہیل نے سمجھایا۔ تو رابعہ نے سر ہلا دیا۔ وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

☆☆☆

"ابو اسوچ رہا ہوں۔ آج گاڑی کی سروس کروالوں کچھ گڑبڑ کر رہی ہے۔"
توفیق صاحب نے نیوز چینل سے نظریں ہٹا کر بیٹے کو دیکھا۔ آج چھٹی کا دن تھا اور وہ ہلکے آسمانی کرتا شلوار میں ملبوس ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ وہ معمول کی طرح رہ رہا تھا۔ آفس جاتا۔ آرام کرتا۔ کھانا کھا کر روزمرہ کے کام کرتا۔ بس کچھ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ثانیہ کے بارے میں بات ہی نہیں کرتا تھا۔ آسیہ نے شیشے کے پیالے میں اسٹرابری ان کے سامنے رکھتے ہنکارا بھرا۔ یہ توفیق صاحب کے لیے اشارہ تھا۔ کہ اب بہت دن ہو گئے انہیں عبید سے بات کر لینی چاہیے تھی وہ بہت دنوں سے کہہ رہی تھیں۔
"پہلے اپنی میرڈ لائف کو دیکھو۔ اس کی گاڑی کیوں رک گئی ہے۔" توفیق صاحب نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔
جس کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ وہ اس موضوع کی طرف آتا ہی نہیں تھا۔
"ارے بھئی لڑائی جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔ جب چھ ماہ کے بعد بھی صلح ہی کرنی ہے تو لمبا جھگڑا رکھنے کا فائدہ۔ شبیر مسجد میں ملتا ہے تو بڑی امید سے میری اور دیکھتا ہے۔ اب مجھے تو پوری بات کا بھی نہیں پتا تو کیا کہوں۔ وہ بیٹی کا باپ ہے۔ جھجک جاتا ہے کھل کر بات نہیں کر سکتا۔ لیکن آج کہہ رہا تھا۔ عبید سے کہیں آ کر مل جائے۔ بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔"
بات کرتے ہوئے انہوں نے بغور بیٹے کو دیکھا اس کا چہرہ سپاٹ تھا مگر آنکھوں میں بے چینی در آئی تھی۔ جیسے فوراً یہاں سے اٹھ جانا چاہتا ہو۔
آسیہ کو اس کی چپ پر جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔ تو غصے سے بول اٹھیں۔ "سو فیصد یقین ہے کہ غلطی ثانیہ کی ہو گی۔ لیکن اب تک تو تمہیں عادت ہو جانی چاہیے۔ لڑنا بھی ہے۔ اس کا پردہ بھی رکھنا ہے تو جاؤ گھر لے جا کر جو سرزنش کرنی ہے کرو۔ اس کے ماں باپ کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔"
عبید لب بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔
"میں اس معاملے کو دیکھ لوں گا۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔"
"یار! ہم تمہارے والدین ہیں۔ بات کھل کر کرو گے تو کوئی مشورہ ہی دیں گے۔" توفیق نے سنجیدگی سے کہا۔
"میں جلد اس مسئلے کو حل کر لوں گا ابھی....." وہ آہستہ سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ توفیق اور آسیہ نے بے چینی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ عبید کا یہ انداز انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

☆☆☆

بیل پر بیل ہو رہی تھی۔ برتن دھوتی نادرہ نے برتن سنک میں پٹخے اور باہر نکلیں۔ وہ دادی کے تخت پر کان لپیٹے بیٹھی تھی۔
"کان بہرے ہیں یا ٹانگیں ٹوٹی ہیں۔ جو اٹھ کر دروازہ نہیں کھول سکتی۔"
آج کتنے دن ہو گئے ہیں۔

وہ بہری بنی انگلیوں پر گنتی رہی۔
ہوسکتا ہے اب غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہو۔ تب تو شکل دیکھنا بھی گوارہ نہ تھا۔ ہوسکتا ہے۔ اب سامنے جاؤں تو بات سن لے۔
نادرہ چپل گھسیٹتی دروازہ تک گئیں۔
باہر ٹیکسی کھڑی تھی۔
"عبید صاحب نے سامان بھیجا ہے۔" ثانیہ کی سماعت عبید کے نام پر چونکی۔
"کیسا سامان؟" نادرہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ ثانیہ نے قدم پیچھے رکھے۔
نادرہ نے دروازہ کھولا۔ اس نے سامان اندر رکھنا شروع کیا۔ کچھ کرٹن۔ چند بیگ۔ اٹیچی کیس۔
نادرہ حق دق سوال پر سوال کرنے لگیں۔ ثانیہ کو اپنے قدموں سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔
وہ آنکھیں بند کر کے بھی بتا سکتی تھی کہ ان میں کیا ہے۔ وہ بے جان سی ہو کر تخت پر گرنے والے انداز میں بیٹھی۔

☆☆☆

"انسان اپنا کھونٹا تو مضبوط کرتا ہے کسی کے ساتھ بنا کر رکھی ہوتی تو آج کوئی تو تمہارے لیے بولتا۔ اس نے سامان نہیں بھیجا۔ سمجھو تمہیں زندگی سے نکالا ہے۔" نادرہ کی آواز کوڑیالے سانپ کی طرح ڈنک مارتی تھی۔ اپنے کمرے میں بیٹھی ثانیہ نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔
"میری حکمرانی ہو۔ میں نے الگ رہنا ہے۔ کس سے الگ ہونا تھا اس کے ماں باپ سے۔ بہن وہ جو بیاہ کر چلی گئی۔ پورے گھر میں کس کی حکمرانی ہوتی۔ راجے نے کیا کچھ نہیں سہا۔ تب جا کر اس کا گھر بسا تمہارے جیسی ہوتی تو طلاق لے کر بیٹھ جاتی اور وہ ارم ماں باپ کی [illegible] ایک بچے کے ساتھ گزارہ کر گئی۔ آج مہارانی بن کر رہ رہی ہے۔"
"اماں! اب کیوں شور مچا رہی ہیں۔" وسیم کے لہجے میں تشویش اور بے زاری [illegible] کر بھری تھی۔ معاملہ گھمبیر تھا۔ اسے کال کر کے بلا لیا گیا۔ تبھی تو وہ کمرے میں چھپی بیٹھی تھی۔
وہ بار بار پوچھتا۔
"کیا ہوا تھا؟"
"جھگڑا۔"
"کس بات پر۔"
وہ چپ سادھ جاتی۔ جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔
یہ بڑوں تھا۔ مگر کسی میں جانے کی ہمت نہ ہوتی۔ اندر کہیں یقین تھا کہ غلطی ثانیہ کی ہے اور سنگین ہے ورنہ عبید جیسا تحمل مزاج انسان یہ سب نہ کرتا۔ پھر وسیم نے ہی فیصلہ کیا۔ اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کیسے بیٹھے رہیں۔ بات تو کرنا پڑے گی۔
"جب سمجھانے پڑھانے کا وقت تھا تب تو ہر بات میں اسے شہہ دیتی رہی ہیں۔ کیسی زبان دراز بنا دی تھی۔ اسی کی وجہ سے میری شادی ارم کے ساتھ نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ سے تماشا گھر میں نہیں رہی۔"
وسیم کے اپنے زخم تازہ ہو گئے۔
نادرہ کیا کہتیں اس لیے بات ہی بدل دی۔
"مجھے بھی ساتھ لے جاؤ۔ ان کی منت ترلے ہی کر لوں گی۔"
"ہم بیٹھے ہیں نا۔ ذلیل ہونے کے لیے منت ترلے کرنے کے لیے۔" شبیر نے بگڑ کر کہا۔

digest library.com

"اگر عبید نے سب کچھ بتا دیا۔"
وہ بیٹھے بیٹھے کانپ گئی۔

☆☆☆

"عبید۔" آسیہ کمرے میں آئیں تو عبید کہیں باہر جانے کو تیار تھا۔
"امی پلیز۔" وہ ان کی آمد سے آگاہ تھا۔ کبھی کمرے سے نہیں نکلا۔
"میں ان سے بات کرنا نہیں چاہتا ان سے کہہ دیں۔ میں گھر پر نہیں ہوں۔"
"اس طرح نہیں چلے گا عبید وہ اس کے گھر والے ہیں۔ بات کیے بغیر نہیں جائیں گے۔ اب تم الزام دہ وضاحت یا پھر اس کا قصور بتاؤ۔ انہیں کچھ تو معلوم ہونا چاہیے۔" آسیہ نے نرمی سے سمجھایا۔ عبید پھنس گیا۔ غصہ اپنی جگہ مگر لحاظ مروت وہ کیسے بتائے کہ ان کی بیٹی اسے دھوکا دیتی رہی ہے۔
"جلدی آجاؤ۔ توفیق نے بتا دیا ہے تم گھر پر ہی ہو۔" عبید نے لب بھینچ لیے۔
وسیم اور شبیر کے چہروں پر بے بسی نمایاں تھی۔ ایک ہلکی سی شرمندگی، وہ کس سچوئشن میں وہاں بیٹھے تھے۔
"عبید نے تو ہمیں کچھ نہیں بتایا۔ میاں بیوی کا معاملہ ہے ہم نے بھی دخل اندازی نہیں کی۔" توفیق۔ بات کرتے کرتے اندر آتی آسیہ کو دیکھا۔
"آرہا ہے۔" وہ کہہ کر ان کے برابر بیٹھ گئیں۔
"دونوں غصے میں ہیں۔ جذباتی ہیں۔ غصہ ٹھنڈا ہوگا تو بھول جائیں گے۔" توفیق نے ہلکے پھلکے لہجے میں ماحول کی ٹینشن دور کرنے کی سعی کی۔
"ہم نے بھی یہی سوچا تھا۔ مگر اب بات بہت بڑھ گئی ہے۔ عبید نے ثانیہ کا سارا سامان بھجوا دیا ہے۔"
آسیہ اور توفیق نے یوں چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا جیسے وہ اس خبر سے لاعلم تھے۔
"اب بھی اگر دخل نہ دیا تو معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔ اور خدا کی قسم اگر غلطی ثانیہ کی ہوئی تو ہم ہرگز اس کا ساتھ نہیں دیں گے وہ خود یہاں آکر معافی مانگے گی۔" شبیر نے جلدی سے کہا۔
"یا اللہ میرا پردہ رکھنا اگر عبید نے سب بتا دیا تو....."
وہ جلے پیر کی بلی کی طرح سارے گھر میں چکراتی پھر رہی تھی۔
"اس کی عزت اپنے پیروں تلے روند کر کہتی ہو۔ وہ اب بھی تمہارا پردہ رکھے۔" "میں نے کچھ نہیں کیا۔
وہ بے قراری میں سیڑھیاں چڑھ آئی۔ دھوپ تیز تھی اور وہ ننگے پاؤں سامنے عبید کے گھر کی چھت تھی۔
ثانیہ کا دل چاہا وہ یہ چھوٹی سی دیوار پھلانگ جائے۔ اس نے دونوں ہاتھ منڈیر پر رکھے۔
اس کے ہاتھ جل گئے۔
اپنے شوہر کے ہوتے کسی دوسرے مرد سے تعلقات کے باوجود تم کہتی ہو تم نے کچھ نہیں کیا۔
"تعلقات نہیں تھے۔ وہ میرے پیچھے آتا تھا۔" وہ کرلائی۔
"دستک باہر سے ہوتی ہے۔ دروازہ اندر سے کھلتا ہے۔" عبید نے کہا تھا۔
ثانیہ نے ہاتھ ہٹا کر دیکھے۔ جلد سرخ ہو رہی تھی۔
آگ سے کھیلنے والے یہ کیسے سوچ لیتے ہیں کہ ان کا دامن نہیں جلے گا۔ سامنے دیوار نہیں کھائی تھی۔
وہ واپس پلٹی.....اور نیچے بھاگی۔
آخری سیڑھی پر وہ کھڑا تھا۔ جو اس کی بربادی کا ذمہ دار تھا۔ فرخ نے اسے سرتاپا دیکھا۔
کوئی دیوانی تھی۔ ننگے پاؤں بکھرے بال بنا دوپٹے کے مرجھایا چہرہ، متوحش آنکھیں۔

"انسان کا مقام بدلتے دیر کہاں لگتی ہے؟"
سیاہ ساڑھی میں ملبوس چمکتا چاند، اماوس کی رات میں بجھ گیا تھا۔ وہ اسے گھورتی رہی۔ پھر بپھر کر سامنے آئی۔ "میرا سامنا کرنے کی ہمت ہے تم میں۔"
"جب ہی تو سامنے کھڑا ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے ہلا نہ اسے راستہ دیا۔
"اگر میں سب کے سامنے تمہارے کرتوت بتادوں تو اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکو....."
"اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے کھودنا چاہتی ہو تو ضرور۔" فرخ کی آنکھوں میں عجیب سا سکوت تھا۔
"میں نے اپنے حصے کی سزا بھگت لی ہے تمہاری تو اب شروع ہوئی ہے ثانیہ یقین جانو جب فرواد میری زندگی سے گئی تو یہی حالت تھی۔"
"دفع ہو جاؤ نکل جاؤ۔ مت آیا کرو میرے سامنے۔" ثانیہ نے اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا۔ وہ شاید اس دھکے کے لیے تیار تھا۔ کبھی گرا نہیں مگر نیچے اتر گیا۔
"اب پاگل پن کا ڈرامہ بند کرو۔ چلو تم پر ترس کھالیتا ہوں۔ عبید کو جا کر تمہارے حق میں گواہی دے دیتا ہوں۔ تمہاری ماں مر تو وہ زندگی بھر اعتبار نہیں کرے گا۔ کیا پتا میرے کہنے پر ہی....."
"مجھے تمہاری گواہی کی ضرورت نہیں ہے ذلیل انسان یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" وہ حلق کے بل چلائی۔
"یہ کیا ہو رہا ہے۔" نادرہ بدحواسی ہوئی آئیں۔ "فرخ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"
"نکلو یہاں سے ابھی اور اسی وقت نکلو۔" ثانیہ گویا پاگل ہو رہی تھی۔ اس نے یوں ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی بھی چیز ہاتھ آئے تو اس کے سر پر مار دے۔
"کیا ہوا ثانیہ؟" نادرہ حیران پریشان تھیں۔
"ہاں ٹھیک ہے اسی سے پوچھ لیں کیا ہوا؟ یہ زیادہ بہتر جانتا ہے۔" وہ جلدی سے کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ دروازے سے نکل کر گہری سانس لی، پلٹ کر پیچھے دروازے کو دیکھا۔ عقب سے ثانیہ کے چیخنے چلانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ فرخ نے ہاتھ سے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔
وہ یہاں یہ کرنے نہیں آیا تھا مگر نجانے کیوں جب بھی ثانیہ کو دیکھتا۔ اس کے اندر کی وحشت غصہ اور نفرت عود کر آتی۔
وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔
سنسان دوپہر کی گھنی خاموشی میں سڑک پر اس کے قدموں کی چاپ باقی رہ گئی۔

☆☆☆

کچھ بھی نہیں ہوا۔ عبید نے ان سے زیادہ بات ہی نہیں کی تھی۔
اس نے ثانیہ سے محبت کی تھی۔
سب سے لڑ کر اسے اپنایا تھا۔
سب سے ناراض ہو کر ثانیہ کے لیے علیحدہ گھر لیا تھا۔
اب کس منہ سے بتاتا کہ اسی ثانیہ نے اس کے منہ پر کالک مل دی تھی۔
"آپ ثانیہ سے پوچھ لیں۔" اس نے شبیر کے سوال کے جواب میں بغیر دیکھے کہا۔
"وہ کچھ بتاتی ہی نہیں۔" وسیم بے چین ہوا۔ عبید کے لہجے اور آنکھوں میں کچھ الگ ہی تاثر تھا۔
"تم نے سامان بھی بھیج دیا۔" شبیر اٹکے۔
"ہمارا ایک ساتھ رہنا ممکن نہیں تھا۔" عبید نے گہری سانس لے کر کہنا شروع کیا۔

''میں تھک گیا ہوں اور نہیں جانتا، دنیا میں ایسی کون سی چیز ہے جو ثانیہ کو خوش رکھ سکے۔ میرے پاس اسے دینے کے لیے اور کچھ بھی نہیں بچا۔ میں نے اپنا سب کچھ اس پر لٹا دیا۔ مگر اس کا دامن اب بھی خالی ہے۔ تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

دوٹوک لہجے میں کہہ کر وہ وہاں رکا نہیں، تیزی سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے چند جملوں میں کچھ تو ایسا تھا کہ وسیم ڈر کے مارے نہ اس کو پکار سکا نہ اٹھ کر اس کے پیچھے جا سکا۔ اسے لگا۔ رسی تن چکی ہے۔ ذرا مزید تناؤ بڑھا تو ٹوٹ جائے گی۔

''ہمیں انہیں تھوڑا وقت دینا چاہیے۔'' توفیق نے بھی حالات کی سنگینی کو بھانپ لیا تھا۔ صلح کی کوشش کا نتیجہ بربادی بھی ہو سکتا تھا۔

کچھ عرصہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

وسیم بکتا جھکتا واپس چلا گیا۔

ثانیہ نے سکھ کا سانس لیا۔

عبید نے اس کا پردہ رکھ لیا تھا۔

''مطلب کہیں نہ کہیں اس کے دل میں اب بھی میرے لیے گنجائش ہے۔'' اماس کی رات میں امید کا تارہ چمکا۔

''میں کچھ عرصہ اس کے سامنے نہیں آؤں گی۔ جیسے جیسے اس کا غصہ ٹھنڈا ہوگا۔ میری محبت پھر سے تازہ ہوگی۔ وہ پھر سے سانس لے گی۔ اس کے بعد، اس کے بعد کوئی غلطی نہیں ہوگی۔ میری طرف سے کوئی غلطی نہیں ہوگی۔''

زندگی میں پہلی بار نادرہ نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔

''بتا دے کیا کر کے آئی ہے۔ فرخ کا کیا قصہ ہے۔ وہ کس گواہی کی بات کر رہا تھا۔''

زندگی میں پہلی بار اس نے نادرہ کی ساری صلواتیں تھپڑ چپ کر کے کھائے۔ وہ اب اور غلطی نہیں کرے گی۔ وہ بس یہی دہراتی رہی۔

☆☆☆

ڈھلتی شام خوشبوؤں سے بوجھل تھی۔ بہار جوبن پر تھی۔ بڑھتی گرمی کے باوجود آج کی شام خوش گوار تھی۔ وہ کب سے خاموش بیٹھا پھولوں پر منڈلاتی تتلیوں کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے تعاقب میں مانی یہاں سے وہاں بھاگا چلا جاتا۔

اس کی توتلی باتیں، کھلکھلاہٹیں وہ اس کے لیے زیبر کا پر تو تھا۔

جب سے گیا تھا۔ گھر میں ہی نہیں اس کے دل میں بھی خاموشی اتر آئی تھی۔

نرم ہاتھوں کا مہربان عکس اس کے کندھوں پر جاگا تو وہ چونک گیا۔

وہ ہولے ہولے اس کے کندھے دبانے لگی۔

''اوں ہوں۔'' عفان نے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ کر روک دیا۔

''بہت اداس ہیں؟''

''ہوں۔'' عفان نے اسے اپنے سامنے کیا۔

''تمہارے پاس بھی تو میرے لیے وقت نہیں، کہاں رہتی ہو۔'' عفان گھر آیا تو ساس بہو دونوں غائب تھیں۔

''میں تو آپ کے آس پاس ہی ہوتی ہوں۔'' وہ مسکائی۔ عفان نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ سرخ سی ہو گئی۔

''تمہیں غور سے دیکھ بھی نہیں سکتا۔'' عفان نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔

''اس طرح نہیں دیکھ سکتے کہ سامنے والا بات ہی بھول جائے۔''

ارم کے چہرے پر کھلے رنگ ہمیشہ سے زیادہ روشن اور چمک دار تھے۔ اٹھتی گرتی نگاہ۔ لبوں مچلتی مسکان۔

"کچھ خاص ہے؟" وہ چونکا۔
ارم نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر "چھپکلی" کہہ کر ہنس دی۔
"کیا کر رہی ہو..... اوہ یہ دیکھو۔"
"یہاں اچھا لگ رہا ہے۔" اس نے وہاں بارہ عفان کے گھٹنوں پر [illegible] کی تھی۔
"ارم۔" عفان کچھ خفا سا ہوا۔
ارم نے ذرا سا سر اٹھا کر اپنی چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔
"آپ مانی کے لیے اداس رہتے ہیں؟"
"وہ میرے دل کا ٹکڑا ہے۔ یوں لگتا ہے، دل خالی ہو گیا ہے۔"
"تبھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو خوشی سے بھرنے کا انتظام کر دیا۔"
"مانی کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا ارم۔"
"ہمارا مانی بھی نہیں؟" ارم کے برجستہ کہنے پر وہ بے اختیار چونکا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ عفان کہ..... آپ نے ایک ماں کا دل ٹھنڈا کیا تھا تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اللہ آپ کو اس کا انعام نہ دیتا۔"
حیرت، بے یقینی، خوشی، سرشاری، عفان کے چہرے پر ایک کے بعد ایک تاثر ابھرا۔
اس نے بے اختیار جھک کر ارم کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ وہ کچھ بھی بول نہیں پایا تھا۔ تبھی مسرت مٹھائی کی پلیٹ لے کر بھاگی آئی۔
"بھیا جی! منہ میٹھا کر لیں۔ بہت بہت مبارک ہو۔ باجی آپ نیچے کیوں بیٹھی ہیں۔ بی بی جان آ رہی ہیں۔ انہوں نے آپ کو بہت ڈانٹنا ہے۔"
عفان نے اسے کانچ کی طرح سنبھال کر کھڑا کیا اور پاس کرسی پر بٹھا دیا۔
"میں نے نا، آپ سے سونے کے کانٹے لینے ہیں۔" مسرت نے منہ میٹھا کرواتے ہی فرمائش بھی جڑ دی۔
"پورا سیٹ نہ بنوا دوں۔"
"وہ شادی پر بنا دینا۔" وہ ہنستی ہوئی واپس بھاگ گئی۔
"یہ زیادہ نخرے نہیں دکھانے لگی۔" عفان کو اس کی شوخی عجیب لگی۔
"جن پر مان ہوتا ہے۔ نخرے بھی تو اسی کو دکھائے جاتے ہیں۔" عفان اس کی طرف مڑا۔
"تم نے تو کبھی نہیں دکھائے، نخرے تمہیں مجھ پر مان نہیں۔"
"میرے مان تو آپ بنا کہے رکھ لیتے ہیں۔" ارم ہنستے ہوئے اٹھی۔ عفان کو بھی کھڑا کر لیا۔
"جیسے ابھی آپ کہنے والے ہیں، چلو ارم کہیں باہر گھومنے جاتے ہیں۔ امی ابو کو خوش خبری سنا کر آتے ہیں۔"

عفان نے بے حد سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ارم ٹھٹھک گئی۔ کیا اس نے کچھ غلط کہہ دیا تھا۔ عفان نے گہری سانس بھری۔ پھر سنجیدگی سے کہنے لگا۔
"چلو ارم کہیں باہر گھومنے جاتے ہیں۔ امی ابو کو خوش خبری سنا کر آتے ہیں۔"
"عفان۔" ارم نے چڑ کر اس کے بازو پر مکا مارا تو عفان نے ہنستے ہوئے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"چلو، پہلے بی بی جان سے مل آئیں۔"

☆☆☆

وہ کب سے چھت پر کھڑی تھی۔ کونے مین جہاں سے عبید کے گھر کا صحن اور گیٹ دکھائی دیتا تھا، ثانیہ نے سوچا تھا۔ وہ عبید کو وقت دے گی۔ جیسے جیسے عبید کا غصہ اترے گا ویسے ویسے دل میں ثانیہ کے لیے بدگمانی کم ہو گی۔ پھر کوئی ایک لمحہ..... کوئی ایک طاقت ور لمحہ انہیں پھر سے ایک کر دے گا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ در حقیقت وہ خود کو وقت دے رہی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ خود عبید کا سامنا کر سکے۔ خود آگاہی میں عذاب ہی تھا۔

مگر اس کی حرکتیں عجیب و غریب ہو گئی تھیں۔ وہ گھنٹوں چھت پر کھڑی رہتی۔ وہ گیٹ کھولتا، بائیک اندر لاتا یا گاڑی نکالتا۔ عبید کی نگاہ ہمیشہ ایک بار چھت کی طرف اٹھتی تھی۔

کیا پتا اب بھی..... اب بھی کسی بے اختیار لمحے میں وہ سر اٹھائے تو وہ مسکرا دے گی۔

اس کی آفس ٹائمنگ میں وہ دروازے کی اوٹ میں سراپا انتظار ہو جاتی۔ کیا پتا بے ارادہ وہ گردن موڑ کر دیکھ لے ثانیہ دروازہ کھول دے گی۔

لیکن نہ وہ سر اٹھاتا۔ نہ گردن گھماتا۔ وہ ہر اس سمت میں نگاہ اٹھانے سے گریزاں تھا۔ جہاں ثانیہ کی پرچھائیں کا بھی شائبہ ہوتا۔

ثانیہ کے پیر سن ہونے لگے۔ تو وہ وہیں دیوار کے ساتھ گھسٹ کر بیٹھ گئی۔ دیوار میں تپش تھی۔ اگرچہ شام گہری اور ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ اس کے سامنے منڈیر پر رکھے آب خوروں میں پیاسے کوے چونچیں مار رہے تھے۔

"یہ میں نے اپنے ساتھ کیا کیا؟" وہ ہر روز..... ہر لمحہ خود سے یہ سوال کرتی تھی۔

اتنی مشکلوں، جتنوں اور کوششوں سے حاصل ہونے والے انسان کو وہ اتنی لاپرواہی سے کیسے کھو سکتی تھی۔

"اپنی جنت کو خود ہی آگ لگا دی ثانیہ؟"

"ثانیہ..... ثانیہ....."

نادرہ کو عادت ہو گئی تھی۔ بات بات پر اسے آوازیں دیتیں۔ سامنے ہوتی تو سنتی۔ وہ بے زاری سے کھڑی ہوئی۔ تو ٹھٹھک گئی۔

دونوں بہن بھائی صحن میں کھڑے تھے۔ عبید کا ہاتھ ارم کے سر پر تھا اور وہ بہن کو منجانے کیا کہہ رہا تھا۔ محجوب سی ارم بس سر ہلا رہی تھی۔

"اب بس بھی کرو عبید۔"

"تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ میں کتنا ایکسائٹڈ ہوں۔ اتنے دنوں کے بعد تو کوئی اچھی خبر ملی ہے۔ میری زندگی میں ایک نیا رشتہ شامل ہونے جا رہا ہے۔ میں ماموں بن جاؤں گا۔"

"اور پرانے رشتے؟" ارم نے اسے گھیرا۔ وہ کب سے عبید سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔

عبید ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"تمہیں اس کی یاد نہیں آتی؟"

"نہیں۔" دو ٹوک لہجہ۔

"خیال بھی نہیں آتا۔" ارم کو یقین نہ آیا۔

"اس کا خیال مجھے تکلیف کے سوا کچھ نہیں دیتا۔"

"ہو سکتا ہے، وہ منتظر ہو.....؟"

"میں مائل بہ کرم نہیں۔" وہ تلخی سے گویا ہوا۔

ارم اس کی سنگ دلی پر ششدر سی رہ گئی۔
''تم یہ بات ثانیہ کے بارے میں کہہ رہے ہو؟''
''ایک بات بتاؤ ارم۔'' عبید نے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے۔ نجانے کیوں لگا کہ وہ کسی کی نظروں کے حصار میں ہے۔
''ایک مرد اپنی بیوی کو سب کچھ دیتا ہے۔ تو بدلے میں کیا چاہتا ہے؟''
''وفا.....'' ارم کا جواب فوری تھا۔
عبید نے گہری سانس لے کر مایوسی سے گردن ہلائی۔
''ہمارے درمیان سب ختم ہو گیا ہے ارم۔ میں ثانیہ کو طلاق دینے والا ہوں۔''
عبید نے براہ راست سر اٹھا کر ثانیہ کو دیکھا۔ وہ نہ مسکرا سکی۔ نہ اپنی جگہ سے ہل سکی۔
اس نے ایک لفظ نہیں سنا تھا۔ مگر اتنے فاصلے سے بھی اسے لگا۔ عبید کی نگاہ عبید کی نہیں تھی۔
وہ جو کب کی اس لمحے کی منتظر تھی۔
نہ مسکرا سکی، نہ اپنی جگہ سے ہل سکی۔

☆☆☆

بڑا بھیانک خواب تھا۔
وہ ایک گہری کھائی میں تھی۔ دونوں ہاتھ اٹھائے مدد کو پکارتی۔ چلاتی۔ کھائی کے کنارے ایک سایہ نمودار ہوا۔ سارا منظر روشن۔ وہ کھائی کے کنارے کھڑا تھا۔
ثانیہ کے ہاتھ اس کے پہلو میں گر گئے۔ وہ اسے بچا لے گا۔ وہ اسے نکال لے گا۔
''عبید۔'' ثانیہ نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔
اس نے نفی میں سر ہلاتے ایک قدم پیچھے ہٹایا۔
''عبید میں مر جاؤں گی۔ مجھے نکالو.....''
وہ چلاتی رہی۔ عبید ایک قدم پیچھے ہٹتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کنوئیں کی منڈیر پر مٹی جھڑ جھڑ کر اس پر گرنی لگی۔
''ثانیہ.....ثانیہ۔'' نادرہ نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔
وہ ہڑبڑا کر جاگی۔ اس کی گھٹی گھٹی چیخوں پر نادرہ بھاگی تھیں۔ ''کیا ہوا؟'' ثانیہ نے متوحش انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔
''مجھے کیا پتا۔ تم ہی پاگلوں کی طرح چیخیں مار رہی تھیں۔''
وہ اپنے گھر میں اپنے بستر پر تھی۔
ثانیہ نے گہری سانس بھر کے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتے خود کو پرسکون کرنے کی سعی کی۔ تو چونکی اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھرا ہوا تھا۔
نادرہ نے پاس بیٹھ کر تاسف سے اسے دیکھا۔
''کب تک اندر ہی اندر کڑھتی رہو گی۔ پتا نہیں ایسا کیا کر دیا ہے جو بتا بھی نہیں سکتیں۔''
''میں نے کچھ نہیں کیا۔'' ثانیہ نے چڑ کر کہا۔
''تو پھر جا..... جا کر اسے منا لے۔ اس طرح کب تک بیٹھی رہے گی۔ سوچ سمجھ۔ اس نے تیرا سامان بھیج دیا۔ مطلب اس نے وہ فلیٹ چھوڑ دیا ہے۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ رہ رہا ہے۔ تیری یہی اکڑ رہی تو وہ پکڑ کر

اس کی دوسری شادی کروادیں گے۔"
ثانیہ نے بے حد چونک کر انہیں دیکھا۔
نادرہ اسے زمانے کی اونچ نیچ سمجھاتی رہیں۔
"اماں! میرے لیے ناشتہ بنایا ہے۔"
"دفع ہو..... کھاٹھوتس، دماغ تمہیں بھوسا بھرا ہے۔ ایسی اکڑ، ایسی ہٹ دھرمی سے گھر بستے ہیں۔ اس نے ٹھیک ہی گھر سے نکالا ہے۔ تو اسی قابل ہے۔" وہ بکتی جھکتی چلی گئیں۔
ثانیہ نے ٹیک لگالی۔
وہ کیسے بتاتی وہ عبید کو منانے جاسکتی تھی۔ مگر عبید نے اس کی ہمت ہی توڑ دی۔ وہ نظر، وہ آخری نگاہ نیزے کی انی کی طرح ثانیہ کے دل میں کھب گئی تھی۔
بے مروت۔ بے مہر۔ نفرت بھری نگاہ۔
پراٹھا ٹھنڈا اور اکڑا ہوا تھا۔
ثانیہ کا ایک لقمہ لینے کو دل نہ چاہا۔ اپنے لیے چائے بنائی۔ پراٹھے پر رکھا آملیٹ پلیٹ میں نکال کر گرم کیا اور دادی کے تخت پر آ بیٹھی۔ صحن گندہ تھا، امرود کے درخت پر چڑیوں نے شور مچا رکھا تھا۔
"اماں! ابا کہاں گئے ہیں؟"
"مجھے بتا کر جاتے ہیں۔" نادرہ نے جھنجھلا کر کہا۔ انہوں نے کچھ کپڑے سرف میں بھگوئے تھے۔ دھی دھونے کی تیاری تھی۔
"شاید واشنگ مشین خراب ہے۔ مجھے اماں کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔" چائے کا گھونٹ بھرتے ثانیہ نے سوچا۔
"اماں! رکھ دیں، میں دھو دوں گی۔"
"ہاں دھو ہی نہ دینا۔" وہ بڑبڑائیں، تبھی دروازہ کھلا۔ "آہ اس محلے میں دستک دینے کا رواج ہے نہ کنڈی لگانے کا۔"
"ارم۔" نادرہ پر تو شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ لپک کر قریب آئیں۔ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے، وہاں سے کوئی تو آیا۔
بے حد اسٹائلش لانگ شرٹ، ٹراؤزر میں ملبوس ارم کس قدر خوب صورت لگ رہی تھی۔ انداز اطوار میں رکھ رکھاؤ اور متانت نمایاں تھی۔ مگر اس کی شخصیت میں جو اعتماد کی جھلک اب دکھائی دیتی تھی، وہ یقیناً عفان کی رفاقت کی دین تھی۔
ثانیہ کو اپنے حلیے سے وحشت سی ہوئی، اس نے تو ڈھنگ سے منہ ہاتھ دھویا تھا نہ بال سنوارے تھے۔ جب تک ارم نادرہ سے سلام دعا کر کے قریب آئی۔ وہ اپنا اور اس کا موازنہ ہی کرتی رہی۔
"کیسی ہو ثانیہ؟" ثانیہ نے بچی کھچی ہمت جمع کر کے ارم کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔
"میں ٹھیک ہوں۔ بیٹھو، ناشتہ کرو گی؟"
"اب تو دوپہر کے کھانے کا وقت ہے۔"
"اندر چل کر بیٹھو۔ یہاں تو گرمی ہے۔" نادرہ نے ثانیہ کو اشارہ کیا۔
"نہیں۔ خالہ زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں ثانیہ سے کچھ باتیں کرنے آئی تھی۔"
ارم اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔
ثانیہ نے احتیاط سے کپ واپس ٹرے میں رکھا۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ (کیا ارم کو عبید نے

بھیجا ہے۔ کیا وہ مصالحت کو تیار ہو گیا ہے۔) اس کے دل میں امید کی رمق سی جاگی۔
ارم نے اسے بغور دیکھا اور تاسف سے سر ہلایا۔
''سمجھایا تھا۔ محبت غرور نہیں عاجزی ہوتی ہے۔ سر کے تاج کو قدموں تلے روندو گی تو سلطنت اپنی ہی برباد ہو گی۔ وقت کو بدلنے میں، نصیب کو بدلنے میں وقت کہاں لگتا ہے۔''
''ہم نے تو بہت سمجھانے کی کوشش کی۔'' نادرہ نے کچھ کہنا چاہا مگر ارم نے نرمی سے بات کاٹ دی۔
''آپ نے سمجھانے میں بہت دیر کر دی خالہ۔ اب تو شاید کچھ بچا ہی نہیں ہے۔''
ثانیہ نے چاہا، وہ کچھ کہے مگر لفظ گونگے ہو گئے۔
نادرہ نے بھی شرمندگی سے چپ سادھ لی۔
''میں صرف اتنا کہنے آئی ہوں ثانیہ۔ اگر کچھ بچ گیا ہے تو اسے سمیٹ لو۔ مجھے تم سے ہمدردی نہیں کرنی چاہیے۔ تم نے ہم سب کی زندگیوں کو اتھل پتھل کر کے رکھ دیا تھا۔ پھر بھی گھر لوٹنا..... ایک رشتہ ختم ہونا بہت بڑا سانحہ ہوتا ہے۔''
''اللہ نہ کرے۔'' نادرہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
''عبید تمہیں طلاق دے رہا ہے۔''
نادرہ نے دہل کر کلیجہ تھام لیا۔
ثانیہ یک ٹک ارم کا چہرہ تک رہی تھی۔
''میں نہیں جانتی، تم نے ایسا کیا کیا ہے کہ میرے بھائی نے یہ انتہائی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تو تم سے عشق کرتا تھا۔''
ارم نے بہت غور سے اسے دیکھا۔
ثانیہ کا چہرہ سپاٹ تھا۔ مگر آنکھوں کی ویرانی۔ اور گہری ہو گئی۔
''وہ اب بھی تمہارا شوہر ہے۔ ہاتھ پکڑ لو، گلے لگ جاؤ، منت کر لو۔ اس سے معافی مانگ لو ثانیہ۔ اپنے رشتے کو بچا سکتی ہو تو بچا لو۔ ہو سکتا ہے اب عبید کی زندگی میں ثانیہ کی وہ حیثیت نہ رہے۔ مگر میرے بھائی کا دل بہت بڑا ہے۔ ہو سکتا ہے تمہیں معاف کر دے۔ آخری کوشش کر لو۔ ناچ کر اس سے معافی۔''
ارم نے ایک ثانیے رک کر اس کے جواب کا انتظار کیا۔ پھر خاموشی سے چل دی۔
نادرہ نے رونا شروع کر دیا۔
ثانیہ بے حس و حرکت، ساکت و صامت بیٹھی تھی۔

☆☆☆

وہ سناٹا تھا۔ جو بعد از مرگ گھر کے در و دیوار سے لپٹ جاتا ہے۔
اس معاشرے اور اس طبقے مین بیٹی کو طلاق۔
شبیر ہاتھ ملتے..... نادرہ رونے بیٹھ جاتیں۔
''مجھے تو پتا تھا یہی ہو گا۔ اس کے کرتوت گھر بسانے والے تھے ہی نہیں۔'' آصفہ نخوت سے کہتیں۔
طلاق ہوئی نہیں تھی۔ مگر ردعمل سب کے آ رہے تھے۔ رابعہ سمجھانے بھاگی آتی۔
''اسے روک لو۔ معافی مانگ لو پیر پکڑ کر کسی بھی طرح، وہ تو تم سے محبت کرتا تھا ایسا کیا کیا ہے تم نے.....''
''کچھ نہیں کیا میں نے؟'' وہ چیخ اٹھی۔
''فرخ کا کیا قصہ ہے وہ کون سی گواہی دے رہا تھا اس دن۔ کیا کہہ رہا تھا۔'' نادرہ کو یاد آیا۔

"فرخ۔" رابعہ چونکی۔
"وہی تو ہے، وہی ہے میری بربادی کا ذمہ دار۔ اس نے....."
وہ یہ بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک گئی تھی۔ ہار گئی تھی۔ اس نے شکست مان لی تھی۔
لکن چھپی کے اس کھیل میں مات اسی کو ہوئی تھی۔
رابعہ اور نادرہ حق دق سنتی رہیں۔
"تم اسے گھر بلاتی رہیں؟"
وہ چپ..... ٹکر ٹکر ان کا منہ دیکھنے لگی۔
"کوئی جا کر فرخ کا منہ نہیں نوچے گا.....؟"
"پہلے تیرا منہ نہ پھٹروں سے لال کر دوں۔" نادرہ اسی پر پل پڑیں۔ رابعہ نے بھی نہیں روکا۔ وہ خود ہی ہانپ ہانپ کر بیٹھ گئیں۔
"کاش تو پیدا ہوتے ہی مر جاتی ثانیہ۔"
"کاش۔" وہ بڑبڑائی۔
"چل رابعہ! میرے ساتھ۔ ہم جا کر آسیہ کی منت کر لیتے ہیں۔ عبید ماں کی بات نہیں ٹالے گا۔ ثانیہ ان ہی کے ساتھ رہے گی ان کی خدمت کرے گی۔"
نادرہ کی بات پر ثانیہ کو ہنسی آ گئی۔ وہ پاگلوں کی طرح ہنستی چلی گئی۔ دونوں حیران پریشان اس کی شکل دیکھنے لگیں۔
"اماں اب..... اب؟" اس نے بمشکل ہنسی روکی۔ "اب ان باتوں کا کیا فائدہ۔"
"تو پھر ایک اور کام کر۔" نادرہ کو دور کی سوجھی۔ "ایک ہی طریقہ ہے۔ عبید کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کا۔"
ثانیہ اور رابعہ نے ایک ساتھ انہیں دیکھا۔ نادرہ کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔ رابعہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
ثانیہ خاموش تھی۔
"وہ دل کا جتنا اچھا ہے۔ یہ سن کر کبھی طلاق نہیں دے گا۔"
"اماں! یہ جھوٹ ہے۔" رابعہ نے احتجاج کیا۔
"تو پہلے اس کے اور عبید کے رشتے میں کون سا سچ چل رہا تھا۔"
ثانیہ نے چونک کر ماں کو دیکھا۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھیں۔
"تم ایسا کچھ نہیں کرو گی ثانیہ!" رابعہ نے سختی سے کہا۔
"ثانیہ جانتی ہے..... اسے کیا کرنا ہے۔ آپ لوگ فکر نہ کریں....." ثانیہ کے لبوں پر پراسراری مسکراہٹ چھلکی۔ بہت دنوں کے بعد اس کے اندر پرانی ثانیہ جاگی۔

☆☆☆

اس کے سامنے کا منظر کتنا نمایاں، واضح اور خوش گوار تھا..... وہ سب ہنس رہے تھے۔ ایک دوسرے میں مگن، خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ ان کے گھر کا فرد تھی۔ مگر ان کا حصہ نہیں تھی..... ثانیہ نے بے حد حسرت سے ایک ایک چہرے کو دیکھا۔ ارم اور عفان بھی تھے..... آسیہ نے آج انہیں لنچ پر مدعو کیا تھا۔
"میں کل جس مقام پر کھڑی تھی۔ آج بھی وہیں ہوں..... جن کو توڑنے میں..... ایک دوسرے سے الگ

کرنے میں ساری توانائیاں لگا دیں۔ وہ سب پھر سے ایک ہیں۔۔۔"

"تم دیکھنا ارم! ایک دن آئے گا، عبید صرف میرا ہوگا وہ تم لوگوں کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔"

اس کے لہجے کا غرور کرچی کرچی ہو کر اسی کے قدموں کو لہولہان کر رہا تھا عبید اصرار کر کے بہن کی پلیٹ میں کھانا نکال رہا تھا۔

ثانیہ کے جھوٹ، اس کی سازشیں بددعا بن کر اس کو چمٹ گئے تھے۔

"اس سے کہہ دینا۔ تم ماں بننے والی ہو..... یہی طریقہ ہے..... مجھے پورا یقین ہے، وہ اس کے بعد تمہیں طلاق نہیں دے گا..... اور بعد میں ہم بہانا کر دیں گے۔ تم سیڑھیوں سے گر گئی تھیں....."

نادرہ نے ایک اور جھوٹ اس کی مٹھی میں تھما کر بھیجا تھا۔

کیا اس کے بعد میں پھر سے عبید کو پالوں گی....."

ثانیہ عبید کے مسکراتے چہرے پر نگاہ ڈالی اور مٹھی کھول دی۔

جھوٹ جھوٹ کا کھیل انتقام پذیر ہو گیا تھا..... وہ اندر داخل ہوئی۔ سب کی نظریں ایک ساتھ اس کی طرف اٹھیں۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو....." عبید تیزی سے پاس آ کر پھنکارا۔

ثانیہ نے ایک حسرت بھری نگاہ عبید پر ڈالی..... وہ اس کے کتنا قریب تھا کہ ہاتھ بڑھا کر چھو لیتی مگر اتنا دور کہ جیسے صدیوں کا فاصلہ ہو.....

"ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلی جاؤ....."

"چلی جاؤں گی..... مگر کچھ کہنے آئی ہوں..... سن تو لو....."

"مجھے تمہارے جھوٹ نہیں سننے..... کچھ بھی ہو جائے....."

ثانیہ کو اندازہ ہو گیا، وہ سچ بھی بولے گی تو جھوٹ ہی لگے گا.....

"آج ہی تو سچ بولنے آئی ہوں....."

"ثانیہ....." عبید نے اس کا بازو جکڑا۔

"عبید! سن تو لو....." ارم تیزی سے کھڑی ہوئی.....

"میں اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا ارم....."

"جانتی ہوں، تمہاری مجرم ہوں..... صفائی کا موقع نہیں مانگ رہی..... کہ صفائی میں کہنے کو میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ اعتراف جرم تو کرنے دو..... تاکہ میرے دل میں بھی کوئی ملال نہ رہے کہ تم سے کچھ [illegible] نہیں چھوڑا..... ثانیہ اسی قائل تھی..... تمہیں بھی مجھ سے نفرت کا پورا جواز تو ملے....."

وہ عبید کی آنکھوں میں دیکھتے کہہ رہی تھی..... کچھ تو تھا اس کے لفظوں میں کہ وہ چپ ہو گیا۔ ثانیہ نے ارم کو دیکھا.....

"تم ٹھیک کہتی تھیں کہ میں واقعی اس گھر کی بہو بننے کے قابل نہیں تھی۔ میں ایک خودغرض، لالچی اور خودپسند لڑکی..... ہر وقت عبید کو تم لوگوں کو خلاف کرنے کے لیے جھوٹ پر جھوٹ، سازش پر سازش گھڑتی رہی۔

"اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ثانی....." ارم نے روکنا چاہا.....

"تم سے بہت جیلس رہتی تھی..... عبید کی تم سے محبت، خیال رکھنا..... کچھ بھی برداشت نہیں ہوتا تھا..... اس لیے ہر بات میں جھوٹ بول بول کر تمہیں عبید کی نظروں میں گراتی چلی گئی۔ زیادتی میری ہوئی..... الزام تم پر

لگا دیتی....."

ارم کے چہرے پر سایہ سا گزرا..... کیا مشکل وقت تھا.....

عفان نے ہاتھ پکڑ کر ارم کو اپنے پاس بٹھا لیا۔

"میری بربادی تو اسی دن لکھی گئی تھی۔ جس دن میں نے ایک بیٹے کے دل میں اس کی ماں کے خلاف نفرت بھری....." وہ آسیہ کی طرف مڑی۔

"جس دن وہ میری خاطر آپ کے سامنے بدتمیز ہوا..... وہ آپ کے آنسو نہیں، میری بربادی کے دھبے تھے۔"

"میں نے تمہیں کبھی بددعا نہیں دی تھی ثانیہ..... ہمیشہ یہی دعا کی کہ اللہ تمہیں سیدھا رستہ دکھائے....." آسیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے عبید کو لے کر الگ ہونا تھا۔ مجھے عبید پورا کا پورا چاہیے تھا..... اور اکیل آپ....."

توفیق نے سر اٹھا کر ثانیہ کو دیکھا۔

"آپ نے کیوں اتنی اعلا ظرفی دکھائی..... عبید کو کیوں نہیں بتایا..... میں آئی تھی آپ کے پاس پیسے مانگنے..... میں نے عبید کی کمائی کھانے کے طعنے دیے تھے....." وہ بولی تو بولتی چلی گئی..... ہر وہ بات جو پردے میں تھی۔ ہر وہ چیز جو چھپی ہوئی تھی۔ ہر واقعہ..... ہر لفظ....."

"بس کرو ثانیہ....." عبید چلا اٹھا۔ اب اسے ثانیہ سے نہیں خود سے نفرت ہو رہی تھی..... اس نے اس لڑکی سے محبت کی؟

"اور کتنا میری نظروں سے گرو گی۔ تھوڑا سا بھرم تو رہنے دیتیں۔"

"نہیں، مجھے کوئی جھوٹا بھرم نہیں رکھنا..... میں نے یہ سب کیا ہے..... میں آپ سب سے معافی مانگنے آئی ہوں۔ لیکن کس منہ سے معافی مانگوں..... میں آئی ہی بری نیت کے ساتھ تھی۔ میں ایک ایک کی گناہ گار ہوں۔ میں نے ایک ایک کو دکھ دیا ہے..... میں جھوٹی ہوں، میں سازشی اور خود غرض بھی ہوں..... لیکن عبید....."

وہ پوری کی پوری عبید کی طرف مڑی..... دل میں کوئی ہوک اٹھی..... سر تا پا ہلا گئی..... کبھی وہ سر تا پا اس کا تھا۔

ثانیہ کا دل چاہا..... وہ اب ایک لفظ نہ کہے بس آخری بار اس کے سینے پر سر رکھ کر بہت سارا رو لے۔ ایک بار اس کے چہرے کو چھو لے..... ایک بار ان آنکھوں کو چوم لے لیکن وہ جانتی تھی..... محبت کے موسم بیت گئے تھے۔

"لیکن عبید! میں وہ نہیں ہوں..... میں بدکردار نہیں ہوں..... میں نے بہت غلطیاں کی ہیں مگر میرے دل میں تمہارے حوالے سے کوئی کھوٹ نہ تھا..... جھوٹ کی کہانی میں بس ایک بات سچ تھی..... اور وہ ثانیہ کی محبت ہے....."

عبید دو قدم آگے آیا.....

"میں لعنت بھیجتا ہوں تمہاری اس محبت پر..... آزاد کرتا ہوں تمہیں ہر رشتے سے۔"

طلاق دیتا ہوں تمہیں....."

ثانیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا وہ اسے اپنی زندگی سے نکالتا چلا گیا۔

ایک لمحے کو ثانیہ کا پورے کا پورا وجود کانپ کر رہ گیا۔

ہارون کو چنگاری دکھا کر ثانیہ سمجھتی تھی کہ وہ بچ جائے گی تو یہ ناممکن تھا۔ اس کے وجود کے پرخچے اڑ گئے۔

☆☆☆

وہ بڑی محویت سے گاڑی دھو رہا تھا..... ساری گلی میں پانی پانی ہو گیا..... وہ سوچ رہا تھا گھر کی دیوار کر کے گیٹ لگوالے اور صحن کو پورچ بنالے۔ گاڑی باہر کھڑی کرنا پڑتی تھی۔ اس نے سیاہ چادر اوڑھے رابعہ کو آتے دیکھا تو پانی کا رخ بدل دیا تاکہ وہ سکون سے گھر کے اندر جا سکے۔ لیکن جب وہ اس کے قریب آ کر رک گئی تب فرخ نے مڑ کر دیکھا اور چونکا..... رابعہ کی آنکھیں سرخ تھیں..... جیسے بہت رونی ہو کی آئی ہو.....

"کیا ہوا؟....." فرخ نے بے اختیار پوچھا.....

"مبارک ہو؟....."

فرخ کے ذہن میں بہت سی باتیں گھوم گئیں..... مگر اس نے سوالیہ انداز میں رابعہ کو دیکھا.....

"عبید نے ثانیہ کو طلاق دے دی ہے....."

فرخ کی سمجھ نہیں آیا وہ کیا ردعمل دے..... گردن موڑ کر پانی سے گرتی پانی کی دھار کو دیکھنے لگا۔

"تمہاری کوششیں رنگ لے آئیں....." رابعہ کا لہجہ گہرے طنز کا غماز تھا۔

"میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی....." فرخ نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔

"اب تو اس نے بھی سچ بولنا شروع کر دیا ہے....."

فرخ نے سر جھکا کر ہونٹ چبانا شروع کر دیا۔

"ساری دنیا یہی کہے گی کہ ثانیہ کا قصور ہے..... مگر تم بھی برابر کے حصہ دار ہو..... پیچھا تو تم نے بھی اس کا نہیں چھوڑا....." وہ غصے سے پھنکاری۔ "بدلہ برابر کا ہوتا ہے..... تم نے اس کی زندگی برباد کی ہے، اس کا گھر توڑا ہے..... تم تو آگے بڑھ جاؤ گے..... وہ کیا کرے گی؟ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی فرخ..... کبھی نہیں..... میرے بس میں ہو تو کبھی تمہاری شکل بھی نہ دیکھوں....." وہ روتے ہوئے اندر چلی گئی۔

فرخ سر جھکائے بہتے پانی کو دیکھتا رہا..... ان کا اندر بالکل خالی تھا..... نہ غصہ، نہ خوشی نہ اطمینان اور نہ ہی سکون.....

☆☆☆

اس نے گاڑی سڑک کے کنارے درختوں کے نیچے کھڑی کر دی..... کالونی کی سڑک سنسان تھی..... اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں درختوں کے پتے چمک رہے تھے..... روشنیوں کے گرد پتنگے دیوانہ وار محو رقص تھے۔

"کیا ہوا؟....." ارم نے گردن موڑ کر عفان کو دیکھا..... وہ اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھے سامنے دیکھ رہا..... جو کچھ آج ان کے گھر میں ہوا..... اس نے سب ہی کو متاثر کیا تھا.....

عفان نے خاموشی سے ارم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کی پشت پر بوسہ دیا۔ اس لمس میں محبت تھی..... احترام اور شکر گزاری.....

ارم نے کچھ حیرت سے عفان کے اس عمل کو دیکھا۔

"کہیں پڑھا تھا کچھ لوگ شفا ہوتے ہیں..... آپ کے اندر کے سارے زخموں کو ٹھیک کرتے، میں نے عورت کے دو مختلف روپ دیکھے ہیں..... مرد اگر گھر کی چھت ہوتا ہے..... تو عورت اس گھر کی بنیاد ہوتی ہے..... بنیاد جتنی مضبوط ہو گی..... گھر اتنا ہی پرسکون اور خوب صورت ہو گا۔" عفان ارم کی طرف مڑا.....

"شکریہ ارم..... میری بکھری شخصیت کو سمیٹنے کے لیے....." اس نے آج عبید کو بکھرتے دیکھا تھا۔

"میرے مکان کو گھر بنانے کے لیے میرے رشتوں کو جوڑنے کے لیے.....

اس کے لہجے میں احساس ممنونیت تھا.....

"اس بے فکری، اعتماد اور سکون کے لیے کہ جب میں گھر سے باہر ہوتا ہوں..... میری بیوی میری شریک

حیات..... میرے گھر..... میری عزت کی امین ہے....."
وہ دھیرے دھیرے اس کے کانوں میں شہد گھول رہا تھا.....
سکون قطرہ قطرہ ارم کے اندر جمع ہو کر اس کی روح تک کو شانت کر گیا۔ رات انہیں دیکھ کر مسکانے لگی..... ہوا رات کی رانی کی خوشبو چرا لائی تھی..... وہ دونوں ان لمحوں کے فسوں میں جکڑا بس ایک دوسرے کی موجودگی کو محسوس کر رہے تھے..... لمحے جو خوب صورت تھے.....
لمحے جو انمول تھے.....
یہ لمحے جو ان کی شادی شدہ زندگی کا حاصل تھے.....

☆☆☆

"امی! جب سے آئی ہوں..... مجھے بھی اپنے ساتھ کام میں لگایا ہوا ہے....." ارم کچن میں ماں کے ساتھ کھڑی سلاد کاٹ رہی تھی..... "آپ کو ذرا میری حالت کا احساس نہیں ہے....." ارم کا وجود پھیلنے لگا تھا..... ہر وقت خود کو بڑے سے دوپٹے میں ڈھانپ کر رکھتی۔
"کیا ہو گیا..... تھوڑا سا کام تو کیا ہے..... دیکھ رہی ہوں..... دن بدن سست ہوتی جا رہی ہو..... پریگننسی ہے کوئی خدانا خواستہ بیماری تو نہیں ہے جو سب چھوڑ چھاڑ بیڈ پر ڈھیر ہو جاؤ..... پیٹ پکڑ پکڑ کر اٹھو..... اتنی نازک مزاجیاں ہمیں تو ایک آنکھ نہیں بھاتیں....."
آسیہ نے صاف گوئی سے کہا تو ارم نے احتجاج کیا.....
"امی! اکلوتی بیٹی ہوں۔ کچھ تو احساس کریں۔ ایک میری ساس ہیں..... ہر وقت یہی کہتی ہیں..... بیٹا آرام کیا کرو؟.....
کام ختم ہو گیا تھا..... دونوں باتیں کرتے کرتے کچن سے باہر آ گئیں.....
"وہ تو بھلی خاتون ہیں کیوں کچھ نہیں کہیں گی....."
"جی نہیں..... وہ بہت ہوشیار ہیں..... انہیں پتا ہے ساری کسر میری ماں نے پوری کر دینی ہے....."
"میں یہ کب کہتی ہوں کہ خود کو تکلیف دو..... بس یہ کہتی ہوں کہ ایکٹو رہا کرو..... اس سے بچہ بھی ایکٹو رہتا ہے....."
دونوں لاؤنج میں داخل ہوئیں..... عبید لیپ ٹاپ پر آفس کا کوئی کام کر رہا تھا..... انہیں ایک نظر دیکھا..... مسکرایا اور پھر سے مصروف ہو گیا.....
"میں تو خواہ مخواہ آپ کو چھیڑ رہی تھی..... سارا دن کہاں آرام ہوتا ہے..... گھر میں کوئی نہ کوئی کام لگا ہی رہتا ہے۔ اور نہ عادت ہے فارغ بیٹھنے کی..... قرآن پاک کی تلاوت کرتی ہوں۔ درود پاک پڑھتی رہتی ہوں تو ذہن بھی پرسکون رہتا ہے۔" وہ عبید کے پاس جا کھڑی ہوئی.....
"اچھی بات ہے..... ماں کی بات غور سے سنا کرو۔ ورنہ دنیا کی سننی پڑ جاتی ہے....." آسیہ ان کے پاس سے گزر کر کمرے میں چلی گئیں.....
"ہاں..... مگر ماں کہنے والی، سمجھانے والی تو ہو....." بے اختیار ارم کا خیال نادرہ کی طرف چلا گیا..... اس کے کھوئے کھوئے لہجے پر عبید نے چونک کر ارم کو دیکھا.....
"خدا کا شکر ہے کہ ہماری ماں ایک سمجھ دار خاتون ہیں....."
"ہوں....." ارم نے غور سے عبید کو دیکھا..... پھر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی.....
"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔ ثانیہ نے یہ سب کیوں کیا؟ اسے سب کچھ بتانے کی کیا ضرورت تھی....." اتنے

digest library.com

مہینے گزر گئے مگر اسے اب بھی کبھی کبھی خیال آ جاتا تھا.....
عبید کے ہاتھ کی پیڈ پر رکے.....
''اسے لگا جس طرح میں اس کے جھوٹوں سے دھوکا کھاتا آیا ہوں.....آج اس کے سچ پر اعتبار کرلوں گا.....''
''کیوں نہیں کیا؟.....''ارم نے غور سے عبید کو دیکھا.....
''فطرت کہاں بدلتی ہے ارم.....''عبید نے لیپ ٹاپ بند کر دیا.....''میں شکر ادا کرتا ہوں کہ میری کوئی اولاد نہیں ہوئی.....ورنہ وہ میری اولاد کو کیا سکھاتی.....کیسی تربیت کرتی.....؟
جھوٹ، سازش.....اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے چور راستے.....یہ سب سکھاتی.....''
''سب عورتیں ایک جیسی نہیں ہوتیں عبید.....''
''جانتا ہوں.....''عبید نے سر جھٹکا.....
''تو شادی کرلو.....''
وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا.....
''کرلوں گا یار.....میں کون سا جوگ لے رہا ہوں.....تھوڑا وقت تو دو.....زخم بھر جائے گا.....تو اس بارے میں بھی سوچ لوں گا.....''
عبید نے دوبارہ لیپ ٹاپ کھول لیا.....
ارم کو خوشی ہوئی.....اس نے صرف ٹالا تھا.....انکار نہیں کیا تھا.....

☆☆☆

''ہانڈی پکالی ہے.....''ثانیہ نے اندر آ کر بے زاری سے اطلاع دی..... جہاں نادرہ اور رابعہ سر جوڑے نجانے کون سے راز و نیاز کر رہی تھیں.....
''ہانڈی پکالی ہے تو چار روٹیاں بھی ڈال لیتیں.....''ثانیہ کو لگا، نادرہ نے اسے ٹالنا چاہا ہے.....
''اب روٹیاں بھی میں ہی پکاؤں.....اس گھر کو تو جیسے نوکرانی ہی مل گئی.....سارے کام میرے سر ڈال دیے ہیں.....''
ان چند مہینوں میں اس کی رنگت مدھم پڑ گئی تھی.....خدوخال میں کرختگی کا عنصر نمایاں ہو گیا تھا، یہ ہر وقت کی سوچ اور چڑچڑے پن کا نتیجہ تھا۔ کہ ماتھے پر دو شکنیں مستقل موجود تھیں۔
''تو وہیں جمی رہتی جس نے مہارانی بنا کر رکھا تھا..... یہاں رہنا ہے تو کام تو کرنا پڑے گا.....''نادرہ غصے میں بڑبڑاتی روٹیاں پکانے اٹھ گئیں.....
''ہر وقت طعنے.....میری تو زندگی عذاب کر دی ہے اس عورت نے.....''ثانیہ چلائی۔
رابعہ ہکا بکا رہ گئی۔
''کیا ہو گیا ہے ثانیہ۔ ماں ہیں۔''
''کوئی ماؤں والی ذمہ داری نبھائی ہے؟ جب تربیت کا وقت تھا، مجھے پھوپھو سے بدلہ لینے کا ہتھیار بنالیا.....کبھی بٹھا کر سمجھایا.....سسرال میں کیسے رہتے ہیں۔ الٹا یہی سبق پڑھایا.....ڈٹ کر رہنا.....سسرال والوں کو جوتے کی نوک پر رکھنا.....''
ثانیہ اسی پر چڑھ دوڑی.....
''سمجھائی تو میں بھی بہت تھی.....میری ہی سن لیتیں.....''رابعہ نے تاسف سے کہا۔

''ہاں نہیں سنا، اس جرم میں پھانسی چڑھا دو.....''
''ثانیہ.....ثانیہ!'' اس سے قبل کہ وہ غصے میں توڑ پھوڑ شروع کر دیتی..... رابعہ نے ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھالیا۔
'کیا حالت بنالی ہے؟.....
''تجھے کیا ہوا ہے؟.....'' ثانیہ نے بے زاری سے ہاتھ چھڑالیا.....
''بھول جاؤ.....جو گزر گیا.....گزر گیا.....''
''جو گزر گیا وہ، تو سب کچھ تھا.....'' اس نے ایک دم رونا شروع کر دیا.....
ہائے کیا کچھ تھا [illegible] رونے میں۔
رابعہ اسے سنبھالنے لگا کر چپ کرتی رہی.....
''خود کو سنبھالو ثانیہ! زندگی کو دوبارہ سے شروع کرو.....''
''میری زندگی تو عبید تھا.....''
آج بہت مہینوں کے بعد ثانیہ کے لبوں پر عبید کا نام آیا تھا.....
''تو پھر ثانیہ.....کیوں؟ اس دن تم پر [illegible] کا دورہ کیوں پڑ گیا تھا.....معافی مانگ لیتیں.....کیا تھا وہ معاف کر دیتا؟.....''
ثانیہ پیچھے ہٹ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کرنے لگی۔
''معاف کر دیتا مگر کبھی دل میں جگہ نہ دیتا.....[illegible] اعتماد نہ کرتا.....مرد بڑا کینہ پرور ہوتا ہے، مجھے مٹی کر دیتا.....اور وہ تو حق بجانب بھی تھا.....لیکن سوچو.....ثانیہ! [illegible] کا علاج بھی تھا۔ اس کے قدموں کی دھول بن کر کیسے رہتی.....میں اس کے ساتھ سر اٹھا کر چلتی تھی۔ اس کے ساتھ سر جھکا کر کیسے رہتی.....وہاں میری حیثیت بدل گئی تھی رابعہ.....میں عبید کے ساتھ اس طرح نہیں رہ سکتی تھی۔
اس کے دونوں پاؤں بیڈ پر رکھے اور پنڈولم کی طرح جھولنے لگی.....
حضرت انسان.....یہی نہ سمجھ سکا کہ کہاں سر اٹھانا ہے.....اور کہاں جھک جانا ہے..... مقابلہ کہاں کرنا ہے اور تسلیم و رضا کی خو کہاں اپنانی ہے؟ وہ جھکتا ہے تو ظلم سہتے سہتے مٹی میں بدل جاتا ہے.....
جب غرور سے سر اٹھاتا ہے تو سامنے والے کو مٹی کر دیتا ہے.....
رشتے جوڑنے پر آتا ہے.....تو خود پر بوجھ کی طرح لاد لیتا ہے.....
توڑنے پر آئے تو بہت سے انمول رشتوں کو رول کر رکھ دیتا ہے.....
حضرت انسان.....تیری سب سے بڑی خوبی تو اعتدال تھی.....میانہ روی تھی.....تو اس خوبی کو ہی پہچان سکا.....اپنا نہ سکا.....اب سر پکڑ کر روتا ہے یا دوسروں کو رلاتا ہے.....
رابعہ نے محتاط نظروں سے ثانیہ کو دیکھا.....
''اس طرح تو زندگی نہیں گزرے گی.....''
''تو کس طرح گزرے گی؟'' ثانیہ نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔
''شادی کر لو، جو غلطیاں پہلے کیں۔ اب نہ دہرانا۔''
''اور کس سے؟'' ثانیہ کا لہجہ اب بھی طنزیہ تھا۔
''فرخ سے.....'' رابعہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔
ثانیہ کا وجود ساکت و صامت ہو گیا۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Digest
Novels
Lovers
Group



دوپہر کے بارہ بجنے کو تھے۔ میں نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور پہلے سے تیز چلتے ہاتھوں کو مزید تیز کر دیا۔ ایک چولہے پر اسپیگھٹی تیار تھی جو میرے بڑے بیٹے اور بیٹی کی پسندیدہ تھی۔

دوسرے پر شامی کباب فرائی ہو رہے تھے۔ ساتھ رائتہ، چٹنی اور سلاد تیار تھے۔ میرا چھوٹا بیٹا روٹی کے ساتھ کباب بہت شوق سے کھاتا تھا۔ تازہ پھلکے تیار کرتے میرے ہاتھ مشاقی سے روٹیاں توے سے اتار رہے تھے۔

یہ کھانے کا اہتمام میرے لیے روزمرہ کا معمول تھا۔ ''ابھی اگر نور کا فون آجائے تو وہ کتنا سخت سست سنائے گی۔''

''توبہ ہے۔ بس کردو مہر، تم انسان ہو یا مشین؟ اپنے ہی میاں اور بچوں کے لیے دو وقت اس قدر اہتمام کرنا اور خود کو تھکانا بھلا کہاں کی عقل مندی ہے یار! ذرا خود کو بھی آرام دیا کرو، بچوں کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا اچھی بات ہے مگر سب کچھ کھانے کی عادت ڈالو یار! یہ عادت آگے چل کر تمہارے ہی لیے پریشانی کا باعث بنے گی۔''

نور کی نصیحت یاد کر کے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ فون کے ریمائنڈر کی آواز پر میں چونکی ساڑھے بارہ ہو چکے تھے۔ اپنی بیٹی کو کالونی کے گیٹ سے پک کرنا میری ذمہ داری تھی اس کی اسکول وین بس آنے ہی والی تھی۔ میں نے چابی اٹھائی اور گھر لاک کر کے باہر نکلی۔

پانچ منٹ کی پیدل واک کے بعد میں کالونی کے گیٹ پر تھی۔ لاکھ منتیں کرنے کے بعد بھی وین ڈرائیور گھر پر چھوڑنے کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا۔ منال کی وین آئی اور دروازہ کھلتے ہی منال بھاگ کر اتری اور میرے پیروں سے لپٹ کر حسب معمول شروع ہو گئی۔ وہ جب تک اپنے پورے دن کی روداد مجھے نہ سناتی اس کو چین نہ آتا تھا۔ میں نے اپنی چہچہاتی گڑیا کو گود میں اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ گویا سارا وجود ٹھنڈی میٹھی پھوار میں نہا گیا۔ دو بیٹوں کے بعد پیدا ہونے والی بیٹی میں گویا میری جان تھی۔ منال کو گود میں اٹھا کر اس کا ننھا منا اسکول بیگ سنبھالا اور واپس گھر کی طرف چل پڑی۔

گھر پہنچ کر منال کے کپڑے بدلوا کر ہاتھ منہ دھلوایا اور خود کچن میں آ گئی۔ میرے بیٹے اور میاں بس آنے ہی والے تھے، لنچ کر کے اسد واپس چلے جاتے تھے بیٹوں کو اسکول سے لانا لے جانا اسد کی ذمے داری تھی۔

میں نے خود بھی کپڑے بدلے اور پرفیوم کا اسپرے کر کے ہلکی سی لپ اسٹک بھی لگا لی۔ چمکتا دمکتا گھر، صاف ستھرا کچن، تیار لنچ میری صبح سے اب تک کی کئی گھنٹوں کی محنت کا گواہ تھا منال صوفے پر لیٹی کوکو میلن دیکھ رہی تھی۔

اتنے میں اسد کی گاڑی کا ہارن بجا اور کاشان اور شایان کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ دونوں بھائی کسی بات پر بحث کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ بلند آواز میں سلام کرنے کے بعد صوفے پر ڈھیر ہو گئے۔

"شانی اور کاشی بیٹا! ہر چیز جگہ پر رکھو اور کپڑے بدل کر ٹیبل پر آ جاؤ..... ہری اپ!"

اسد کے پاس صرف آدھا گھنٹہ ہوتا تھا سو میں نے جلدی جلدی ٹیبل پر برتن لگانے شروع کر دیے۔ کھانے کی اشتہا انگیز مہک نے سب کو ہی متوجہ کر لیا۔

"واہ بیوی! کیا بات ہے' جادو ہے تمہارے ہاتھوں میں۔" اسد انتہائی رغبت سے شامی کباب اور رات کے ترکی کوفتوں کے ساتھ انصاف کرنے لگے۔ بچے بھی خوب شوق سے اپنے اپنے پسندیدہ کھانوں کی طرف متوجہ تھے۔ میری محنت گویا وصول ہو گئی۔

"یار ارات کے لیے کیا بناؤ گی؟" اسد جو لنچ سے فراغت کے بعد اب واپس دفتر جانے کے لیے تیار تھے پوچھنے لگے؟ میں ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ شانی جھٹ سے بولا۔

"ماما، میک اینڈ چیز۔"

کاشی کیوں پیچھے رہتا۔ "ماما، میرے لیے تو چکن پلاؤ بنا دیں۔ پلیز پلیز جیسا آپ نے نور خالہ

کے آنے پر بتایا تھا۔"

میں کچھ کہنے کے لیے منہ کھول ہی رہی تھی کہ اسد نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے یار! ساتھ میں لبسن مرچ کی چٹنی اور رائتہ بنالینا۔ مزہ ہی آجائے گا اور اگر کوفتے بچے ہیں تو ایک پھلکا بھی ڈال دینا او کے میں چلتا ہوں بیگم خدا حافظ!"

میں مسکراتے ہوئے ان کے پیچھے ان کو دروازے تک چھوڑنے گئی۔ واپس آئی تو ذہن میں کاموں کی ایک طویل فہرست تھی آج میں نے سوچا تھا کہ کپڑے بھی دھولوں گی تو وقت کی شدید قلت تھی۔ سو جھٹ سے کچن میں آ گئی۔

یہ میرے گھر میں روز کا معمول تھا۔ تین بچے اور میاں۔ چار لوگ اور چار لوگوں کی الگ الگ پسند ناپسند۔ گھر میں دوپہر اور رات کے کھانے میں کم از کم دو سے تین الگ الگ ڈشز پکنا لازمی تھا۔

☆☆☆

میرے دن کا آغاز صبح چھ بجے ہوتا نماز قرآن پھر بچوں کے اسکول کی تیاری اور ان کے اسکول اور میاں کے آفس سدھارنے کے بعد گھر کی صفائی ستھرائی، دوپہر کے پرتکلف کھانے کی تیاری اور پھر شام کے لیے بھی چائے کے ساتھ کچھ نہ کچھ بنتا۔

پھر رات کا کھانا جو لامحالہ دو تین کھانوں پر مشتمل ہوتا۔ ساتھ ساتھ بچوں کی پڑھائی، ہوم ورک اور کپڑے سلائی کرنا بھی میرے کاموں کا حصہ تھا۔ منال کے نت نئے ڈیزائن کے کپڑے سینا، میرا شوق تھا اور اپنی ایم ایس سی کی ڈگری کو استعمال میں لاتے ہوئے بچوں کو بھی خود پڑھاتی تھی اور الحمدللہ بچے کلاس کے ٹاپ تھری اسٹوڈنٹس میں شمار ہوتے تھے۔

نور جو میری اکلوتی بہن، سہیلی اور رازداں بھی کچھ تھی کبھی کبھی مجھے اس ان تھک محنت پر ٹوک دیتی۔

"یار، اپنے گھر اور بچوں سے تو سب ہی کو محبت ہوتی ہے مگر ہر چیز میں اعتدال رکھو۔ اپنی ذات کو بھی آرام دو تم انسان ہو کوئی مشین نہیں۔ مجھے دیکھو آلو گوشت بنایا ہے۔ روٹی بنالی بس! ہو گیا رات کا کھانا۔ کل دوپہر میں اسی کے ساتھ چاول بنالوں گی اللہ اللہ خیر صلا۔ بچے، میاں سب کھائیں گے بھی اور سراہیں گے بھی۔ تم نے خود سب کی عادتیں بگاڑی ہیں۔"

میں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی ایسا نہیں تھا کہ میں تھکتی نہیں تھی کبھی کبھی بے زاری اس شدت سے حملہ آور ہوتی کہ کچھ پکانے کا دل نہ کرتا تو باہر سے کھانا آرڈر کر دیتی۔ مگر اس دن میرے بچے اور میاں اس رغبت سے ہرگز نہ کھاتے جس طرح گھر کا کھانا۔ سو اگلے دن پھر سے نئے جوش و خروش کے ساتھ نت نئی تراکیب کے ساتھ جت جاتی۔

کھانا پکانے کا شوق ہاتھ میں بے پناہ لذت، میرے کھانوں کی نزدیک ہر جگہ دھوم تھی۔ سو میں نے کبھی دانستہ کوشش کی ہی نہیں کہ ایک کھانا پکے اور سب وہی کھائیں، نہ ہی کبھی بچوں کو سمجھایا الٹا ان کے شوق کو مہمیز کرنے میں میرا بڑا ہاتھ تھا سو آج نتیجہ سامنے تھا۔ گرمی ہو یا سردی، مہینے کا شروع ہو یا آخر، طبیعت خراب ہو یا ٹھیک، جس کو جو کھانا ہے وہی پکے گا ماما ہیں نا!

☆☆☆

آج صبح سے ہی میرے پیٹ میں سیدھے ہاتھ کی طرف درد تھا۔ جو دوپہر تک بڑھ کر شدید ہو گیا۔ اسد کے گھر آنے کے بعد میں نے ذکر کیا تو وہ فوراً ڈاکٹر کے لے جانے کے لیے اصرار کرنے لگے میں تیار ہو گئی۔ اتنے میں ہی درد گویا رگوں کو کاٹنے لگا مجھ سے اب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ تکلیف سے آنسو بہے چلے آ رہے تھے۔

اسپتال پہنچ کر ٹیسٹ کرائے پتا چلا اپنڈکس ہے فوراً سرجری ہو گی میرے ہاتھ پیر گویا بے جان ہو چکے تھے۔ اسد کی بھاگ دوڑ اور پریشانی دیکھ کر میرا دل

بیٹھنے لگا۔ یا اللہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میرے بچے کیا کریں گے؟ بس اسی سوچ اور فکر میں — کب بے ہوش کیا گیا کب سرجری ہوئی پتا ہی نہ چلا۔

ہوش میں آئی تو سامنے نرس کو دیکھا۔ وہ فوراً اسد کو بلا لائی ڈاکٹر نے آ کر چیک کیا اور کہا۔

"دو دن تک یہیں رہنا ہو گا۔ ویسے تو سب ٹھیک ہے مگر پرسوں تک ڈسچارج ہوں گی۔ ٹانکے جو ابھی کچے ہیں۔" نور میرے پاس رک گئی تھی۔

دو دن بھی جیسے تیسے گزر گئے آخر کار آج میں گھر واپس جا رہی تھی۔ کہنے کو چھوٹا سا آپریشن تھا مگر نقاہت تھی کہ ختم ہی نہ ہو رہی تھی۔ گھر آئی تو حسب توقع میرا پیارا گھر ابتر حالت میں تھا۔ بچے لپک کر میرے پاس آئے ایک نے بیگ تھاما، دوسرے نے ہاتھ سے سہارا دیا۔ منال پیروں سے لپٹ گئی۔ اسد نے مدد کی اور مجھے بستر پر لٹا دیا۔

"یار! قسم سے، دو ہی دن میں لگ پتا گیا۔ جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ یار! تمہارے بغیر ہم کچھ بھی نہیں۔"

وہ بولے اور میں پھیکا سا مسکرا دی۔ کمزوری اس قدر تھی کہ بیٹھا تک نہیں جا رہا تھا۔ اس عالم میں دو دن گزر گئے۔ نور صبح شام کچھ نہ کچھ پکا کر بھجوا دیتی یا خود آ جاتی۔ کبھی کھانا آرڈر کر دیا جاتا۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ میں اب خود کو بہتر محسوس کر رہی تھی۔ صبح سو کر اٹھی تو دل چاہا بچوں کو سرپرائز دوں اور ان کی پسند کا ناشتہ بنا دوں۔ میں آہستہ قدموں سے اٹھی۔

اندر داخل ہوتے ہی اس زور کا چکر آیا کہ زمین بوس ہو گئی اور درد کا ایک سمندر تھا گویا جو اس طرح جسم کو چیرنے لگا کہ میری بلند ہوئی چیخوں نے اسد کو جگا دیا۔ وہ آناً فاناً مجھے اٹھا کر اسپتال بھاگے۔ جا کر پتا چلا ٹانکے پھٹ گئے ہیں اور دوبارہ لگانے پڑیں گے۔ ذرا سی عجلت اور غفلت نے مجھے ایک بار پھر بستر پر پہنچا دیا۔ چار دن اسپتال میں گزارنے کے بعد جب گھر آئی تو حالت ناگفتہ بہ تھی۔

ڈاکٹرز کی سختی سے تاکید تھی کہ کم از کم ایک مہینہ مکمل آرام کرنا ہے۔ اس قدر متحرک زندگی گزارتے گزارتے اچانک ایک جگہ بستر کا ہو کر رہ جانا میرے لیے کتنا اذیت ناک تھا یہ وہی سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس کا تجربہ کیا ہو۔ میری آنکھوں کے سامنے میرے بچے اتری ہوئی شکلوں کے ساتھ اپنے اپنے کام کرتے۔

منال کے لیے وقتی طور پر آیا رکھ لی گئی تھی جو اس کو قطعی پسند نہیں آئی تھی۔ جب وہ اپنے نہانے دھونے اور دیگر کاموں کے لیے مجھے پکارتی کہ آپ سے نہیں ماما سے نہاؤں گی۔

پھر بہلا پھسلا کر کاشی یا شانی اس کو راضی کر لیتے۔ میرا دل خون کے آنسو روتا۔ آٹھ سال کا شانی اور دس سال کا کاشی گویا اپنی عمروں سے کئی گنا بڑے ہو گئے تھے۔

یہ ڈیڑھ دو مہینے مجھے زندگی کے کئی سبق سکھا گئے۔ میں اللہ کا لاکھ شکر ادا کرتی کہ محض آرام کے لیے بستر پر ہوں خدانخواستہ فالج کے یا دیگر بیماریوں کے مریض ہیں جن کے ٹھیک ہونے میں کئی سال یا کئی ماہ لگ جاتے ہیں یا کبھی کبھی تادم مرگ ان کا مرض ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا ان پر کیا گزرتی ہو گی وہ کیسے کئی سال بستر پر گزارتے ہوں گے۔ کبھی کبھی بچوں کی اداس شکلیں دیکھ کر دل کرتا۔ اٹھ کھڑی ہوں مگر پہلے کی گئی حماقت یاد آتے ہی واپس بستر پر گر جاتی۔ کھانا پکانے کے لیے وقتی ملازمہ رکھ لی گئی تھی۔ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ بچوں کو اس کے ہاتھ کا پکا بالکل پسند نہیں آ رہا مگر جب میں پوچھتی تو دونوں جھٹ سے کہتے ہیں۔

"ماما ہم نے فل ہو کر کھایا ہے۔" جانتی تھی یہ اسد کی تاکید تھی کہ ماما کو مت کہنا ورنہ وہ پریشان ہو کر کہیں کھانا پکانے نہ پہنچ جائیں۔

اپنے شریک حیات کی محبت اکثر آنکھیں نم کر دیتی۔ میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی۔ خدا خدا کر کے ایک مہینہ گزرا۔ آج میں خود کو نہایت تازہ دم

محسوس کر رہی تھی۔ بچے اسکول جا چکے تھے اسد آفس۔

میں کچن میں آ گئی۔ میں نے صفورا بی بی کو کھانا پکانے سے منع کر دیا کہ وہ کپڑے استری کر کے تہہ کر دیں۔ کھانا میں خود پکاؤں گی۔ میں نے فریج کھول کر دیکھا تو بچے ہوئے کھانوں کا انبار تھا۔ ملازمہ کی مدد سے میں نے فریج صاف کیا۔ کچن کے کیبنٹ صاف کرائے۔ وقت کا پتا ہی نہ چلا منال اور بچوں کے آنے میں ایک گھنٹہ رہ گیا تھا۔ میں نے چکن والا دلیہ بنانے کا سوچا کیونکہ فی الوقت صرف یہی پک سکتا تھا۔

میری ایک مہینہ کی غیر حاضری نے گویا مسالوں کے ڈبوں اور گروسری کو بھی غیر حاضر کر دیا تھا۔ میں حیران پریشان خالی دالوں اور مسالوں کے ڈبوں کو دیکھ رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ ملازمہ نے کسی نگران کے نہ ہونے کا بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔

خیر اس کی کلاس لینے کا ارادہ موخر کرتے ہوئے دلیہ بنانا شروع کیا۔ پوری لگن اور شوق سے دلیہ بنا کر بگھارا اور دعا کرنے لگی کہ بچے شوق سے کھالیں۔ اور پختہ ارادہ کر لیا کہ رات کے کھانے پر سب کی پسند کا الگ الگ مینیو ہوگا۔ گاڑی کا ہارن بجا، میری بیماری کی وجہ سے منال بھی اب اسد کے ساتھ ہی گھر آتی تھی۔ تینوں بچے اور اسد اندر داخل ہوتے ہی ٹھٹک گئے۔ اسد بولے۔

"یار! یہ تو تمہارے ہاتھ کے پکے کھانوں کی خوشبو ہے۔ صفورا بی کے کھانوں سے خوشبو تو دور کی بات رنگت تک بتانا مشکل ہوتا ہے کہ کھانے کا اصل رنگ ہے کیا۔ کہیں تم تو کچن میں نہیں چلی گئیں؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ارے جناب ہاتھ منہ دھو کر ٹیبل تک تو آ جائیں۔" میں نے میز پر کھانا لگانے کے بعد بچوں کو بلایا۔

بچے بڑی خوشی اور جوش سے آ گئے کہ آج تو ماما کے ہاتھ کا پکا کھانے کو ملے گا۔ میں دل ہی دل میں ڈر رہی تھی کہ میز پر محض ایک ڈش اور وہ بھی دلیہ دیکھ کر کہیں بچوں کا منہ ہی نہ بن جائے۔ میں نے اردگرد ڈرتے کاشان پر نظر ڈالی تو چونک گئی۔ اس کے آنسو گویا میرا دل چیر گئے۔

"کیا ہوا میری جان؟ آئی پرامس! میں رات تمہاری پسند کا وائٹ ساس پاستا بناؤں گی۔ ابھی لیے سوری بیٹے جو کچھ گھر میں تھا اس سے ہی سکی۔ پلیز تم رونا بند کرو آئی پرامس رات کو سب دعوت ہے، ماما سب کی پسند کے کھانے بنائیں گی۔"

"نہیں نہیں ماما!" وہ تڑپ کر بولا۔

"میں اس لیے نہیں رو رہا۔ آپ کو پتا ہے ہم نے آپ کو کتنا مس کیا۔ آپ کے محبت سے پکائے کھانوں کو، آپ کے محبت سے کھلانے کو اور پھر کے سارے کام جو آپ کے بستر پر ہونے کی وجہ سے مارے باندھے ملازموں کی مدد سے پاپا کرواتے تھے۔ آپ ٹھیک تھیں تو پتا ہی نہیں تھا کہ گھر میں اتنے کام ہوتے ہیں۔ آپ اب کبھی بیمار نہ ہونا۔ آئی پرامس! ہم سب خوشی خوشی کھائیں گے جو بھی آپ پکائیں گی۔ کیوں شانی ٹھیک کہا نا میں نے۔"

اور میں جو گویا کسی سحر زدہ معمول کی طرح اس کی باتیں سن رہی تھی رونے لگی۔ اسد نے آگے بڑھ کر مجھے ساتھ لگا لیا پیار سے بولے۔

"واقعی بیگم، تم ہی اس گھر کی اصل رونق ہو۔ وی آل لو یو....."

میں جھینپ کر مسکرا دی اور بچوں پر نظر ڈالی جو دلیہ اس طرح رغبت سے کھا رہے تھے گویا پاستا یا اسپیگھیٹی ہو۔

"ماما بہت مزے کا بنا ہے۔ آئی سویئر رات کو بھی بس ایک ہی چیز پکے گی جو سب کھائیں گے۔" کاشی بولا۔

میں جو سبق چاہے نا چاہے بھی نہ سکھا سکی وہ میرے بچوں کو زندگی نے سکھا دیا۔

☆☆

آسیہ ساجد علی

ایک خط

میری پیاری شریک حیات! آج زندگی میں پہلی بار تمہیں خط لکھ رہا ہوں۔ پچھلے تیس برسوں میں ہم نے بے شمار باتیں کی ہیں۔ ہر قسم کے موضوعات زیر بحث آئے کئی دفعہ میں نے تمہاری تعریف کی، بہت دفعہ تنقید بھی کی۔ جھگڑے اور بحث مباحثہ بھی ہوا لیکن جو باتیں میں آج تمہیں کہنے جا رہا ہوں شاید تمہارے روبرو بیٹھ کر کبھی نہ کہہ سکتا تم عورتیں آپس میں کتنی ہی دکھ سکھ کی باتیں کرتی ہو، سسرالیوں کے دکھڑے شوہروں کی باتیں میکے کی باتیں۔ کیا تم نے



کبھی سوچا کہ مردوں کے بھی دکھ ہوتے ہیں، نہ نظر آنے والے دکھ غیر محسوس دکھ نہ شیئر کیے جانے والے دکھ۔ آج سے تیس سال پہلے میں ایک کھلنڈرا سا لڑکا اور تم ایک لاابالی سی لڑکی تھیں پھر ہماری شادی ہوگئی۔ تم ایک بہو اور میں ایک کماؤ پوت بن گیا۔ پھر ہمارا پہلا بچہ اس دنیا میں آیا، ہمارے مقام بدل گئے تم ماں اور میں باپ کے مرتبے پر فائز ہوگیا۔ تم نے ایک سمجھ دار عورت کا روپ دھار لیا اور میں ایک ذمہ دار مرد بن گیا۔ جب کسی بچے کو چوٹ لگتی یا اس سے کوئی نقصان ہو جاتا ہے تم اسے سینے سے لگا کر پیار سے سمجھاتیں۔ میں جھڑکتا اور پُرا سے سمجھانے لگتا۔ تم ایک انڈر اسٹینڈنگ مام بن گئیں اور میں فیلنگز نہ سمجھنے والا باپ۔

جب بچے کوئی شرارت کرتے یا اسکول کے معاملات میں کوئی اونچ نیچ ہوتی تم بچوں کو یہ کہہ کر ڈراتیں کہ اگر ایسا ہوا تو ڈیڈی ناراض ہوں گے یہ کہہ کر تم بچوں کی بیسٹ فرینڈ بن گئیں اور میں ایک غصیلا باپ، میں اکثر دیکھتا بچے تمہارے گلے میں بانہیں ڈال کر فرمائشیں کرتے جبکہ میرے سامنے وہ اس طرح درخواست پیش کرتے جیسے کوئی ماتحت اپنے افسر کو عرضی دے رہا ہو۔

بچے تمہارے ساتھ لڈو اور کیرم کھیلتے لیکن میرے آتے ہی محفل برخاست ہو جاتی۔ تمہارے سے میں بے تکلفی کے ساتھ مجھ سے ڈرتے اور میرے سے

digest library.com

میں تکلف کے ساتھ عزت۔ تم چاند کی ٹھنڈک بن کر ان کے دلوں میں اتر گئیں۔ میں ان کے لیے سورج ضرور تھا جو روشنی اور توانائی کا ذریعہ ہوتا ہے لیکن میں ان کے قریب نہیں جاسکتا تھا کیونکہ میری تپش انہیں جھلسانے لگتی تھی۔ اگر کبھی میں سر درد کی شکایت کرتا تو چائے اور سر درد کی دوا فوراً حاضر کردی جاتی۔ اور تمہاری ہدایت پر میرے آرام کی خاطر پورے گھر پر خاموشی طاری ہوجاتی۔

میں کہنا چاہتا تھا کہ میرے سر درد کی دوا تو ان ننھے منے قہقہوں اور ان کی آپس کی نوک جھونک میں ہے لیکن پھر میری انا آڑے آجاتی آخر مرد تھا ناں۔

بعض اوقات سوچتا ہوں تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ لیکن شاید سارا قصور تمہارا بھی نہیں ہے۔ شاید میں نے بھی فاصلے کم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن میں بھی کیا کرتا سارا دن دفتر میں مغز ماری کرتا اور جس محکمے سے میرا تعلق تھا وہاں رشوت کو انکار کر کے رزق حلال کمانا بھی بہت مشکل کام تھا۔ روزانہ کسی نئے چیلنج کا سامنا کرنا پڑتا لیکن میں اپنے بچوں کو صرف رزق حلال کھلانا چاہتا تھا۔ بلاشبہ تم نے ہمیشہ میرے ذہنی سکون کا بہت خیال رکھا اور شاید تمہاری ہی ہدایت تھی کہ جب میں گھر میں ہوتا بچے کوئی فالتو بات نہ کرتے اور اپنی نصابی سرگرمیوں میں مگن ہوجاتے۔ حالانکہ میں چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے چھوٹی چھوٹی باتیں کریں اپنے اسکول کے قصے سنائیں لیکن ایسا کبھی نہ ہوا۔

میں بچوں کے معاملے میں بہت حساس تھا جب میں نے محسوس کیا کہ مہنگائی کی وجہ سے بجٹ تمہارے کنٹرول میں نہیں آرہا تو میں نے اوور ٹائم لگانا شروع کردیا تاکہ بچوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشات پر سمجھوتہ نہ کیا جائے، میں نے بچوں کی خواہشات پر تو سمجھوتہ نہ ہونے دیا لیکن اس اوور ٹائم نے میرے اور بچوں کے درمیان فاصلوں کو مزید بڑھادیا۔ میں اپنی کمیٹمنٹ کبھی شیئر نہ کرسکا اور نہ ہی ان فاصلوں کو کم کرنے میں تم نے میری کوئی مدد کی۔

اب سوچتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ میری ماں بھی ایک ایسی ہی عورت تھیں، یا شاید ساری عورتیں ہی ایسی ہوتی ہیں، پتا نہیں وہ شعوری طور پر ایسا کرتی ہیں یا لاشعوری طور پر یا پھر یہ نظام قدرت ہے۔ کیا پتا اس میں بھی مرد کی ہی کوئی کوتاہی ہو۔ میں فیصلہ نہیں کرپارہا۔ گھر سے نکلا تو پتا چلا کہ روزی کمانے کے لیے مرد کو کون کون سی کٹھنائیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور بچے اکثر ہی اپنی ماؤں کے گن گاتے نظر آتے ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ میری ماں نے زیور بیچ کر میری فیس بھری کوئی کہتا ہے میری ماں نے کمیٹی ڈالی ہوئی تھی۔ منطقی اعتبار سے دیکھا جائے تو کیا وہ باپ کی کمائی نہیں تھی۔ معاف کرنا میں کچھ زیادہ ہی سخ ہوگیا اور جانب داری کا مظاہرہ کررہا ہوں۔ اگر سچ کہوں تو تم نے بچوں کی تربیت اور بیوی کا فرض نبھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، میں تمہیں سو میں سے پورے سو نمبر دیتا ہوں۔ مگر پھر بھی یہ خط لکھ کر مجھے ایک عجیب قسم کی تسکین ملی ہے۔ لیکن میری پیاری شریک حیات میں یہ خط تمہیں پڑھنے کے لیے نہیں دے سکتا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اب ''پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہے''

میں اس خط کو اپنے ضروری کاغذات کے ساتھ سنبھال کر رکھ دوں گا اور کبھی کبھار پڑھ لیا کروں گا یا شاید کبھی نہ پڑھوں۔ لیکن ایک بات میں ضرور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر میں یہ خط آج سے بیس سال پہلے لکھتا تو تم اسے پڑھ کر احساس جرم کا شکار ہوجاتیں اور اپنا محاسبہ کرنے لگتیں۔ لیکن اب اسے پڑھ کر تم طنزیہ مسکرادو گی اور مجھے ''خبطی'' اور ''سٹھیایا'' ہوا سمجھ کر سر جھٹک دو گی۔ کیونکہ میں جانتا ہوں جوان اولاد کی ماں بہت مضبوط ہوتی ہے ایک مرد سے کہیں زیادہ مضبوط۔

اللہ تمہیں ہمیشہ خوش اور مطمئن رکھے۔ آمین

تمہارا شریک حیات
فقط

Digest
Novels
Lovers
Group ❤️❤️

ضحیٰ مصطفیٰ

شرط

صبح کا وقت تھا۔ سورج کی شعاعیں زمین کو چھونے کی خواہش ظاہر کر رہی تھیں۔ شاخوں کے درمیان پھولوں کی خوشبو اور پرندوں کی چہچہاہٹ کانوں کو بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ پارک کے ایک نیلے بینچ پر بیٹھی سائرہ عباد آفندی اپنے خیالوں میں گم تھی۔

اس نے سفید رنگ کی لمبی قمیض اور ٹراؤزر کے ساتھ سفید بیلے فلیٹس پہن رکھی تھیں، اور سفید دوپٹہ گلے کے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ چہرے کی شادابی مدھم تھی، آنکھوں کے گرد حلقے نمایاں تھے جیسے کئی دن سے پوری نیند نہ لی ہو۔ گال پر موجود کالا تل بھی اداس لگ رہا تھا۔ آنکھیں قدرے موٹی اور ہونٹ بھرے ہوئے تھے۔ چہرہ میک اپ سے پاک تھا۔

"وہ تمہیں چھوڑ دے گا۔"

فرحان کی آواز سائرہ کی سوچوں کے سلسلے کو توڑتی ہوئی سنائی دی۔ "ایک خوبصورت، کم عمر حسینہ کے سامنے اسے ایک سینتالیس سال کی عورت۔ نظر نہیں آئے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم خود ہی اسے چھوڑ دو۔"

سائرہ نے ایک نظر اپنے ساتھ تھوڑے فاصلے پر بیٹھے فرحان کی طرف دیکھا۔ سفید شلوار قمیض میں ملبوس، وہ ایک خوش شکل اور پرکشش انسان تھا۔

"تمہارے لیے یہ سب کہنا بہت آسان ہے، فرحان،" سائرہ نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میرے جیسے انسان کے لیے کسی کو چھوڑنا بہت مشکل ہے۔ اب تو ہماری شادی کو تقریباً اٹھائیس سال ہو چکے ہیں۔ میں اُسے کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ اور ہم نے یہ سال خوش گوار طریقے سے گزارے ہیں۔" سائرہ نے پھر دھیمی آواز میں کہا، لیکن آنکھوں میں نمی تھی۔ اس نے کچھ دیر کے لیے خاموشی اختیار کی۔ اور پھر گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا۔

"اب یوں اچانک عباد کو اُس لڑکی سے محبت ہو گئی ہے۔ وہ اُس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ مجھے چھوڑنا بھی نہیں چاہتا۔" سائرہ بمشکل اپنے آنسوؤں پر قابو کیے ہوئے فرحان کی طرف دیکھ رہی تھی، آنکھوں میں اداسی اور بے بسی تھی۔

فرحان نے سنجیدگی سے اسے دیکھا،

"حالات بدلتے ہی لوگ بھی بدل جاتے ہیں، سائرہ۔ عباد کے پاس اب پیسہ آ چکا ہے، لاکھوں سے کروڑوں کمانے والا بن گیا ہے۔ اب اُسے تمہاری ضرورت نہیں رہی، اور جتنی جلدی تم یہ بات سمجھ لو، اتنا ہی تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ اور رہی بات چھوڑنے کی تو وہ تمہیں اب نہیں چھوڑنا چاہتا لیکن ایک وقت آئے گا جب وہ تمہیں اس لڑکی کے کہنے پر چھوڑ دے گا۔ جیسے کل ریسٹورنٹ پر عباد نے اس لڑکی کے کہنے پر تمہارا ذکر کرنا چھوڑ دیا۔ اور تمہیں اس وقت ریگرٹ (پچھتاوا) ہوگا کہ تم نے اسے پہلے کیوں نہیں چھوڑ دیا۔"

"لیکن میں سمجھ نہیں پا رہی کہ وہ اُس کی طرف متوجہ کیوں ہوا؟ ہماری شادی میں کبھی اتنی بڑی لڑائیاں نہیں ہوئیں۔ میں نے کبھی اپنی اولاد کے لیے بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ میں نے اُس کی ہمیشہ عزت کی، اُسے سمجھنے کی کوشش کی، ہر مشکل وقت

مکمل ناول

digestlibrary.com

میں اُس کا ساتھ دیا، تو وہ کیسے مجھے چھوڑ کر کسی اور سے محبت کر سکتا ہے؟" سائرہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

جن سوالوں کے جواب سائرہ خود سے اور عباد سے مانگتی رہی تھی، اب جواب نہ ملنے پر وہ فرحان سے کر رہی تھی۔

اور ہمیشہ ازل سے یہی ہوتا آیا ہے کہ انسان کسی دوسرے کی بے وفائی کا ذمہ دار پہلے خود کو ٹھہراتا ہے، جب دل ٹوٹتا ہے تو سب سے پہلے خود کو قصوروار ٹھہراتا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے کہ شاید کہیں ہم سے ہی کوئی کمی رہ گئی ہے ایسی کمی جس نے اُسے چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہو۔

☆☆☆

لاہور کی ہلچل بھری زندگی میں ایک سادہ مگر خوش حال گھر تھا جہاں سائرہ اور عباد رہتے تھے۔ ان دونوں کی شادی کو تقریباً اٹھائیس سال ہو چکے تھے۔ سائرہ ایک ہاؤس وائف تھی، اور اس کی زندگی کا محور اس کا شوہر عباد اور ان کی دو بیٹیاں، رباب اور علینہ تھیں۔ عباد ایک نجی کمپنی میں سافٹ ویئر انجینئر کے طور پر کام کرتا تھا اور اس کی محنت اور دیانت داری کی وجہ سے کمپنی میں اس کی بہت عزت تھی۔

بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے عباد آپ ایک کمپنی میں سرمایہ کاری کی، جو سافٹ ویئر ڈویلپمنٹ اور ڈیجیٹل مارکیٹنگ میں مہارت رکھتی تھی۔ ابتدا میں یہ سرمایہ کاری کچھ زیادہ منافع بخش ثابت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس اسٹارٹ اپ نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ کمپنی کے تیار کردہ سافٹ ویئر اور ڈیجیٹل مارکیٹنگ کی خدمات نے مارکیٹ میں دھوم مچادی، اور کمپنی کا منافع کئی گنا بڑھ گیا۔ عباد اور اس کے خاندان کا معیارِ زندگی بہت بہتر ہو گیا تھا۔

سائرہ اور عباد نے اپنی بیٹیوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی تھی۔ علینہ نے لاہور کے معروف میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کی تعلیم حاصل کی اور بعد میں اس کی شادی لاہور کے ایک معروف کارڈیالوجسٹ سے ہو گئی۔ کچھ عرصے بعد وہ یو کے میں سیٹل ہو گئے۔ رباب نے لندن بزنس اسکول سے ایم بی اے کیا اور پھر اپنے کلاس فیلو سے ایک شاندار تقریب میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئی۔

بیٹیوں کی ذمہ داری پوری کرنے کے بعد ابھی عباد نے سکون کا سانس لیا ہی تھا کہ کمپنی، جس میں اس نے سرمایہ کاری کی تھی اور جو اب باقاعدہ ایک کامیاب کمپنی بن چکی تھی، کے مالی حالات خراب ہونا شروع ہو گئے۔ کمپنی کے شیئر ہولڈرز کا اعتماد بھی کمزور ہو رہا تھا، اور کچھ نے اپنی شراکت داری ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

عباد آفندی نے اس مشکل وقت میں کمپنی کو بچانے کے لیے ایک بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اُس نے اپنی جمع پونجی اور سائرہ کا آبائی گھر بیچ کر کمپنی کے تمام شیئرز خریدنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ کمپنی کو مکمل طور پر اپنی نگرانی میں لے کر دوبارہ اسے کامیابی کی راہ پر گامزن کر سکے۔ عباد کی خوش قسمتی تھی کہ صرف دو سالوں میں ہی اس نے کمپنی کو نہ صرف مالی مشکلات سے نکالا بلکہ اسے ایک کامیاب اور ترقی یافتہ کاروبار میں تبدیل کر دیا۔

سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا، زندگی اپنی رفتار سے خوش گوار گزر رہی تھی، جب سائرہ نے محسوس کیا کہ عباد کا رویہ پچھلے چند ماہ سے بدلنے لگا ہے۔ وہ گرم جوشی اور دلچسپی جو کبھی اس کی باتوں کا خاصا ہوا کرتی تھی، اب دھیرے دھیرے معدوم ہو چکی تھی۔ اس کی باتوں میں ایک اجنبیت سی آ گئی تھی۔ جیسے ان کے درمیان کوئی نامعلوم سی دیوار حائل ہو گئی ہو۔ سائرہ کے دل میں روز بہ روز خلش بڑھتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

کیفے ایلانتو کی شام پرسکون تھی۔ ہلکی روشنی نے میزوں کو خوبصورتی سے روشن کر رکھا تھا۔ فرح اور عباد ایک بڑی کھڑکی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے،

جہاں سے باہر کی مصروف سڑک کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ہلکی ہلکی باتیں اور چمچوں کی کھنک اس خوبصورت ماحول کو اور بھی دلکش بنا رہی تھی۔ فرح نے پانی کا گھونٹ لیا، اور دیواروں پر سجے ہوئے خوبصورت آرٹ کے نمونوں پر نظر ڈالی، پھر خاموشی کو توڑتے ہوئے بولی۔

"آپ کو اب تک سائرہ کو ہمارے بارے میں بتا دینا چاہیے تھا۔ آخر ایک نہ ایک دن انہیں ہمارے ریلیشن شپ کا پتا چل ہی جائے گا، تو بہتر ہے کہ انہیں کسی اور سے پتا چلنے کے بجائے آپ خود بتا دیں۔"

عباد نے گلاس میز پر رکھ دیا، اس کی نظریں سنجیدہ تھیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے رکا، پھر دھیرے سے بولا، "میں ابھی اسے ہمارے بارے میں نہیں بتا سکتا، ایٹ لیسٹ جب تک شیئرز میرے نام نہ ہو جائیں۔" اس کے لہجے میں ایک عجیب سا تذبذب چھپا ہوا تھا۔ فرح کی پیشانی پر بل آئے۔

"کون سے شیئرز؟" وہ حیرانی سے بولی۔ عباد نے گہری سانس لی۔

"جب میں نے یہ کمپنی خریدی تھی، تو 30 فیصد شیئرز سائرہ کے نام اور 15 فیصد شیئرز اپنی دونوں بیٹیوں کے نام کر دیے تھے۔ اگر میں سائرہ کو اچانک ہمارے تعلق کے بارے میں بتاؤں گا تو وہ یہ بات برداشت نہیں کر پائے گی۔ اگلے ہفتے ہماری شادی کو اٹھائیس سال ہو جائیں گے۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ غصے میں یہ شیئرز کوڑیوں کے دام بیچ دے یا پھر وہ کمپنی کو ٹیک اوور بھی کر سکتی ہے۔" اس نے وضاحت کی۔

"آپ نے یہ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں نے ضرورت محسوس نہیں کی" اس نے ٹھہرا کہا۔ فرح نے لاپرواہی سے کندھے اچکا دیے۔

"اگلے مہینے ہم شادی کر رہے ہیں، تو کیا آپ سائرہ کو ہماری شادی کے بارے میں کبھی نہیں بتائیں گے؟ دیکھیں، عباد، میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں لیکن چھپ کر نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ مجھے وہی عزت ملے جو سائرہ کو آپ کی پہلی بیوی ہونے کی حیثیت سے ملی ہوئی ہے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جب سائرہ کو ہماری شادی کا پتا ہوگا۔" فرح نے کچھ دیر خاموشی کے بعد کہا۔

"اسی لیے میں کل لندن جا رہا ہوں تاکہ علینہ اور رباب سے کچھ شیئرز ٹرانسفر کے پیپر سائن کرواؤں۔ اس کے بعد میں سائرہ کو بتا دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ اس وقت تک اگر سائرہ کوئی فیصلہ بھی کرتی ہے، تو اس کا اثر میرے کاروبار پر نہیں پڑے گا،" عباد نے فرح کو تسلی دی۔

"اگر سائرہ نے مجھے قبول نہیں کیا تو؟ کیا آپ سائرہ کے کہنے پر مجھے چھوڑ دیں گے؟" فرح نے فکرمندی سے ایک بار پھر پوچھا۔

"میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔" عباد نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ وہ اب کھانے میں مصروف ہو چکے تھے۔

"آپ اماں کی شرط ماننے کے لیے تیار ہیں نا؟ میرا مطلب ہے جو انہوں نے حق مہر طے کیا ہے، وہ آپ کو منظور ہے؟" فرح نے کچھ توقف کے بعد ہچکچاتے ہوئے عباد سے پوچھا جو کہ ہاتھ میں پکڑا کھانے کا چمچہ اس کی بات سن کر رکھ چکا تھا۔

"ہاں، میں نے فلیٹ دیکھ لیا ہے، آج تمہیں وہاں لے چلتا ہوں۔ اگر تمہیں پسند آیا تو تمہارے نام کروا دوں گا۔" اس نے چمچہ اٹھایا۔

"اور آپ کا گھر؟" فرح نے دوبارہ احتیاط سے پوچھا۔

"دیکھو فرح، وہ گھر میں نے سائرہ کو گفٹ کیا تھا، وہ اس کی قانونی مالک ہے۔ اب اچانک اسے تمہارے نام کر دینا مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔" عباد نے کچھ غصے سے کہا۔ فرح کے چہرے کے تاثرات

بدلے۔ بھلا عباد کب اس سے ایسے بات کرتا تھا۔

"میں تو آپ سے کچھ نہیں چاہتی، یہ تو بس اماں کی شرط ہے۔ آپ کو پتا ہے، حسن کے مجھے چھوڑ جانے کے بعد وہ میرے معاملے میں کچھ زیادہ ہی حساس ہوگئی ہیں۔ اور ویسے بھی آپ پہلے سے شادی شدہ ہیں، اوپر سے بیٹیاں بھی ہیں، اس لیے اماں میرا مستقبل محفوظ کرنا چاہتی ہیں۔ تو میں لالچی نہیں ہوں۔" چہرے کے تاثرات کے مقابلے میں اس کا لہجہ نرم تھا۔ اور شاید عباد اسی لہجے کا دیوانہ تھا۔ عباد نے فرح کی طرف نرم نگاہوں سے دیکھا۔

"دیکھو فرح، اگر میں تم میں دلچسپی نہیں رکھتا تو میں اپنی اٹھائیس سالہ شادی کو یوں داؤ پر نہ لگا رہا ہوتا۔ تمہاری ماں کو یہ بات سمجھنی چاہیے۔ سائرہ کے علاوہ اگر کوئی عورت میری زندگی میں آئی ہے، تو وہ تم ہو۔ اور میں تمہارے ساتھ کوئی افیئر نہیں چلا رہا، میں تم سے شادی کرنے والا ہوں،" عباد نے چمچہ پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ اب فرح کے تاثرات دیکھ کر نرم پڑ چکا تھا۔

"ایکچوئلی اماں کو لگتا ہے کہ مرد شادی کے بعد بدل جاتے ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ آپ بھی اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد مجھے چھوڑ دیں گے۔ اس لیے وہ چاہتی ہیں کہ کچھ جائیداد میرے نام ہو تاکہ آپ کل کو مجھے چھوڑتے وقت ہچکچائیں، جیسے کہ ابھی آپ سائرہ کو چھوڑتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں،" لیکن اب اس کے لہجے میں عباد کو تھوڑی کاٹ محسوس ہوئی۔ اس کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں سائرہ کو اس وجہ سے نہیں چھوڑ رہا؟" عباد نے سوالیہ نظروں سے پوچھا۔

"مجھے تو کچھ ایسا ہی لگتا ہے،" فرح نے تھوڑا توقف کیا اور پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پانی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ سائرہ کے والدین کی تو بہت پہلے وفات ہو چکی ہے۔ اب ہماری بیٹیوں کی بھی شادی ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی اور نہیں ہے سوائے میرے۔ اب اس کو چھوڑنا میرے لیے بہت مشکل ہے۔ ہم نے زندگی کے اٹھائیس سال ایک ساتھ گزارے ہیں، پھر وہ میری کزن بھی ہے۔ اس کے والدین نے مجھ پر بہت احسانات کیے ہیں،" عباد نے جذباتی انداز میں کہا۔ فرح نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ سے ایک آخری سوال پوچھوں؟" اس نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کہا۔

"ہمم!" عباد نے ہلکے سے سر ہلایا۔

"اگر آپ کو ہم میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو آپ کس کا انتخاب کریں گے؟" فرح نے عباد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ عباد ہنس پڑا۔

"میرے دل میں تمہارے لیے جو جذبات ہیں، شاید میں نے سائرہ کے لیے کبھی بھی ویسے جذبات محسوس نہیں کیے،" عباد نے فرح کی طرف گہری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ باتوں باتوں میں کھانا ختم ہو چکا تھا۔ فرح اس کا مبہم جواب سن کر مسکرا دی۔

"کیسا رہے گا اگر ہم آئس کریم منگوالیں۔" فرح نے پوچھا۔

"اچھی تجویز ہے،" عباد نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور ویٹر کو آواز دے کر آئس کریم کا آرڈر کر دیا۔

☆☆☆

شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے اور آہستہ آہستہ رات اپنی پوری شدت کے ساتھ ہر چیز پر چھا گئی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل پر سائرہ کب سے عباد کا انتظار کر رہی تھی۔ بالآخر ڈائننگ روم کا دروازہ کھلا اور عباد اندر آ گیا۔

"تم نے ابھی تک ڈنر نہیں کیا؟" عباد نے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا انتظار کر رہی تھی،" سائرہ نے دھیمے اور نرم لہجے میں جواب دیا۔ "کتنے دن ہو گئے ہیں،

ہم نے ایک ساتھ ڈنر ہی نہیں کیا۔" عباد نے ایک ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کندھے اچکا دیے۔ "ہاں، کچھ مصروفیات بڑھ گئی ہیں۔" پلیٹ میں چاول نکالنے لگا۔

"تمہارا فیورٹ پلاؤ بنایا ہے، ٹیسٹ کر کے دیکھو، کیسا بنا ہے؟" سائرہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اچھا ہے،" عباد نے ایک چمچہ منہ میں ڈالتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔

"صرف اچھا؟ مجھے تو لگا تھا کہ تم پہلے کی طرح میری بہت زیادہ تعریف کرو گے،" سائرہ نے تھوڑا اداس ہو کر کہا۔

"میں کل لندن جا رہا ہوں،" عباد نے اچانک بات بدلتے ہوئے کہا اور پلیٹ پیچھے کر کے نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے لگا۔

"کیوں؟ کوئی خاص وجہ؟" سائرہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے، بس تھوڑا سا کام آن پڑا ہے۔" عباد نے بات ٹال دی۔

"عباد، تم کچھ مہینوں سے مجھے بہت پریشان لگ رہے ہو۔ اور میں نوٹ کر رہی ہوں کہ تم آج کل کھانا بھی برائے نام کھا رہے ہو۔ بریک فاسٹ بھی نہیں کرتے۔ سب ٹھیک ہے ناں؟" اس نے پریشانی اور فکر مندی کے ملے جلے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، بس کام کی وجہ سے شاید تمہیں وقت نہیں دے پا رہا ہوں۔" عباد نے سرسری انداز میں جواب دیا۔ سائرہ نے ہنکارا بھرا۔ اس کے چہرے پر مایوسی کی جھلک تھی۔

"چلو، کم از کم تمہیں خود تو احساس ہے کہ تم مجھے وقت نہیں دے رہے ہو، ورنہ مجھے تو لگنے لگا تھا کہ تمہیں اس بات سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔" سائرہ نے تھوڑی مایوسی سے کہا۔ "ویسے اگلے ہفتے ہماری ویڈنگ اینی ورسری ہے، پچھلی بار کی طرح بھولنا مت اور لندن سے جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا۔"

"ہاں، ان شاء اللہ، کام ختم ہوتے ہی واپس آ جاؤں گا،" عباد نے مختصر اور بے دلی سے جواب دیا۔

"اچھا، اب میں اسٹڈی روم میں کام کرنے جا رہا ہوں،" عباد نے کہا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سائرہ کی طرف ایک نظر بھی نہ ڈالی۔ سائرہ نے گہری سانس لی۔ عباد کا رویہ دل شکن تھا۔

"مجھے لگا کہ اتنے دنوں بعد ہم نے اکٹھے ڈنر کیا ہے، تو کچھ دیر باتیں کریں گے، لیکن خیر، جلدی کام نمٹا کر آ جانا۔" سائرہ نے اپنے دل کی بات کہی۔ اس کی آواز میں امید کی ایک ہلکی سی لہر تھی۔

عباد نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنے قدم اسٹڈی روم کی طرف بڑھا دیے۔ اندر پہنچتے ہی اس نے فوراً فرح کو فون ملایا، اس کے چہرے پر ایک چمک نمودار ہو گئی۔ جبکہ دوسری طرف سائرہ خاموشی سے برتن سمیٹنے میں لگ گئی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی اور چہرے پر خاموشی کی گہری پرچھائیں تھی۔

☆☆☆

صبح کا وقت تھا۔ کمرے میں سنہری روشنی کھڑکی سے چھن کر اندر آ رہی تھی۔ سفید پردے ہلکی ہوا میں آہستہ آہستہ لہرا رہے تھے، اور باہر پرندوں کی چہچہاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ فرح آئینے کے سامنے کھڑی میک اپ کر رہی تھی۔ جبکہ اس کی ماں بستر پر بیٹھی کرنا شیتہ کر رہی تھی۔ بیڈ پر ہلکے رنگ کی چادر بچھی ہوئی تھی، اور ایک طرف الماری کے دروازے کھلے تھے جہاں سے کچھ کپڑے بے ترتیب حالت میں جھانک رہے تھے۔

"اس نے اپنی پہلی بیوی کو تمہارے بارے میں بتایا یا نہیں؟" فرحت بیگم نے فرح سے پوچھا، جو دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

"نہیں، ابھی تک تو نہیں بتایا۔" فرح نے کہتے ہوئے اپنی بھنویں درست کی۔

"اگر یہی حالات رہے تو میں تمہاری شادی اس سے نہیں ہونے دوں گی۔ اور ویسے بھی، دوسری

شادی ہمیشہ لڑکی کی شرطوں پر ہوتی ہے۔ اور جو اس سے گھر کا میں نے کہا تھا اور حق مہر کے لیے تیار ہے یا نہیں؟'' فرحت بیگم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کل بات تو کی تھی، مگر اگر ہر وقت اسی بارے میں بات کرتی رہی تو کہیں وہ مجھے لالچی نہ سمجھنے لگے۔ ایک فلیٹ تو نام کروالیا ہے، اب آہستہ آہستہ دیکھتے ہیں اور کیا کیا ہوتا ہے،'' فرح نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اپنی لپ اسٹک ٹھیک کرنے لگی۔

''دیکھ، فرح، اب تجھے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ بہتر یہ ہوگا کہ تُو خود ہی اس کی بیوی کو سب کچھ بتا دے۔ ہوسکتا ہے، وہ خود ہی اسے چھوڑ دے، اور اس کے بعد ساری جائیداد ہماری ہوجائے گی۔'' فرحت بیگم نے پاس پڑے کپڑے سے ہاتھ صاف کرتے اس کو مشورے سے نوازا۔

''ایک بار شادی ہوگئی، تو وہ تجھے بھی چھوڑ سکتا ہے۔ مرد جب ایک چیز حاصل کرلیتا ہے، تو بعد میں اس کی قدر نہیں کرتا۔'' انہوں نے تنبیہ کی۔

''اماں، تُو بھی خواہ مخواہ فکر کرتی ہے۔ اتنا تو مجھے اندازہ ہے کہ اس کی پہلی بیوی مجھے کبھی قبول نہیں کرے گی، اور یہی ہمارا پلس پوائنٹ ہے۔ وہ میرے لیے اسے بھی چھوڑ سکتا ہے۔ آخر کار، بائیس سال کی ایک نوجوان لڑکی کے مقابلے میں کون سا مرد سینتالیس۔ اڑتالیس سال کی بیوی کو چنے گا؟'' فرح نے خود کو شیشے میں دیکھتے ہوئے پراعتماد لہجے میں کہا۔

''اور ویسے بھی، میرے پاس ایک آئیڈیا ہے،'' فرح نے مسکراتے ہوئے کہا اور بیگ میں اپنی چیزیں ڈال لیں۔

''تجھے جو بھی کرنا ہے، کر، لیکن یہ شادی چھپ چھپا کے نہیں ہوگی!'' فرحت بیگم نے تنبیہی انداز میں کہا اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔

☆☆☆

آج ان کی شادی کی اٹھائیس ویں سالگرہ تھی۔ عباد کو لندن سے آئے دو دن ہوچکے تھے۔ وہ وہاں رباب اور علینہ سے مل چکا تھا اور کچھ پیپرز سائن کروائے تھے، مگر اس نے سائرہ کو نہیں بتایا تھا۔ پرسوں رباب نے کال کر کے سائرہ کو مطلع کیا تھا، لیکن سائرہ آج ان تمام باتوں کو سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کچھ غلط ہے اور کچھ مسنگ ہے، مگر اُسے امید تھی کہ آج سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔

سائرہ نے سوچا تھا کہ شاید عباد آج بھی اپنی مصروفیات کی وجہ سے اس دن کو بھول جائے، اسی لیے اُس نے عباد کو سرپرائز دینے کا ارادہ کیا۔

رات کے تقریباً بارہ بج رہے تھے۔ عباد نے گاڑی کا دروازہ بند کر کے کوٹ ہاتھ میں لیا اور گھر میں داخل ہوگیا۔ آج کا دن بہت مصروف تھا۔ جیسے ہی عباد نے اپنے بیڈروم میں قدم رکھا، سائرہ کی مسکراتی آواز نے اُس کا استقبال کیا۔

''ہیپی میرج اینی ورسری!'' سائرہ نے پھولوں کا ایک گلدستہ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا، ''دیکھو، پچھلی بار کی طرح اس بار بھی میں نے تمہیں پہلے وش کیا ہے۔''

کمرا دلکش سجاوٹ سے جگمگا رہا تھا، ہر طرف موم بتیاں جل رہی تھیں اور پھولوں کی خوشبو نے فضا کو معطر کردیا تھا۔ کمرے کے درمیان میں ایک میز رکھی ہوئی تھی جس پر خوبصورت ہارٹ شیپ ریڈ ویلوٹ کیک رکھا ہوا تھا، اور کیک پر ''28'' لکھا ہوا تھا۔

''اچھا ڈیکوریٹ کیا ہے نا؟'' سائرہ نے عباد سے کہا جو کہ چاروں طرف نظریں گھما کر کمرے کو دیکھ رہا تھا۔

ہمم! عباد نے سر ہلایا۔

''تم نے مجھے وش ہی نہیں کیا!'' سائرہ نے عباد کے ہاتھ سے کوٹ لیتے ہوئے کہا۔

''ہیپی 28 میرج اینی ورسری۔'' عباد نے کہا اور سائرہ کا ہاتھ پکڑ کر میز پر رکھے کیک کے پاس لے گیا۔ عباد نے سائرہ کا ہاتھ پکڑ کر کیک کاٹا اور اسے

کھلانے لگا۔ سائرہ نے بھی کیک کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ کر اسے کھلایا اور ہنستے ہوئے تھوڑا سا کیک اس کے ناک پر لگا دیا۔ اس نے کوئی خاص ردعمل ایکشن نہ دیا۔ اور اپنے ہاتھ سے کریم صاف کرنے لگا۔

"میں اسٹڈی روم میں جا رہا ہوں، مجھے آفس کا کچھ ضروری کام کرنا ہے۔" عباد کہتے ہوئے اسٹڈی روم میں چلا گیا۔ سائرہ نے حیرت سے عباد کی پشت کو دیکھا جو بغیر کوئی بات کیے کمرے سے نکل گیا تھا۔ آج بھلا اس سے بھی زیادہ کوئی ضروری چیز تھی۔ وہ اس کے پیچھے جانے ہی لگی تھی کہ کچھ سوچ کر رک گئی شاید اس کو کوئی ارجنٹ کام ہو اور بدمزہ ہو کر موبائل پر کچھ ٹائپ کرنے لگی، پھر بیڈ پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

صبح سائرہ کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ میز پر کیک ویسے ہی پڑا ہوا تھا اور سجاوٹ بھی ویسی کی ویسی تھی۔ اس نے بیڈ کی دوسری سائیڈ پر نظر ڈالی، جو بغیر کسی شکن کے تھا، یعنی عباد ساری رات اسٹڈی روم میں ہی رہا تھا۔

سائرہ بے اختیار ماضی کی یادوں میں کھو گئی۔ پچھلے سال کی انمول یادیں تازہ ہو گئیں، جب ان کی شادی کی 27 ویں سالگرہ تھی۔ عباد اپنے مصروفیات کی وجہ سے رات کو وش کرنا بھول گیا تھا۔۔ لیکن پھر اگلے دن، جیسے ہی صبح ہوئی، عباد نے اپنی کوتاہی کا ازالہ کرنے کے لیے سائرہ کو حیران کر دیا تھا۔ اس کے لیے خود ناشتہ بنایا۔ وہ سارا دن انہوں نے ساتھ گزارا تھا۔ رات کو سائرہ کی پسندیدہ فلم دیکھی، اور رات دیر تک وہ باتیں کرتے رہے تھے۔

وہ لمحے، جب دونوں ہنس رہے تھے، پسندیدہ فلم دیکھ رہے تھے، اور قریب بیٹھے اپنے لمحات کو انجوائے کر رہے تھے، سائرہ کے دل میں گہرائی سے بسے ہوئے تھے۔ ان یادوں کو یاد کر کے، اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جیسے ہی اس نے ان یادوں کی روشنی میں خود کو دیکھا، اسے لگا کہ وہی محبت آج بھی کہیں نہ کہیں ہے، لیکن پھر کل رات کا منظر یاد آیا— عباد کا سرد رویہ، اس کا اجنبی پن، اس کی خاموشی اس کے دل میں کہیں کسی نہ ٹوٹنے والے خلا کی مانند بھر گیا۔ اس کے دل میں ایک اداسی کی لہر دوڑ گئی۔

اپنے دل کو سنبھالتے ہوئے وہ جلدی سے فریش ہونے کے لیے واش روم میں چلی گئی۔ وضو کر کے واپس آئی اور نماز پڑھی، دعاؤں میں بے اختیار اپنے اور عباد کے رشتے کی بہتری کے لیے دعا کرنے لگی۔

نماز کے بعد، سائرہ اسٹڈی روم میں آئی، جہاں عباد کرسی پر سر جھکائے سویا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں موبائل تھا، جس پر ایک کال چل رہی تھی۔

سائرہ نے موبائل اٹھا کر دیکھا، اسکرین پر فرح کا نام نظر آ رہا تھا اور کال کا دورانیہ تقریباً سات گھنٹے کا تھا۔ سائرہ کا دل ایک لمحے کے لیے رک سا گیا۔ اس نے بے اختیار موبائل کان پر لگایا، اور دوسری طرف کسی کی سانسوں کی آواز سنائی دی۔ سائرہ نے کال بند کی اور اسٹڈی روم سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

اسٹڈی روم سے آنے کے بعد، سائرہ نے کچن کا رخ کیا اور اپنے لیے سمودی بنائی، پھر ڈائننگ ٹیبل پر آ کر پینے لگی۔ کچھ تو غلط تھا، شاید عباد کسی کے ساتھ ۔۔۔۔ نہیں، سائرہ نے سوچا، عباد ایسا نہیں کر سکتا۔ ہماری شادی کو اٹھائیس سال ہو چکے ہیں، اور ان سالوں میں وہ ہمیشہ میرے ساتھ وفادار رہا ہے۔ لیکن پھر یہ فرح۔۔۔۔ سائرہ نے خود کلامی کی، ہو سکتا ہے کہ کسی ضروری کام کی وجہ سے ایسا ہو، لیکن پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔

وہ اپنے اندر بڑھتی ہوئی بے چینی کو نظر انداز نہیں کر سکی۔

اس کو بیٹھے کافی وقت گزر گیا جب عباد ڈائننگ ہال میں داخل ہوا، اس نے کالے رنگ کا تھری پیس

سوٹ پہنا ہوا تھا، بال سلیقے سے کنگھی کیے ہوئے تھے، اور ہاتھ میں بریف کیس تھا۔

"تم نے پرفیوم کب چینج کیا؟" سائرہ نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا اور اس کی ٹائی کو دوبارہ گرہ لگانے لگی۔

"میرے والا پرفیوم مل نہیں رہا تھا، اس لیے جو ملا، وہی لگالیا۔" اس کا لہجہ کوفت بھرا تھا۔

"آج بھی ناشتہ نہیں کرو گے؟" سائرہ نے پوچھا۔

"نہیں، آج مجھے آفس میں بہت زیادہ کام ہے، اس لیے میں وہاں ہی کرلوں گا۔" عباد نے جواب دیا۔ وہ سائرہ سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ آفس چلوں۔" اس نے پوچھا۔ "آفس کا ورک لوڈ بہت بڑھ گیا ہے، گھر میں بھی تمہیں کام کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔" عباد کے چہرے پر ایک پل کے لیے جھنجھلاہٹ سی نظر آئی۔

"نہیں، تمہاری ضرورت نہیں ہے، میں خود ہی ہینڈل کرلوں گا۔" عباد نے گویا جان چھڑانے کی کوشش کی۔

"پہلے بھی تو میں تمہارے ساتھ آفس جاتی رہی ہوں اور تمہارے کتنے ہی پروجیکٹس بھی ہینڈل کیے ہیں۔ اب میں کیوں نہیں جاسکتی؟" سائرہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اتنا کوئی بڑا ایشو نہیں ہے، میں خود ہینڈل کر سکتا ہوں۔" عباد نے جواب دیا، اور باہر جانے لگا۔ سائرہ کے دل میں کچھ کھٹکا۔ اگر ورک لوڈ اتنا نہیں تھا تو پھر وہ ایسے۔ اس نے خود کو مزید سوچنے سے روکا اور کہنے لگی۔

"تم شاید ایک چیز بھول رہے ہو۔ بلکہ اب تو کتنی دفعہ بھول جاتے ہو۔"

"کیا؟" عباد پلٹ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے حیرانی سے بولا۔

سائرہ کے دل میں اداسی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"کچھ نہیں۔" وہ کہہ نہیں سکی عباد جاتے ہوئے اس کی پیشانی پہ بوسہ دیتا تھا۔

"آج تم جلدی گھر آجانا۔ میں نے ہمارے فیورٹ ریسٹورنٹ میں اپنے لیے ڈنر ٹیبل بک کروائی ہے۔ اکٹھے ڈنر کریں گے اور کوئی اچھی سی مووی دیکھیں گے۔"

"ٹھیک ہے، اگر کام نہ ہوا تو کوشش کروں گا کہ جلدی آجاؤں۔" عباد اسے خدا حافظ کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔ ڈائننگ ہال میں سناٹا چھا گیا۔ اس کے دل میں ایک گہری چبھن اترتی جارہی تھی، جو کئی دنوں سے وہ محسوس کررہی تھی، مگر نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ عباد واقعی بدل چکا تھا، سائرہ نے آج یہ شدت سے محسوس کیا۔

☆☆☆

شام ڈھلتی جارہی تھی۔ سائرہ اپنے اور عباد کے فیورٹ ریسٹورنٹ میں بیٹھی کب سے اس کا انتظار کررہی تھی۔ اب تو تقریباً دو گھنٹے ہو چکے تھے لیکن عباد کا کوئی پتا نہ تھا۔ ریستوران کی روشنی ہلکی اور مدھم تھی، جو ماحول کو مزید رومانی بنارہی تھی۔ ہر میز پر موم بتیاں جل رہی تھیں، اور ارد گرد پھولوں کی خوشبو فضا کو معطر کررہی تھی۔

وہ بار بار گھڑی کی طرف دیکھتی اور اپنے موبائل پر پیغامات چیک کرتی، لیکن عباد کی طرف سے کوئی پیغام بھی نہیں آیا تھا۔ ریستوران کا ماحول جتنا خوبصورت تھا، سائرہ کا دل اتنا ہی بے چین ہورہا تھا۔

"میڈم، کیا کھانا آرڈر کریں گی؟" ویٹر نے آکر ایک مرتبہ پھر اس سے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔۔۔ عباد کو آلینے دیں پھر کرتے ہیں۔" سائرہ نے تھوڑا سا ہچکچاتے ہوئے کہا۔ وہ لوگ اکثر اس ریسٹورنٹ میں آتے رہتے تھے، اس لیے یہاں کا اسٹاف انہیں جانتا تھا۔

☆☆☆

"بس کر دو، بہت ہو گئی شاپنگ، فرح، مجھے اب جانا ہے،" عباد نے فرح کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو لگا، ہم ڈنر بھی ساتھ کریں گے،" فرح نے تھوڑا سا ناراضی سے کہا۔

"آج سائرہ کے ساتھ میرا ڈنر ہے،" عباد نے ایک دفعہ پھر گھڑی کو دیکھا جہاں اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔

"آپ سائرہ کو ہمارے بارے میں بتا کیوں نہیں دیتے تاکہ ہم بھی آزادی سے مل سکیں؟ ہر وقت وہ دیکھ لے گا، کوئی دیکھ لے گا۔ ہم اتنا وقت نہیں اسپینڈ کر پاتے،" فرح نے نرمی سے کہا۔

"خدا کا خوف کرو، لڑکی! صبح سے تمہارے ساتھ ہوں،" عباد نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ دونوں اس وقت مال میں موجود تھے، کافی وقت گزر چکا تھا اور تھکاوٹ عباد کے چہرے پر نمایاں تھی۔

"میں سچ میں تھک چکا ہوں، فرح۔ اب مجھے سائرہ سے ملنے جانا ہے، میں تمہیں اپنے ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیتا ہوں، اور میرا سیل فون بھی پکڑا دو۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے، میں خود ہی ٹیکسی کروا کے چلی جاؤں گی،" فرح نے کہا اور موبائل اس کو پکڑایا جو کہ فی الحال بند تھا۔ عباد نے ایک لمحے کے لیے فرح کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر محبت اور ہلکی تھکن کی آمیزش تھی۔ پھر اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور نرمی سے کہا، "اگلے ماہ ہم شادی کر رہے ہیں، اور پھر ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے، ان شاء اللہ۔" عباد نے اپنے ڈرائیور کو کال کر کے مال کے باہر آنے کا کہا۔

"آپ چلے جائیں، میں خود انتظار کر لوں گی،" فرح نے ناراضی سے کہا۔

"نہیں، اب ایسی بات بھی نہیں ہے، میں دوسری گاڑی آنے تک تمہارے ساتھ ہی ہوں،" عباد نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

اور دونوں ایک طرف کھڑے ہو کر باتوں میں مصروف ہو گئے۔ ڈرائیور کے آنے پر، عباد نے فرح کو گاڑی میں بٹھایا پھر اپنا موبائل کھولا، سائرہ کی بے شمار کالز آئی ہوئی تھیں۔ اس نے جلدی سے سائرہ کو اپنے آنے کا بتایا اور گاڑی چلانا شروع کر دی۔

☆☆☆

سائرہ اب ریسٹورنٹ سے جانے ہی والی تھی جب اس کو عباد کا میسج ملا۔ وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی اور ویٹر کو بلا کر اپنے اور عباد کے لیے کھانا آرڈر کرنے لگی۔ وہ کھانا کھا رہی تھی جب عباد بھی آ گیا اور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ایم سوری! مجھے بہت ضروری کام تھا، اس وجہ سے لیٹ ہو گیا،" عباد نے کہا اور اپنی پلیٹ میں سلاد رکھنا شروع کر دیا۔

"تم اپنے آفس میں نہیں تھے۔" سائرہ نے کہتے ہوئے چاول کا ایک چمچہ اپنے منہ میں ڈالا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟" اس نے تیکھی نظروں سے پوچھا۔

"تمہارے سیکرٹری کو فون کیا تھا، میں نے۔ اس نے بتایا کہ تم ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنے گئے ہو،" سائرہ نے جواب دیا۔

"ہاں، ایک ضروری میٹنگ تھی۔" عباد نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اس کے خود کی کیفیت بے یقینی کی تھی۔

"اچھا، ایسی کون سی میٹنگ ہوتی ہے جو سیکرٹری کے بغیر بھی ہو جاتی ہے؟" سائرہ نے سوال کیا۔ اس کے چہرے پر ایک کڑواہٹ سی تھی۔ وہ اس کے چہرے کی بوکھلاہٹ دیکھ چکی تھی۔

"میرا خیال ہے ہمیں ان باتوں کو چھوڑ کر یہ وقت اچھے طریقے سے اسپینڈ کرنا چاہیے،" عباد نے کہتے ہوئے دوبارہ کھانا شروع کیا۔ اس کے لہجے کی سنجیدگی سے محسوس ہوا کہ وہ بات کو ٹالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"تمہیں نہیں لگتا، تم بہت زیادہ بدل گئے ہو، عباد؟" سائرہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے

ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" اس نے سوالیہ نظروں سے پوچھا، جیسے اسے اپنی تبدیلی کا احساس نہ ہو۔

"تمہارا رویہ بہت بدل گیا ہے۔ میں چند ماہ سے دیکھ رہی ہوں، تم مجھے اوائڈ کر رہے ہو۔ مجھے لگا شاید کام کا بہت زیادہ پریشر ہے۔ لیکن تمہارا رویہ تب بھی ایسا نہیں تھا جب یہ کمپنی ہم نے خریدی تھی اور اس کا ڈاؤن فال چل رہا تھا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، تم اوور ری ایکٹ کر رہی ہو۔ ہم کوئی نیو لی میرڈ کپل نہیں ہیں جو ہر وقت ایک دوسرے کے ساتھ باتوں میں لگے رہیں۔ 28 سال ہو چکے ہیں ہماری شادی کو۔ مجھے آفس میں کام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میری اپنی ایک پرائیویٹ لائف ہے۔ مجھے اپنے دوستوں سے ملنا ہوتا ہے۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی "تمہیں ان سب باتوں کو سمجھنا چاہیے۔" اس کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

سائرہ کے پاس کہنے کو تو بہت کچھ تھا، لیکن جب سننے والا آپ کی بات سننا اور سمجھنا ہی نہ چاہے، تب کہنے کے لیے شاید کچھ نہیں بچتا۔

وہ چپ چاپ کھانا کھانے لگی۔ اسی لمحے عباد کا فون بج اٹھا۔ سائرہ کی نظر اسکرین پر پڑی، جس پر فرح کا نام لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ عباد نے فون کو دیکھا اور لیس کر کے باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد عباد واپس آیا اور کہا، "مجھے ایک ارجنٹ کام آ گیا ہے، اسی لیے مجھے ابھی جانا ہوگا۔" عباد نے سائرہ کے تاثرات دیکھے بنا باہر نکل گیا۔

وہ دکھ اور غصہ کی ملی جلی کیفیت میں اسے جاتے دیکھتی رہی۔

☆☆☆

"اماں، جلدی سے آ کے لیٹ جائیں!" فرح نے کہا اور فوراً فرحت بیگم کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تیزی سے کمرے میں لے گئی۔

"کیا ہو گیا ہے، لڑکی؟" فرحت بیگم نے پریشانی سے پوچھا۔

"میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ میرے پاس ایک آئیڈیا ہے، بس اب اس پر عمل درآمد کا وقت آ گیا ہے۔" فرح کے چہرے پر ایک عیارانہ مسکراہٹ تھی۔

کیا مطلب؟ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ مجھے تمہاری بات بالکل سمجھ میں نہیں آ رہی!" فرحت بیگم نے حیرانی سے پوچھا۔

"افو !!!!اماں، بس آپ لیٹ جائیں اور طبیعت خراب ہونے کی اچھی سی ایکٹنگ کریں۔" وہ اُن کو بیڈ پر بٹھا کر ان پر چادر ڈالنے لگی اور پھر کمرے کی روشنی مدھم کر دی۔

"پہلے مجھے بتاؤ، یہ سب ڈرامہ کس کے لیے کر رہی ہو؟" فرحت بیگم بستر سے اٹھتے ہوئے بولیں۔ ان کی فکر مندی کا اظہار ان کی آواز میں نمایاں تھا۔

"آج عباد اور اس کی پہلی بیوی کی شادی کی سالگرہ ہے۔ وہ دونوں اکٹھے ڈنر کرنے والے تھے، اس لیے میں نے آپ کی بیماری کا بہانا بنا کر اسے گھر بلا لیا ہے۔" فرح نے ایک چالاک مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"شادی کے اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی سالگرہ مناتے ہیں؟" فرحت بیگم نے ناگواری سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"ان دونوں نے بڑی خوش گوار زندگی گزاری ہے۔ ان دونوں کے درمیان بڑی محبت تھی۔ عباد اس کے ساتھ بڑا وفادار رہا ہے۔ اتنی مشکل سے میں نے اسے اپنی طرف راغب کیا ہے۔" فرح نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"اگر اتنی ہی محبت تھی، تو پھر تمہاری طرف کیوں مائل ہوا؟" فرحت بیگم نے طنز کرتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کو اپنی بیٹی کی صلاحیتوں پر شک ہے؟ بہت ڈرامے کیے ہیں اسے پانے کے لیے۔ ان شاء اللہ، اب بہت جلد ہم اپنی خوابوں کی دنیا میں رہیں

ے۔" فرح نے پرعزم لہجے میں کہا۔
اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ فرح فوراً اٹھی اور جلدی سے دروازہ کھول کر عباد کو اندر لے آئی۔ وہ اندر آتے ہی فرحت بیگم کے بستر کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔
"آنٹی کی طبیعت اب کیسی ہے؟" عباد نے ہمدردی سے اپنے پاس کھڑی فرح سے پوچھا۔ جو کہ خود بھی بڑی پریشان لگ رہی تھی۔ رونکھی شکل بنا رکھی تھی کے اثرات لگ رہے تھے۔
(آنٹی... اللہ معاف کرے، خود بھی میری عمر کا ہو گا اور مجھے آنٹی کہہ رہا ہے!) فرحت بیگم بڑبڑائیں۔
"ابھی ڈاکٹر کو دکھایا ہے، کہہ رہا تھا کہ انہیں ذہنی دباؤ اور پریشانیوں سے دور رکھنا ہے۔" فرح نے فکرمندی سے جواب دیا۔
"پریشانی کس بات کی؟" عباد نے فرحت بیگم کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"جب جوان بیٹی گھر میں ہو تو ماں کے لیے اس سے بڑی پریشانی کیا ہو سکتی ہے؟" فرحت بیگم نے دکھ سے کہا۔
"آپ فرح کی فکر نہ کریں، ہم اگلے ماہ شادی کر رہے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو اسے جلدی بھی کیا جا سکتا ہے۔" عباد نے نرمی سے کہا، جیسے وہ انہیں یقین دلانا چاہتا ہو۔
"یہی تو مسئلہ ہے، تم پہلے سے شادی شدہ ہو اور تمہاری بیٹیاں بھی ہیں۔ اگر کل کو تم نے فرح کو اپنی پہلی بیوی کے کہنے پر چھوڑ دیا تو؟ میری بیٹی تو رل جائے گی۔ اس کا مستقبل پہلے ہی چھوڑ چکا ہے۔۔" فرحت بیگم نے فکرمندی سے کہا۔
"ایسا کچھ نہیں ہو گا، میں فرح کو کسی صورت نہیں چھوڑوں گا۔ آپ بھروسا رکھیں مجھ پر۔" عباد نے نرمی سے کہا، جیسے پھر پورے دل سے یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہو۔
فرح نے مسکراتے ہوئے ماں کو دیکھا اور کہا،
"اماں، بس بھی کریں!" اس کی آنکھوں میں ایک چمک ابھری آئی جو کہ عباد سے چھپی نہ رہی۔
"آپ کا بہت شکریہ کہ آپ آئے۔" فرح نے نرمی سے کہا۔
"شکریہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" عباد نے کہا اور ایک نظر گھڑی کی طرف ڈالتے ہوئے بولا، "رات کافی ہو چکی ہے، مجھے اب چلنا چاہیے۔"
"آپ رک کیوں نہیں جاتے؟ رات کو اماں کی طبیعت پھر خراب ہو گئی تو؟ انہیں ہسپتال لے جانا پڑ سکتا ہے۔" فرح نے مزید اصرار کیا۔ اس کی آنکھوں میں فکرمندی نمایاں تھی۔ عباد تھوڑا جھجک رہا تھا، لیکن پھر بولا،
"چلیں، میں آج یہیں رک جاتا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں ایک تسلی کا احساس تھا۔
فرح، عباد کو دوسرے کمرے میں لے گئی اور کہا، "یہ کمرہ آپ کے شایان شان تو نہیں، لیکن..."
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" عباد نے اس کی بات کاٹ دی اور بستر پر لیٹتے ہوئے کہا، "تم باہر جا سکتی ہو اب، آج میں بہت تھک چکا ہوں، مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس کی آواز میں تھکن کا احساس تھا۔
فرح خاموشی سے کمرے سے نکل گئی، مگر اس کے چہرے پر ایک پرسکون سی مسکراہٹ چھا گئی، وہ اپنے منصوبے کے پہلے مرحلے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح کا سورج شہر میں اپنی سنہری کرنیں بکھیر رہا تھا پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی عباد رات بھر گھر نہیں آیا تھا پھر صبح سے دوپہر اور پھر دوپہر سے شام ہونے کو آئی، لیکن عباد واپس نہ آیا۔ اس کا موبائل فون بھی مسلسل بند جا رہا تھا۔ شام تقریباً سات بجنے کا وقت تھا جب عباد گھر آیا۔ سفید شرٹ کے بازو کہنیوں تک فولڈ کیے، چہرے پر تھکاوٹ کا ہلکا سا اثر، لیکن وہ اپنی معمول کی خوبصورتی میں نظر آ رہا تھا۔ عباد نے ایک نظر سپائرہ کو دیکھا، اس کی

آنکھوں میں سوالات کی ایک لمبی فہرست درج تھی۔

"میں فرح سے ملنے گیا تھا،" عباد نے وضاحت دی، "اس کی ماں کی طبیعت کافی خراب تھی، وہ ابھی تک اسپتال میں داخل ہے۔"

سائرہ نے کچھ لمحوں تک خاموشی سے عباد کو دیکھا "تم مجھے ایسے وضاحتیں دے رہے ہو جیسے مجھے پہلے سے پتا ہو کہ فرح کون ہے۔ ویسے، فرح ہے کون؟" سائرہ کی آواز میں تلخی تھی۔

"وہ میرے آفس میں کام کرتی ہے،" عباد نے سادہ لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا! تمہارے آفس میں، اس تو کئی لڑکیاں کام کرتی ہیں، لیکن تم ان کے والدین کے بیمار ہونے کی وجہ سے کبھی ہماری ڈنر ڈیٹ نہیں چھوڑ کر گئے۔ کافی خاص ہے تمہارے لیے۔" سائرہ نے تلخی سے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا اور عباد کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ "اسی لیے جب ہماری سالگرہ کی رات تمہارے پاس میرے لیے وقت نہیں تھا، تو تم نے اسی رات اس سے سات گھنٹے بات کی تھی۔ مجھے تمہارے منہ سے اب صرف سچ سننا ہے۔ میں کافی مہینوں سے دیکھ رہی ہوں کہ تمہارا رویہ مجھ سے بالکل بدل گیا ہے۔ اب یہ مت کہنا کہ میں نیولی میرڈ کپل کی طرح نبی ہیو کر رہی ہوں۔ مجھے صرف سچ جاننا ہے، عباد!!!"

عباد نے ایک گہری سانس لی۔ وہ سائرہ کو اس تکلیف سے بچانا چاہتا تھا، لیکن کبھی نہ کبھی تو سائرہ کو پتا چلنا ہی تھا۔

"میں فرح سے محبت کرنے لگا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ان فیکٹ، ہم اگلے ماہ شادی کر رہے ہیں۔"

دھماکے کی آواز کیسی ہوتی ہے، آج سائرہ کو اس کا صحیح معنوں میں احساس ہوا۔ وہ شوہر، جس کی وفاداری کے وہ اٹھائیس سال تک گن گاتی رہی، جس نے اپنی جوانی کے دنوں میں کسی بھی قسم کے الٹیمٹر کا سوچا تک نہیں، آج وہی شوہر بڑھاپے میں اسے اپنی دوسری شادی کا بتا رہا تھا۔

سائرہ جیسے ایک دم سن ہو گئی۔ وہ اندر سے کھوکھلا طور پر خالی محسوس کرنے لگی، جیسے سب کچھ اچانک ختم ہو گیا ہو۔ اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب اس کے ہمسفر نے اپنی زندگی کی راہیں بدلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ عباد آگے بھی کچھ کہہ رہا تھا، لیکن سائرہ کا ذہن خالی ہو چکا تھا۔

"آج سے تقریباً آٹھ ماہ پہلے فرح نے ہمارا آفس جوائن کیا تھا۔ اس کی ماں کی حالت کافی خراب تھی، اور اسے علاج کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی..." عباد نے وضاحت دینی شروع کی۔

"تو تم نے سوچا کہ اس کی ضرورت سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا جائے؟" سائرہ نے تلخی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور اپنے آنسو صاف کیے۔ لیکن پھر بھی اس کی آنکھوں سے بھل بھل آنسو بہے جا رہے تھے۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو۔ میں اس قسم کا انسان نہیں ہوں۔ میں نے آج تک تمہارے علاوہ کسی کے بارے میں ایسا نہیں سوچا تھا۔

مجھے خود بھی پتا نہیں چلا کہ کب میں اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔" عباد نے مزید کہا۔

"شٹ اپ مجھے تمہاری لو اسٹوری میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

سائرہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ رندھ چکا تھا۔

"میری نظروں سے دور ہو جاؤ میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔

سائرہ غصے اور تکلیف میں کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ عباد اسے بس جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

دو دن ہو چکے تھے، سائرہ نے اس دن کے بعد عباد سے کوئی بات نہ کی تھی۔ اس نے خود کو کمرے

یک محدود کر رکھا تھا۔ شام کا وقت تھا، سائرہ اپنے گھر کے پورچ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سائرہ کی آنکھوں میں تھکن اور اداسی نمایاں تھی۔ اس کی نظریں سامنے خلا میں گم تھیں۔

"میں تمہیں پورے گھر میں ڈھونڈ رہا ہوں اور تم یہاں بیٹھی ہو؟" عباد نے پیچھے سے آتے ہوئے کہا اور سائرہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ عباد کی موجودگی کے باوجود، وہ اپنے اندر کی خاموشی میں گم تھی۔ پورچ میں پھر خاموشی چھا گئی۔

"رباب اور علینہ کو پتا ہے اس بارے میں؟" سائرہ پوچھا۔

"نہیں میں ابھی انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ فی الحال تو تمہیں منا لوں، شادی کے بعد انہیں بتا دوں گا۔" عباد نے مختصر جواب دیا۔ اس کے بعد دونوں کے درمیان ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

"ویسے، میں یہ سوچ رہی تھی کہ تم اس لڑکی کی طرف متوجہ کیسے ہو گئے؟ ہوتا ہے نا، جب انسان کی زندگی میں کسی چیز کی کمی ہو تو وہ اسے گھر کے باہر ڈھونڈنے لگتا ہے۔ لیکن میں نے تمہیں سب کچھ دیا، اپنی محبت، سکون، یہاں تک کہ اپنی بیٹیوں سے بھی زیادہ محبت دی۔ ہر مشکل وقت میں تمہارا ساتھ دیا۔ ہمیشہ تمہارے ساتھ وفادار رہی۔ پھر تم مجھے چھوڑ کر کیسے کسی اور سے محبت کر سکتے ہو؟" سائرہ کی آواز میں بکھرا ہوا درد عیاں تھا، اور اس کا چہرہ بے بسی کا آئینہ بن گیا تھا۔ "کبھی سوچتی ہوں شاید یہ اس لیے ہے کہ تمہیں اپنے وارث کے طور پر ایک بیٹا چاہیے۔ لیکن پھر سوچتی ہوں کہ اگر واقعی ایسا ہوتا تو تم مجھے علینہ کے بعد دوبارہ ماں بننے سے نہ روکتے۔ لیکن اُس وقت تو یہ جائیداد ہی نہیں تھی..." سائرہ نے کہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے دل کی بات عباد کو کیسے بتائے۔

"تمہیں میں ایسا لگتا ہوں؟ میرے لیے میری بیٹیاں ہی سب کچھ ہیں۔ مجھے کبھی علینہ اور رباب کے ہوتے ہوئے بیٹے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، اور تمہیں تو پتا ہے، میرا کبھی بزنس کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ یہ مجھے اچانک موقع ملا تو میں نے اس کمپنی کو خرید لیا۔"

"تو کیا پتا اب تمہیں ضرورت محسوس ہوئی ہو۔" سائرہ نے، عباد کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے،" سائرہ نے عباد کو کہتے سنا۔

"ویسے، عمر کتنی ہے اس کی؟" سائرہ نے دوبارہ خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔ عباد نے حیرانی سے سائرہ کو دیکھا، جواب طنزیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا،" عباد نے "پھر بھی۔ میرا مطلب ہے، جوان ہے یا پھر میری عمر کی ہے؟ او سوری۔۔۔! اگر میری عمر کی ہوتی تو تم مجھے چھوڑ کر اس کی محبت میں کیوں مبتلا ہوتے؟" سائرہ نے پھر طنزیہ انداز میں کیا۔

"عباد نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے گہری سانس لی۔ "تقریباً تئیس۔ چوبیس سال،"

"تو تمہیں اس کی کم عمری سے محبت ہو گئی ہے۔" سائرہ کے الفاظ میں تلخی اور بے بسی تھی۔

"شٹ اپ، سائرہ!" عباد غصے سے بولا۔ اس کا غصہ آخر کار ابل پڑا۔ "اگر میں اتنا کم عمری اور حسن کا شیدائی ہوتا تو اٹھائیس سال تم سے وفادار رہ کر نہ گزارتا۔"

"تو اب تو کر لی بے وفائی۔۔۔" سائرہ کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کوئی ناجائز تعلق نہیں بنا رہا، اس سے شادی کرنے والا ہوں،" عباد نے غصے سے اس کی بات کاٹتے کہا۔

"ہاں، اپنے سے ستائیس سال چھوٹی لڑکی سے۔ سائرہ اس کی بات سن کر استہزائیہ مسکرائی۔

"ویسے کافی اچھا ہے تمہارا!" عباد نے اپنی پہلی بات کا اثر زائل کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں اس کی کم عمری کی وجہ سے اس سے شادی کر رہا ہوں تو ایسا بالکل نہیں ہے، مجھے اس کی معصومیت سے محبت ہے۔ مجھے تم سے اس قسم کے رویے کی امید نہیں تھی۔ مجھے لگا تم مجھے ضرور سمجھو گی، لیکن تم تو۔۔۔ خیر، میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں فرح سے شادی کروں گا۔"

"اگر تم نے اس لڑکی سے شادی کی تو تمہیں مجھے چھوڑنا ہوگا۔ میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی، تمہیں مجھے طلاق دینا ہوگی۔" سائرہ نے بالآخر وہی بات کر دی تھی جس کی عباد کو امید تھی۔ وہ شراکت داری برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ رات کے اندھیرے میں سرسبز درختوں کی سرسراہٹ اور دور کہیں سے آتی ہوا کی ہلکی سی گونج اس خاموشی میں مزید بوجھل پن پیدا کر رہی تھی۔ پورچ کی روشنی عباد کے چہرے پر ہلکی سی چمک دے رہی تھی، لیکن سائرہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک اس روشنی سے کہیں زیادہ نمایاں تھی۔

"یہ امریکہ یا یورپ نہیں ہے، جہاں تمہیں ایلیمنی کے نام پر آدھی پراپرٹی مل جائے گی۔ یہ لائف اسٹائل، یہ سب کچھ تم سے چھن جائے گا، پھر تم کیا کرو گی؟" اس کے الفاظ جتنے تلخ اور کڑوے تھے اس کا لہجہ اس سے کہیں زیادہ سخت تھا۔ وہ چونکی۔ عباد اس کے بارے میں یہ الفاظ کہہ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"افسوس کی بات ہے کہ شادی کے اتنے سال بعد بھی تم مجھے جان نہیں سکے۔ یا شاید یہ میرا عباد نہیں بلکہ کسی دوسری عورت کی محبت میں مبتلا شخص بات کر رہا ہے۔" اس کا لہجہ افسردہ تھا۔ عباد کی آنکھوں میں لمحے بھر کے لیے تپش ابھری۔

"اور جو تم تب سے میرے کردار پر باتیں کیے جا رہی ہو، وہ بھی میری سائرہ نہیں بلکہ دوسری عورت سے حسد میں مبتلا عورت بات کر رہی تھی۔" وہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔ سائرہ کے دل میں دکھ کی ایک لہر اٹھی۔ اس نے عباد کو دکھی نظروں سے دیکھا۔

"ایم سوری، مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔" اس کا لہجہ شکست خوردہ اور بھاری تھا۔

"میں جانتا ہوں، تمہارے لیے یہ سب ایکسپٹ کرنا بہت مشکل ہے۔ بلکہ تمہارے لیے کیا، ہر ایک کے لیے مشکل ہوتا ہے اس لیے میں تمہیں بتا نہیں رہا تھا۔" عباد کی آواز میں نرمی آ گئی تھی۔ "لیکن اگر تمہیں یہ خدشہ ہے کہ فرح کی وجہ سے میں تمہیں چھوڑ دوں گا یا پھر تمہیں نظر انداز کروں گا تو ایسا نہیں ہے، ٹرسٹ می۔ میں تم دونوں کے حقوق پورے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ ویسے بھی یہ مذہبی اور قانونی طور پر جائز ہے۔ میرا قانون اور میرا مذہب مجھے دوسری شادی کی اجازت دیتا ہے۔"

اب عباد نے غصے کے بجائے نرمی کا سہارا لیا۔

"تمہیں دوسری شادی کرنی ہے۔ کر لو!!!! میں تمہیں کون سا دوسری شادی سے منع کر رہی ہوں اگر تمہیں دوسری شادی کرنی ہی ہے تو اپنی کسی ہم عمر خاتون سے کر لو۔ اتنی کم عمر لڑکی سے کیوں؟

"کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اور محبت رنگ، شکل، نسل، خوبصورتی اور عمر کو نہیں دیکھتی۔" عباد نے عاجز ہو گیا تھا۔

"او بلائنڈ لو" سائرہ نے ہنسی "ویسے، یہ بلائنڈ لو، اس کو تمہاری عمر کے کسی غریب مرد سے کیوں نہیں ہوا؟ اور تمہیں یہ بلائنڈ لو، اپنی عمر کی کسی عورت کے ساتھ کیوں نہیں ہوا؟ وہ رک گئی، آنکھوں میں دکھ کے ساتھ طنز بھی تھا" لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسٹر عباد آفندی۔ تمہیں اس کی کم عمری اور خوبصورتی سے محبت ہے۔"

"تم میری کوئی بات سمجھنا ہی نہیں چاہتیں! تمہیں لگتا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اپنے اپنے مفاد کے لیے ہیں، تو ایسا ہی سہی۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں فرح سے اگلے ماہ شادی کر رہا ہوں اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ رہے تمہارے سوال تو ان کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔"

عباد کہتے ہوئے اٹھ کر چلا گیا۔ سائرہ نے خالی نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ پورچ کی خاموشی میں، ان کے بیچ کے فاصلے اور بھی بڑھ گئے تھے۔

☆☆☆

عباد سے بات کرنے کے بعد سائرہ کے دل میں ایک گھٹن سی تھی۔ وہ اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھی اور تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ اندر چلی گئی۔ وہ اپنا دکھ فرحان کے علاوہ کسی سے شیئر نہیں کر سکتی تھی، اس لیے وہ اسے کال کرنے لگی۔ یونیورسٹی کے زمانے میں، فرحان، رودابہ، سائرہ اور عباد بہترین دوست تھے۔ رودابہ اور سائرہ دونوں بچپن سے ہی بہترین دوست تھیں، اس لیے فرحان کی رودابہ سے شادی کے بعد یہ دوستی اور مضبوط ہو گئی۔ رودابہ کی وفات کے بعد سائرہ نے بچوں کی پرورش میں فرحان کا بہت ساتھ دیا، اور اسی لیے ان دونوں کے درمیان بہت گہری انڈرسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔

"تمہیں اس سب کے بارے میں پتا تھا؟" جیسے ہی فرحان نے کال اٹھائی، سائرہ کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ اس نے انتہائی غم اور بے بسی کے ساتھ پوچھا۔

"کس بارے میں؟" فرحان نے حیرت اور فکرمندی سے پوچھا۔

"عباد کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔"

"اوہ اچھا، تو عباد نے تمہیں بتا دیا،" فرحان نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہیں پہلے سے پتا تھا؟" سائرہ کی آواز میں مایوسی اور دکھ صاف جھلک رہا تھا۔

"ہاں،" فرحان نے دھیرے سے کہا۔ جیسے وہ جانتا تھا کہ اس کے الفاظ سائرہ کے دل کو اور چوٹ پہنچائیں گے۔

"پھر تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" سائرہ کی آواز بھر گئی

"مجھے لگا کہ عباد صرف اس لڑکی سے ہمدردی کر رہا ہے،" فرحان نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ اس کے لیے واقعی سنجیدہ ہو جائے گا اور اس سے شادی کا ارادہ کر لے گا۔"

سائرہ نے فرحان کی بات سنی، لیکن اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ "میں اس وقت شہر سے باہر ہوں،" فرحان نے اپنی بات جاری رکھی "مجھے لگتا ہے ہمیں ایک دفعہ مل کر بات کرنی چاہیے۔" یہ کہتے ہوئے فرحان نے کال کاٹ دی اور سائرہ کو ایڈریس بھیج دیا۔

سائرہ نے ایک نظر ایڈریس پر ڈالی، وہ اسی ریسٹورنٹ کا تھا جہاں اکثر وہ اور عباد کھانا کھانے جاتے تھے۔

☆☆☆

"تمہاری وجہ سے مجھے سائرہ سے جھوٹ بولنا پڑا،" فرحان نے عباد سے کہا، وہ اس وقت اپنے دفتر میں بیٹھا کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے لہجے میں افسوس اور غصہ جھلک رہا تھا۔

عباد نے ایک لمبا سانس لیا اور افسردگی سے بولا، "میں ان دونوں کو نہیں چھوڑنا چاہتا، لیکن سائرہ فرح کو کسی بھی طرح قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔" اس کی آواز میں بھی ایک عجیب سی تھکن تھی۔

"اور فرح؟" فرحان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ صرف یہ چاہتی ہے کہ ہمارا نکاح اعلانیہ ہو؟"

"تمہیں ایک مخلص مشورہ دوں؟" فرحان نے عباد کی طرف سنجیدگی سے دیکھا۔ "تم فرح کو چھوڑ دو۔ میرا نہیں خیال کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے، وہ صرف تمہاری دولت کے لیے تمہارے ساتھ ہے۔"

"تم بھی سائرہ کی زبان بول رہے ہو،" عباد نے تلخی سے کہا۔

"جب سے سائرہ کو تمہارے اور فرح کے بارے میں پتا چلا ہے، میں نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ آج بھی اس نے مایوس ہو کر مجھے کال کی

ہے"اس کی آنکھوں میں دکھ صاف جھلک رہا تھا۔
"میں فرح کو نہیں چھوڑ سکتا،" عباد نے سختی سے کہا۔
"تم سائرہ کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو،"
"کیسی زیادتی؟ دوسری شادی کرنا میرا حق ہے،" عباد نے اپنی بات کا دفاع کیا۔
"یہی تو مسئلہ ہے، تم سائرہ کے ساتھ زیادتی کو اپنا حق سمجھ رہے ہو۔ ایک عورت، جو تمہارے مشکل دنوں میں تمہارے ساتھ رہی، اس نے تمہارے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ اپنا گھر اور زیور بیچ دیا۔ شاید تم بھول گئے ہو، تم نے اپنی پہلی انویسٹمنٹ اس کے زیور بیچ کر کی تھی۔ اس وقت اس کے پاس تم سے بہتر آپشنز تھے، لیکن وہ تمہارے ساتھ مخلص رہی۔ اور آج، تم اپنے اچھے دنوں میں اس پر سوتن مسلط کرنے کو اپنا حق سمجھ رہے ہو۔" فرحان کی آواز میں دکھ اور بے بسی واضح تھی۔
"کیا تمہاری اور اس کی اٹھائیس سال کی محبت، تمہاری اور اس لڑکی کی چند ماہ کی محبت کے برابر ہو سکتی ہے؟ اس نے اپنی ساری جوانی تمہیں اور تمہارے بچوں کو پالنے میں لگا دی، اور اب تم اسے یہ صلہ دے رہے ہو۔" اب اس کا لہجہ استہزائیہ ہوا۔
عباد نے فرحان کی بات سنی، مگر اس کے چہرے پر کوئی نرمی نہ آئی۔ وہ اب بھی اپنی بات پر قائم تھا۔
"ہو گیا تمہارا؟" عباد نے اس کی بات کو سنجیدگی سے نہ لیتے ہوئے کہا۔
"مجھے یہ سب معلوم ہے، اور میں اس کا احسان مند بھی ہوں، لیکن تم لوگ بھی تو مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ میں فرح سے محبت کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنے لگا ہوں۔ ویسے بھی میں سائرہ کو نہیں چھوڑ رہا، وہ میرے بچوں کی ماں ہے۔"
فرحان نے یہ سن کر ایک گہری سانس لی، اس کی آنکھوں میں غصہ اور بے بسی تھی۔ وہ اٹھا اور عباد کے آفس سے نکل گیا، جیسے کہ وہ جان چکا ہو کہ عباد کو سمجھانا بے کار ہے۔

☆☆☆

دوپہر کا وقت تھا۔ سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھے عباد نے اپنی اور سائرہ کے درمیان ہونے والی تمام باتیں فرح کو بتا دیں اور پھر تھوڑا وقفہ لیا۔
"وہ مجھ سے علیحدگی چاہتی ہے۔"
فرح، جو اس وقت گلابی رنگ کی شلوار قمیص پہنے ہوئے تھی۔ گلابی لپ اسٹک، ہلکا سا بلش، اور آنکھوں پر سموکی آئی شیڈو۔ کانوں میں سنہری جھمکے چمک رہے تھے۔ اس کو ایک کمینی سی خوشی حاصل ہوئی۔
"اگر وہ آپ کو چھوڑنا چاہتی ہے تو آپ اسے چھوڑ دیں۔ میرا نہیں خیال کہ وہ مجھے قبول کر پائے گی، اور اگر وہ اب آپ کی کمپنی سے اپنے شیئرز بھی نکال لے تو آپ کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"
شیئرز کی بات پر اس کا لہجہ عباد کو طنزیہ محسوس ہوا۔
"بات شیئرز کی نہیں ہے، میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ ستائیس سال، ہم نے بہت اچھے طریقے سے گزارے ہیں۔ وہ ایک بہت اچھی عورت ہے۔ اس نے مشکل حالات میں مجھے مالی اور ذہنی طور پر سپورٹ کیا ہے۔" عباد نے دوٹوک لہجہ میں کہا۔
فرح نے عباد کی طرف دیکھا جو اب اپنی کامیابیوں کے قصے سنا رہا تھا۔ وہ بھی یہ باتیں شوق سے سنتی، اگر ان میں سائرہ کا ذکر نہ ہوتا۔) اگر اتنا ہی خیال ہے اس کا تو میرے پاس کیا لینے آئے ہو؟ ہو؟ فرح نے دل میں سوچا"
"ان فیکٹ، اگر وہ مجھے سپورٹ نہ کرتی تو شاید آج میں یہاں نہ ہوتا۔" عباد نے مزید کہا۔
عباد نے فرح کو دیکھا، جو کہ بے دلی سے گاجر کا حلوہ کھا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات نمایاں تھے۔
"تم اس سے جیلس ہو رہی ہو۔۔۔۔" عباد

نے فرح کے چہرے کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں سائرہ سے جیلس کیوں ہوں گی؟ آخر وہ آپ کی پہلی محبت اور بیوی ہے، اور میں۔" فرح نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ "خیر، مجھے اب چلنا چاہیے۔ اماں کی طبیعت صبح سے خراب تھی، پھر بھی میں آپ سے ملنے آگئی۔"

"تم سچ میں اس سے جیلس ہو رہی ہو۔ مانا کہ وہ میری بیوی ہے، لیکن میں تم سے بھی بہت محبت کرتا ہوں۔ اسی لیے تو تم سے شادی کرنے جا رہا ہوں،" عباد نے کہا۔

"اسی لیے آپ یوں اس کا ذکر کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اپنے اور میرے علاوہ صرف اسی کے بارے میں بات کر رہے ہیں،" فرح نے خفگی سے کہا۔

"تم نے خود ہی تو پوچھا تھا کہ سائرہ کا کیا ری ایکشن تھا،" عباد نے کہا۔

فرح جو عباد سے کچھ اور سننے کی امید کر رہی تھی، یہ سنتے ہی بدمزہ ہو گئی اور جلدی سے اپنا بیگ اٹھانے کے لیے جھکی۔

"اچھا، سوری بابا! اب سائرہ کا ذکر نہیں کروں گا۔ بیٹھو۔" عباد نے فرح کو روکنے کی کوشش کی۔

فرح نے خفگی سے عباد کو دیکھا، پھر بیٹھ کر کھانا شروع کر دیا۔

"اچھا، اب بتاؤ، تمہاری ماں کی طبیعت کیسی ہے؟" اب وہ دونوں اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے۔

سائرہ نے ایک گہری سانس لی اور دل میں سوچا، "واقعی، انسان بہت جلدی بدل جاتا ہے۔ عباد بھی بدل گیا تھا۔ یہ ان کا پسندیدہ ریسٹورنٹ تھا، جہاں اس وقت وہ بیٹھی ہوئی تھی۔

"جس طرح عباد نے تمہارا ذکر کرنا چھوڑ دیا ہے، وہ تمہیں بھی اس لڑکی کے کہنے پر چھوڑ دے گا۔" سائرہ اور فرحان اسی ریسٹورنٹ میں ان کے پیچھے بیٹھے تھے۔ فرحان نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے یہ بات سائرہ سے کہی۔ سائرہ نے اپنا بیگ اٹھایا اور جلدی سے اپنے سن گلاسز نکال کر آنکھوں پر لگائے اور باہر نکل گئی۔ فرحان نے اپنا موبائل اٹھایا اور اس کے پیچھے نکل آیا۔

"تم نے مجھے اس ریسٹورنٹ میں کیوں بلایا تھا؟" سائرہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہی خشک لہجے میں پوچھا۔

"میں بس تمہیں یہ سب دکھانا چاہتا تھا۔" فرحان نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے گھر اتار دو۔" سائرہ نے کہا اپنے آنسو روکتے ہوئے کہا۔

گاڑی اپنے سفر پر روانہ ہو گئی اور سائرہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔

"کل تم مجھ سے ملنے آ سکتی ہو؟ میں ہماری کالونی والے پارک میں تمہارا انتظار کروں گا،" فرحان نے گاڑی کو بریک لگاتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ تمہیں کچھ کہنا ہے؟" اب تو کچھ کہنے کے لیے بچا ہی نہیں ہے،" وہ دھیرے سے بولی۔

"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم میری بات سمجھو گی۔" فرحان نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے سائرہ کے لیے دروازہ کھولا۔

☆☆☆

"عباد تو مجھ سے بہت محبت کرتا تھا وہ اتنا بدل جائے گا۔ میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔" فرحان سائرہ کو اصرار کر کے پارک میں لے کر آیا تھا۔ سائرہ اس دکھ کو سہہ نہیں پا رہی تھی۔ وہ بار بار ایک ہی بات دہرا رہی تھی۔

فرحان نے سائرہ کی بات سن کر کچھ دیر سوچا اور پھر بولا، "سائرہ، تم نے وہ کہاوت تو سنی ہو گی: "اگر مرد کے کردار کا اندازہ لگانا ہو تو اُس وقت لگاؤ جب اُس کے پاس پیسہ آجائے۔ وہ اٹھائیس سال

جو عباد نے تمہارے ساتھ گزارے، وہ اس لیے تھے کہ اُس وقت اُس کی حیثیت بس اتنی تھی کہ وہ تمہاری اور بچوں کی ضروریات پوری کر سکے۔ لیکن اب، وہ کروڑوں میں کھیلتا ہے۔ دولت بڑے سے بڑے انسان کو بدل دیتی ہے، وہ تو پھر ایک عام آدمی ہے۔"

سائرہ نے فرحان کی طرف دیکھا، جو ہمیشہ سے صاف گو تھا۔

"تم تو نہیں بدلے۔" سائرہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے رودابہ کے جانے کے بعد بھی دوسری شادی نہیں کی، اس سے آج تک اتنی ہی محبت کرتے ہو جتنی پہلے کرتے تھے۔"

فرحان نے ایک گہری سانس لی۔ یادوں کی ایک لہر نے اس کی آنکھیں دھندلی کر دیں۔ اُس نے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے کہا۔

"رودابہ ایک اچھی عورت تھی۔ ہم نے دس سال ساتھ گزارے۔ وہ مجھ سے بے انتہا محبت کرتی تھی اور میں بھی۔ شاید دوسری شادی نہ کرنے کی وجہ احمد اور عمر تھے، جو اُس وقت صرف دس سال کے تھے جب رودابہ کا انتقال ہوا۔ اب وہ دونوں جوان ہو چکے ہیں اور اُن کی شادیاں بھی ہو چکی ہیں۔ اب وہ اپنے اپنے گھروں میں مصروف ہیں، اور اِس بڈھے کو سال میں بس ایک دفعہ یاد کر لیتے ہیں۔"

سائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا، "خیر، اتنے بڈھے بھی نہیں ہو تم۔ صرف باون سال کے ہو، اور خوش شکل بھی۔ اور تمہارے پاس پیسہ بھی ہے۔ اگر تم دوسری شادی کرنا چاہو تو کوئی بھی لڑکی تمہیں آسانی سے ہاں کہہ دے گی۔" سائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

فرحان سائرہ کی بات سن کر مسکرایا، "واقعی؟ کوئی بھی لڑکی؟"

"ہاں" سائرہ نے فرحان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

فرحان نے ایک پل کو رکا، پھر اچانک بولا، "کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

سائرہ حیران ہو کر دیکھنے لگی، جیسے وہ سن نہیں پائی ہو۔ "کیا کہہ رہے ہو تم؟ مجھ سے شادی؟"

فرحان نے نرمی سے کہا، "میں مذاق نہیں کر رہا، میں واقعی تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

سائرہ نے بے یقینی سے ہنستے ہوئے کہا، "ایک شادی شدہ ایسی عورت کو پرپوز جس کا شوہر اٹھائیس سال کی رفاقت کے بعد کسی دوسری لڑکی کی محبت میں مبتلا ہو چکا ہے؟" اس کی ہنسی میں ایک درد چھپا تھا، جیسے وہ خود اپنی حالت کا مذاق اڑا رہی ہو۔

"اور اگر تم واقعی سنجیدہ ہو، تو سوچو، جس بات کو میں قبول نہیں کر پا رہی، تمہارے بچے اور میری بچیاں اسے کیسے قبول کریں گے؟"

فرحان نے نرمی سے جواب دیا، جلد ہی تم شادی شدہ نہیں رہو گی، کیونکہ وہ تمہیں اپنی محبوبہ کے کہنے پر چھوڑ دے گا۔"

فرحان نے ایک لمبی سانس لی اور اپنی بات جاری رکھی۔ "اگر رودابہ زندہ ہوتی، تو اور بات ہوتی۔ لیکن اب، اِس عمر میں، اس کی یادیں دھندلی ہونے لگی ہیں۔ میں اپنی زندگی میں نئی یادیں بنانا چاہتا ہوں۔ میں نے زندگی کے پندرہ سال اکیلے گزارے ہیں، اور اب مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ ایسا ساتھی جو میری دولت کی وجہ سے نہیں، بلکہ میری ذات کے لیے مجھ سے شادی کرے۔ اسی لیے میں نے سوچ سمجھ کر تمہارا انتخاب کیا ہے۔" اس کا لہجہ مزید سنجیدہ ہوا۔

"عباد یہی غلطی کر رہا ہے۔ اس کو لگتا ہے کہ وہ لڑکی اس سے محبت کرتی ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ وہ اس کی دولت کی خاطر اس سے شادی کرنا چاہتی ہے، اور عباد اس کی خوبصورتی اور کم عمری کی وجہ سے اس کے عشق میں گرفتار ہوا ہے۔ اور تم جانتی ہو، بڑھاپے کا عشق زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ وہ اسے پانے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔۔ اگر وہ بالفرض تمہیں نہ بھی چھوڑے۔ لیکن کیا تم عباد کو اُس لڑکی کے ساتھ

برداشت کر لو گی۔ اٹھائیس سال کی رفاقت ایک طرف اور چند دن کی محبت برابر ہو جائے گی۔ تمہاری اہمیت اس کے نزدیک صرف ایک پرانی بے کار چیز کی ہو گی جس کو جب چاہے گھر سے باہر پھینک دے اس لیے خود کو بے وقعت کرنے سے بہتر ہے کہ خود تم پیچھے ہٹ جاؤ اور اس سے خلع لے لو تمہاری عزت نفس بھی بچی رہے گی اور تم خود کو تکلیف سے بھی بچا سکو گی۔ میں جانتا ہوں یہ مشکل فیصلہ ہے لیکن کبھی کبھار اپنے لیے ایسے فیصلے لینے پڑتے ہیں۔" اس نے تھوڑا وقفہ لیا۔

"اور رہی بات بچوں سے بات کرنے کی تو میرا نہیں خیال میرے بیٹوں کو کوئی فرق پڑے گا۔ زیادہ مسئلہ جائیداد کا ہوتا ہے جو کہ میں انہیں پہلے ہی دے چکا ہوں اور رہی تمہاری بچیوں کی بات تو میں خود ان سے بات کروں گا، میرا خیال ہے وہ تمہیں سمجھیں گی۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا، سائرہ بھی بوجھل قدموں سے اس کے ساتھ تھی۔

گاڑی سڑک پر تیز رفتاری سے رواں دواں تھی۔ وہ بھی عباد سے یہی کہہ رہی تھی کہ اس فرح نامی لڑکی کو عباد سے نہیں، اس کی دولت سے محبت ہے اور عباد بھی اس کی کم عمری اور خوبصورتی پر فریفتہ ہوا ہے۔ لیکن کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ اس کی کم عمری اور خوبصورتی سے متاثر ہے یا اس سے۔ لیکن۔۔۔ اف یہ لیکن۔۔۔

وہ اپنی سوچوں میں اتنی گم تھی کہ اسے فرحان کے ساتھ گزرنے والے مناظر کا احساس تک نہ ہوا۔ جب وہ سائرہ کے گھر کے سامنے پہنچے، تو فرحان نے گاڑی روکی اور ایک گہری سانس لیتے ہوئے چلو مان لیا۔ وہ چھوڑ دے گا لیکن۔

"کبھی کبھار جو ہم سوچتے ہیں، وہ نہیں ہوتا۔ زندگی ہمیں ایسے فیصلے کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جن کا ہم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ حالات کا سامنا کرنے کے لیے کبھی کبھار انسان کو اپنے کمفرٹ زون سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔"

فرحان نے سائرہ کی طرف دیکھا، جواب بھی خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ "اور عباد کی بات کرو تو وہ بدل چکا ہے، آج نہیں تو کل وہ تمہیں چھوڑ دے گا۔"

سائرہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی جھلک آئی۔ "تم یہ سب اس لیے کہہ رہے ہو تا کہ میں اس سے خلع لے لوں اور تم سے شادی کر لوں۔" سائرہ نے تنقیدی لہجے میں کہا۔ "اگر میں اس کو پریشرائز کروں تو ہو سکتا ہے وہ اس کو چھوڑ دے۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ میں اپنا فائدہ سوچ رہا ہوں۔ ایسا نہیں ہے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ میں تمہیں ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تم ردابہ کی دوست ہو اس کے علاوہ ہم کلاس فیلو بھی رہ چکے ہیں تم مجھے بہت عزیز ہو۔ وہ واقعی اس سے اگلے ماہ شادی کرنے جا رہا ہے اس نے کل اسلام آباد میں ایک نیا فلیٹ لیا ہے جو کہ اس لڑکی کے نام ہے۔ اور تم تو عباد کو اچھی طرح جانتی ہو، وہ کسی پر بغیر مطلب کے کوئی پیسہ خرچ نہیں کرتا۔ اگر تمہیں لگتا ہے کہ تمہارے پریشرائز کرنے پر وہ اس لڑکی سے شادی نہیں کرے گا تو آئی تھنک تمہیں اب تک اس کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ اس کے لیے کتنا سیریس ہے۔" فرحان نے اس کو سمجھایا۔

"اگر عباد کو اس لڑکی کی حقیقت معلوم ہو جائے تو شاید وہ اسے چھوڑ دے۔" سائرہ نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

"چلو مان لیا۔ وہ چھوڑ دے گا لیکن کیا تم ایک چیٹر کو قبول کر سکو گی؟" فرحان نے پوچھا۔

"مجھے بس اتنا پتا ہے کہ میں اپنی شادی کو بچانے کے لیے کچھ بھی کروں گی اور ویسے بھی وہ مجھے چھوڑنا نہیں چاہتا۔" سائرہ نے کہا۔

"اور جیسے تمہیں پتا ہی نہیں کہ وہ تمہیں کیوں نہیں چھوڑنا چاہتا۔" فرحان نے جھنجھلاہٹ کے عالم میں کہا۔

سائرہ جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھولنے

گئی۔ فرحان نے سائرہ کو دیکھا جس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا فرحان نے ایک گہری سانس بھری۔ ''ابھی کے لیے خود کو کمپلشن فری کر لو اور صرف اپنے بارے میں سوچو۔'' فرحان نے کہتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ سائرہ گاڑی سے باہر نکل آئی اور بغیر خدا حافظ کہے گھر میں داخل ہو گئی۔

☆☆☆

''السلام علیکم،'' رہاب نے لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی سائرہ کو کہا۔ وہ اس وقت اسکائپ کے ذریعے ویڈیو کال کر رہی تھیں۔

''وعلیکم السلام۔'' سائرہ نے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

رہاب نے اپنی ماں کو دیکھا، جو اس وقت بہت مضمحل لگ رہی تھیں۔

''رات کو فرحان انکل کی کال آئی تھی۔'' رہاب نے کہا۔

سائرہ چونکی۔

رہاب نے ایک لمحہ توقف کیا، پھر دھیمے لہجے میں کہا۔ ''ڈیڈ دوسری شادی کرنے جا رہے ہیں، اور آپ لوگوں نے ہمیں کچھ بھی بتانا مناسب نہیں سمجھا؟ چلو علینہ کو نہ سہی، مجھے تو بتا سکتی تھیں۔'' اس نے شکوہ کیا۔

سائرہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں دکھ کی لہر دوڑ گئی۔

''تمہارے باپ نے مجھے کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا۔ کیا بتاتی تم لوگوں کو کہ اب ان کا دل مجھ سے بھر چکا ہے۔ اب وہ ایک نئی دنیا ایکسپلور کرنے کے چکروں میں ہیں۔'' وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں بولی۔

''اور ویسے بھی، میں تم لوگوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ علینہ کی ویسے ہی پریگننسی چل رہی ہے۔ اگر اسے پتا چلتا تو وہ پریشان ہو جاتی۔ اگر تمہارے سسرال والوں کو پتا چلتا، تو تمہارے لیے اور مشکل ہو جاتی۔ وہ ویسے ہی تمہاری شادی کے خلاف تھے۔''

''ماما! عادل ایسے نہیں ہیں۔'' رہاب نے یقین سے کہا۔

سائرہ کی آنکھوں میں اداسی کا سایہ گہرا ہو گیا۔ ''وہ میں جانتی ہوں بیٹا، لیکن انسانوں کو بدلنے میں دیر نہیں لگتی، اس لیے فی الحال تم خاموش ہی رہو۔''

''میں نے ڈیڈ سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ میرا فون نہیں اٹھا رہے۔'' اس کا لہجہ اداس اور مایوسی سے بھرا تھا۔

''وہ نہیں چاہتے کہ تم لوگوں کو کچھ پتا چلے۔ وہ ویسے بھی اس لڑکی سے شادی کے بعد ہی تم سے بات کریں گے۔'' سائرہ نے ایک اور تلخ حقیقت سے روشناس کراتے ہوئے کہا۔

''ماما، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ ڈیڈ کو دھمکی دیں کہ اگر انہوں نے اس لڑکی سے شادی کی، تو ہم اپنے اور دونوں بہنوں کے شیئرز کمپنی سے نکال لیں گے؟ ہم 65 فیصد شیئرز کے مالک ہیں۔ اگر ان شیئرز کو نکال لیا جائے تو کمپنی ویسے ہی دیوالیہ ہو جائے گی۔ اور ویسے بھی، ایسی عورتیں ہمیشہ پیسوں کے پیچھے بھاگتی ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ پھر ڈیڈ کو چھوڑ دے گی۔''

سائرہ نے ایک گہری سانس لی۔ ''چھوڑو اس ٹاپک کو۔ میں اس سے فیڈ اپ ہو چکی ہوں۔'' سائرہ کی آواز میں تھکن اور بے بسی صاف محسوس ہو رہی تھی۔ رہاب نے کچھ لمحوں کے لیے خاموشی اختیار کی۔

''اچھا، چھوڑو ان تمام باتوں کو۔ تم اپنا سناؤ۔'' سائرہ نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا، اور دونوں دوسری باتوں میں مصروف ہو گئیں۔

☆☆☆

فرحان نے اسے فون کیا تھا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے کہا۔

''سائرہ تم حماد سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتیں تم

پریشان مت ہو۔ میں اپنا پروپوزل واپس لیتا ہوں۔ تم پریشان مت ہو۔ میرے پاس ایک اور آپشن ہے،" فرحان نے کہا۔

"کیا؟" سائرہ نے بے تابی سے پوچھا۔

فرحان اس کی بے تابی دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔

"عباد بہت لکی ہے۔"

"کام کی بات کرو،" سائرہ نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"تم اس لڑکی.... ہاں، فرح... تم اس کے گھر جاؤ اور اسے پیسے کی آفر کرو۔ شاید وہ خود ہی عباد کو انکار کر دے۔ اس کا فیملی بیک گراؤنڈ اتنا اچھا نہیں ہے، شاید وہ تمہاری آفر قبول کر لے۔"

"لیکن میرا نہیں خیال، وہ میری آفر قبول کرے گی، جب عباد جیسی تگڑی اسامی اس کے پاس ہے،" سائرہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم اسے یہ بھی بتا دینا کہ جس کمپنی کی بدولت عباد امیر ہے، اس میں تمہارے اور تمہاری بیٹیوں کے ملا کے 55 فیصد شیئرز ہیں۔ اگر تم یہ شیئرز نکال لو تو کمپنی دیوالیہ ہو جائے گی۔ اور تم اسے زیادہ رقم آفر کرنا،" فرحان نے مشورہ دیا۔

"یہ مشورہ مجھے رباب نے بھی دیا تھا،" سائرہ نے کہا۔

"لیکن عباد کا کیا ردعمل ہوگا؟ شاید اسے یہ بات پسند نہ آئے،" سائرہ نے کہا۔

"اگر وہ لڑکی مان گئی تو عباد خود بخود پیچھے ہٹ جائے گا، یہ بھی تو سوچو،" فرحان نے کہا۔

"اور ایک اور بات۔" فرحان نے کہا، "اگر فرح نے عباد کے ساتھ رہنا ہی پسند کیا اور پیسوں کی آفر قبول نہ کی، تو تم اور تمہاری بیٹیاں اپنے شیئرز کا استعمال کر کے کمپنی کا کنٹرول سنبھال سکتی ہو۔ 55 فیصد شیئرز کے ساتھ، تمہارے پاس اتنی طاقت ہوگی کہ تم کمپنی کو ٹیک اوور کر سکو۔"

سائرہ نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا، "تم مجھے اس کا ایڈریس سینڈ کر دو،" اور کال بند کر دی۔

سائرہ کرسی سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ گئی۔ اب وہ اس لڑکی کی محبت کا امتحان لے سکتی تھی عباد کا پھر سہی۔ باہر کا منظر دھندلا سا تھا، گویا اس کی زندگی کی طرح۔ رات کے اندھیرے میں چند ہی روشنیاں باقی تھیں۔

☆☆☆

سائرہ نے گاڑی ایک گلی کے سامنے روکی۔ یہ گھر لاہور کے ایک خستہ حال علاقے میں تھا۔ گھر کی حالت بھی کچھ ویسی ہی تھی۔ سائرہ نے موبائل کھول کر فرحان کا بھیجا ہوا ایڈریس دوبارہ دیکھا۔ گھر وہی تھا۔ گلی کی حالت اور بدبو سے سائرہ کو متلی ہونے لگی اور اس نے جلدی سے بیگ سے ماسک نکالا اور منہ پر لگا لیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک عورت نے دروازہ کھولا، سائرہ نے بے ساختہ اس عورت کو دیکھا چونکہ اس کی عمر کی لگ رہی تھی۔ یقیناً فرح اس کی بیٹی تھی۔ سائرہ نے سوچا۔

"السلام علیکم!" سائرہ نے ماسک اتارتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" عورت نے جواب دیا، اور تھوڑی حیرانی سے سائرہ کو دیکھا۔

"آپ کون؟"

"میں سائرہ ہوں، فرح کے ساتھ اس کے آفس میں کام کرتی ہوں اُس سے کچھ بات کرنا تھی۔"

شام کا وقت تھا، یقیناً وہ اس وقت دفتر سے واپس آ گئی ہوگی۔ عورت نے سر ہلایا اور سائرہ کو اندر آنے کا اشارہ دیا۔ سائرہ ہچکچاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی اور کمرے میں رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔ باہر کے مقابلے میں گھر کی حالت اچھی تھی۔ "وہ بس آنے والی ہے" وہ عورت کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

پھر دروازے پر دستک کی آواز آئی۔ فرحت بیگم نے دوبارہ دروازہ کھولا۔ دروازے پر فرح تھی۔

"یہ باہر کس کی گاڑی کھڑی ہے؟" اُس نے

باہر کھڑی گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرحت بیگم سے پوچھا۔

"تمہارے دفتر سے کوئی سائرہ نام کی کولیگ تم سے ملنے آئی ہے۔" فرح ٹھٹکی۔

"میرے دفتر میں تو کوئی سائرہ نام کی لڑکی کام نہیں کرتی!" اس نے حیرانی سے کہا۔

"اچھا؟ لیکن وہ تو کمرے میں بیٹھی ہے۔"

فرح جلدی سے کمرے میں گئی جہاں سائرہ موبائل پر کچھ اسکرول کر رہی تھی۔ سائرہ نے فرح کو دیکھا، وہ بہت خوبصورت تھی۔ موٹی موٹی آنکھیں، لمبا قد، اور ایک سانچے میں ڈھلا ہوا جسم۔ چہرے کی جالائن واضح تھی، اور ہونٹوں کو اس وقت ڈارک ریڈ لپ اسٹک سے رنگا ہوا تھا۔

"آپ کون ہیں؟ میں کسی سائرہ نامی خاتون کو نہیں جانتی جو میرے آفس میں کام کرتی ہو۔" فرح نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ سائرہ کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"کیونکہ میں آفس کی ورکر نہیں بلکہ آفس کی مالک ہوں۔ میں سائرہ عباد آفندی ہوں، مسز عباد آفندی۔" سائرہ نے "مسز عباد آفندی" پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"آپ خوش نہ ہوں، یہ سرنیم بہت جلد میرے نام کے آگے بھی لگنے والا ہے۔" فرح طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔ "ویسے ایک اور بات، عباد بہت جلد آپ کو چھوڑ دیں گے۔" فرح نے استہزائیہ انداز میں مزید کہا۔

"لیکن وہ تو مجھے چھوڑنا نہیں چاہتا۔"

"ابھی نہیں، لیکن اگر آپ مسلسل میرے خلاف اسے بھڑکاتی رہیں گی، تو وہ آپ کو چھوڑ دے گا، مسز سائرہ عباد آفندی۔" فرح نے بے نیازی سے کہا۔ اور اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"پچاس لاکھ..." سائرہ نے ایک نظر اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

فرح کے چہرے پر حیرت کی جھلک دکھائی دی۔

"کیا؟ پچاس لاکھ؟" اس نے پوچھا۔ سائرہ نے ایک گہری سانس لی۔ "میرے شوہر سے دور رہنے کی تمہاری قیمت۔ دراصل جب مجھے عباد نے تمہارے بارے میں بتایا تھا تو مجھے لگا تم بھی لڑکیوں کی عموماً یہی قیمت ہوتی ہے، جو اپنے باپ کی عمر کے شخص سے افیئر چلاتی ہیں۔" اس نے فرح کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"شٹ اپ" فرح کا چہرہ سرخ ہو گیا، غصہ اس کی آنکھوں میں چمکنے لگا۔

"شٹ اپ کہنے سے کچھ نہیں ہوگا، قیمت بڑھا دوں؟" سائرہ نے اس کی نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے مزید سخت لہجے میں کہا۔ فرح نے ایک لمحے کے لیے خود پر قابو پایا، پھر دھیمی آواز میں بولی، "جیسا آپ سوچ رہی ہیں، ویسا کچھ نہیں ہے، میں عباد سے سچ میں محبت کرتی ہوں۔" اس نے اپنے چہرے پر مسکینی کا لبادہ اوڑھ لیا، مگر سائرہ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ سائرہ تھی، عباد نہیں۔

"اچھا، کتنی محبت کرتی ہو؟ بتا سکتی ہو؟ یقیناً نہیں، لیکن میں رکھتی ہوں اتنی محبت کہ تمہیں اس سے دور کرنے کے لیے مجھے جو کچھ کرنا پڑا تو میں کروں گی۔" اس نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"آپ جو مرضی کر لیں، میں عباد سے شادی کر کے رہوں گی۔" اس نے بھی اپنی نام نہاد شرافت کا لبادہ اتار پھینکا۔ سائرہ بھی اس کے لہجے کی تلملاہٹ پر ٹھٹکی۔

"میں نے تمہارا بیک گراؤنڈ چیک کروایا ہے۔ حسن نامی لڑکا، جو تمہارا منگیتر تھا، جسے تم نے عباد کے لیے چھوڑا ہے، اوہ سوری، دولت کے لیے۔ اگر تم چاہتی ہو کہ میں عباد کو اس بارے میں نہ بتاؤں۔۔۔" سائرہ نے فرح کی طرف جھکتے ہوئے سرد لہجے میں مزید کہا۔

"آپ بتا بھی دیں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا، میں عباد کو اس کے بارے میں پہلے ہی بتا چکی

ہوں۔" فرح نے سائرہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
"ایک کروڑ، اس سے اوپر ایک روپیہ بھی نہیں۔" سائرہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں جانتی ہوں آج کے دور میں جب مہنگائی بہت زیادہ ہے، تم جیسی لڑکیوں کے لیے جنہیں لگژری چاہئیں، گزارہ کرنا مشکل ہے۔ اس لیے تمہیں اتنے پیسے آفر کر رہی ہوں۔ تم کسی بھی اچھی جگہ سیٹل ہو سکتی ہو، یا میں تمہیں کسی باہر کے ملک میں سیٹل کروا دیتی ہوں۔"
"صرف ایک کروڑ؟ اُس نے اپنی دائیں ابرو اچکائی۔ "جبکہ میں عباد کی تمام پراپرٹی کی اکلوتی مالک بن سکتی ہوں۔" فرح نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آپ نے عباد سے بالکل ٹھیک کہا تھا، مجھ جیسی لڑکیوں کو ہمیشہ رچ اولڈ مین سے ہی محبت ہوتی ہے۔ غریب بوڑھے سے نہیں۔" فرح نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بات جاری رکھی۔ "اور رہی بات عباد کو چھوڑنے کی، تو اتنی تگڑی آسامی کوئی نہیں چھوڑتا۔"
سائرہ صوفے سے اٹھی۔ "شکریہ، مجھے یقین تھا کہ تم عباد سے صرف اس کی دولت کے لیے شادی کر رہی ہو۔ مجھے صحیح ثابت کرنے کے لیے شکریہ۔ اور ایک اور بات، اس کمپنی میں میرے 30 فیصد شیئرز ہیں، اور میری بیٹیوں کے 25 فیصد، کل ملا کر یہ 55 فیصد بنتے ہیں۔ اگر عباد نے تم سے شادی کی تو میں یہ شیئرز بیچ دوں گی یا کمپنی کو ٹیک اوور کر لوں گی، اور پھر عباد سڑک پر آ جائے گا۔"
فرح نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا۔ "تو کیا ہوا؟ پھر عباد نہ سہی، کوئی اور سہی!"
سائرہ طنزیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ "تمہارے جیسے لوگ ہمیشہ گھٹیا راستہ ہی ڈھونڈتے ہیں۔" یہ بات سن کر فرح کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوئے۔ لیکن پھر تھوڑی دیر فرح نے ہنستے ہوئے سائرہ کی آنکھوں میں ہنستے ہوئے۔
"عباد نے یہی کہا تھا کہ اگر وہ مجھ سے شادی کرے گا، تو آپ شیئرز بیچ دیں گی۔ اس لیے آپ کی بیٹیوں کے شیئرز اب وہ اپنے نام کروا چکا ہے۔ اور اس وقت آپ صرف 30 فیصد شیئرز کی مالک ہیں۔ اور ہو سکتا ہے عباد وہ بھی آپ سے جلد ہی لے لے۔"
"کیا کہہ رہی ہو تم؟" سائرہ کا دل جیسے ڈوبنے لگا۔ اب اُس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔
"بالکل صحیح کہہ رہی ہوں۔ یقین نہ آئے تو آپ خود عباد سے پوچھ لیجئے گا۔" فرح نے اپنی بات مکمل کی، اور سائرہ کا بے یقینی سے لرزتا وجود دیکھ کر مسکرائی۔ سائرہ کے دل میں بے یقینی اور خوف کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ سائرہ نے جلدی سے اپنا بیگ اٹھایا اور ایک نظر فرحت بیگم کی طرف ڈالی، جو کہ فرح کے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔
"آپ کی تربیت دیکھ کر افسوس ہوا۔" ان کی طرف حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سائرہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ اور کمرے سے باہر جانے لگی۔
سائرہ کی یہ بات سن وہ دونوں ماں بیٹی تلملا اٹھی تھیں۔
"میری ماں کی تربیت پر آپ کو افسوس ہو نہ ہو، لیکن آپ کو اپنی قسمت پر بہت جلد افسوس ہو گا۔ بہت جلد میں آپ کو عباد کی زندگی سے نکال کر رہوں گی!" فرح نے سائرہ کو جواب دیا اور خود بھی کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں غرور اور تکبر جھلک رہا تھا۔
"عباد مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا!" سائرہ نے واپس مڑتے ہوئے غصے اور یقین سے کہا۔ فرح بے پروائی سے ہنسنے لگی۔
"آپ کی یہ غلط فہمی... سوری، خوش فہمی بہت جلد دور ہو جائے گی۔ اب میں عباد سے شادی صرف اسی صورت کروں گی جب وہ آپ کو چھوڑ دے گا، اور یقین مانیں، وہ میرے کہنے پر آپ کو چھوڑنے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگائے گا۔ یہ میں ہی تھی جس نے آپ پر ترس کھایا تھا، کیونکہ آپ کا شوہر اٹھائیس سال کی شادی کے بعد کسی دوسری عورت کے عشق میں مبتلا ہو چکا ہے۔ اور بے چاری آپ کی بیٹیاں

بھی ملک سے باہر ہیں۔ لیکن آپ اس قابل نہیں ہیں کہ آپ پر ترس کھایا جائے۔"

فرح نے سائرہ کے قریب آتے ہوئے مزید کہا، "اور ہاں، وہ گھر جس میں آپ رہ رہی ہیں، بہت جلد میں آپ کو اس گھر سے بھی نکال دوں گی، مسز عباد آفندی! اور ہاں آپ! صرف آپ کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے کہہ رہی ہوں۔" اس کی ماں اس کی بات سن کر ہنس پڑی۔

فرح کی یہ بات سن کر سائرہ نے ایک لمحے کے لیے خود کو سنبھالا، پھر آہستہ سے مڑی اور فرح کی آنکھوں میں گہری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم یہ جنگ نہیں جیت سکو گی، فرح! عباد میری زندگی کا حصہ ہے، اور رہے گا۔"

"تمہاری خوش فہمیاں بہت جلد ٹوٹیں گی۔ تمہارے شوہر کا دل میری بیٹی کی طرف مائل ہو چکا ہے، بس ہمارا ایک اشارہ اور تم اس کی زندگی سے باہر۔" فرحت بیگم نے بھی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

سائرہ کے دل میں غم اور خوف کی لہریں اُٹھنے لگیں، لیکن اس نے خود پر قابو پایا۔ اُس نے ایک گہری سانس لی اور خود کو پرسکون کیا۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا۔" سائرہ نے یقین کے ساتھ کہا، "رہی بات میری خوش فہمی کی، تو اگر عباد میرا نہیں رہا تو میں تمہارا بھی نہیں رہنے دوں گی۔ اور اس کے لیے جو کرنا پڑے، میں وہ کروں گی۔ سائرہ نے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔ فرح اس کی بات سن کر استہزائیہ مسکرائی تھی۔

سائرہ کے الفاظ کمرے کی خاموشی میں گونج رہے تھے۔ وہ کمرے سے باہر جانے لگی، لیکن اچانک رک گئی اور پلٹی۔ "یہ وقت بہت جلد آنے والا ہے، تیار رہنا۔" اس نے فرح سے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

☆☆☆

رات کا وقت تھا۔ سائرہ اپنے کمرے میں تھی، اس نے گلابی رنگ کا نائٹ سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ بستر پر نیم دراز گہری سوچوں میں گم تھی۔ اس کے ذہن میں فرح کی باتیں گردش کر رہی تھیں۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا، اور عباد اندر آیا۔ اس کے چہرے پر غصے اور ناراضگی کے تاثرات تھے۔

"تم فرح سے ملنے اس کے گھر کیوں گئی تھیں؟" اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔

سائرہ نے آہستہ سے اپنی آنکھیں کھولیں اور سر کو دھیرے سے اس کی طرف موڑتے ہوئے تلخی سے کہا" مجھے اپنے کچھ سوالات کے جواب چاہیے تھے؟ وہی لینے گئی تھی۔" عباد نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"تم نے اسے کریکٹر لیس کہا، اس کی ماں سے بھی بدتمیزی کی، اور کہا کہ انہوں نے اپنی بیٹی کی تربیت اچھی نہیں کی۔ اور یہ بھی کہ تم نے اسے پیسے آفر کیے کہ وہ مجھے چھوڑ دے؟" عباد نے گہرے سانس کے ساتھ کہا۔ وہ شدید غصہ میں تھا۔

سائرہ بستر سے آہستہ سے اٹھی "ہاں، میں نے کہا۔ اور ہاں، میں نے پیسے بھی آفر کیے، کیونکہ میں جانتی ہوں اسے تم سے نہیں، تمہاری دولت سے محبت ہے۔" سائرہ نے غصے سے جواب دیا۔

"میں تنگ آچکا ہوں یہ باتیں سن سن کر! تمہیں ذرا بھی احساس نہیں کہ وہ لڑکی اس وقت کیسا محسوس کر رہی ہوگی؟ تمہاری یہ باتیں ان کے لیے کتنی تکلیف دہ ہوں گی۔ اُس کی ماں ہسپتال میں ایڈمٹ ہے،!" عباد نے زور سے بیڈ کے نزدیک پڑی ہوئی کرسی کو دھکیلا اور غصے سے کمرے کے دوسرے کونے کی طرف چلا گیا۔

سائرہ نے عباد کی طرف غصے بھری نظروں سے دیکھا، "اور تمہیں میری تکلیف کا بھی اندازہ ہے؟" اُس کی آواز بھرا گئی۔ "اٹھائیس سال، عباد! اٹھائیس سال تمہارے ساتھ گزارے ہیں۔ جب تمہارے پاس کچھ نہیں تھا، میرے بابا نے تمہیں پڑھایا، لکھایا،

اس قابل بنایا۔اور جب تمہارے پاس یہ دولت آئی، تم بدل گئے۔ مجھے اور میری بیٹیوں کو بھول گئے۔" سائرہ کی آواز غم اور غصے سے کانپ رہی تھی۔آنکھوں میں آنسو بھرے تھے جب اُس نے عباد کی طرف دیکھا۔ "تم نے ہمیں یوں چھوڑ دیا جیسے ہم کبھی تمہاری زندگی کا حصہ تھے ہی نہیں۔" اُس کی آواز رندھ گئی، اور وہ خود کو مضبوط دکھانے کی کوشش کر رہی تھی، مگر دکھ اتنا شدید تھا کہ وہ چھپا نہ سکی۔

عباد نے سختی سے اپنا سر جھٹکا "چلو، آج تم نے اپنے والد کے احسانات بھی گنوا دیے۔ تمہیں علیحدگی چاہیے تھی، نا؟ میں تیار ہوں۔ میں تمہیں طلاق دینے کے لیے تیار ہوں۔ تمہیں تمہاری ضد اور انا مجھ سے بھی زیادہ پیاری ہے؟" عباد کے چہرے پر طیش کی جھلک دکھائی۔ "تم فرح کو اور کبھی ایکسپٹ نہیں کرو گی۔ اور شاید اس کے لیے برے الفاظ استعمال کرو گی، جو میں برداشت نہیں کروں گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم واقعی علیحدہ ہو جائیں۔" اس نے تلخی سے کہا۔

یہ الفاظ سائرہ کے دل پر ہتھوڑے کی طرح لگے۔ اُس کے آنسو نکلنے کے قریب تھے، لیکن اُس نے خود کو قابو میں رکھا۔ وہ دھیرے سے عباد کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ "تمہیں فرح اور مجھ میں سے کسی ایک کو چننا ہو، تو تم کس کا انتخاب کرو گے؟" اُس نے دھیمے لیکن مضبوط لہجے میں پوچھا۔

عباد نے ایک لمحے کے لیے نظریں چرائیں، پھر سیدھا سائرہ کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا، "فرح کو۔"

یہ سن کر سائرہ کے اندر ایک ہولناک سکوت چھا گیا۔ وہ چند لمحے عباد کو بے یقینی سے دیکھتی رہی، پھر ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر آئی۔ "فرحان بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ "بڑھاپے کا عشق زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

عباد نے غصے سے نظر چرائی۔ "اگر تمہیں....." وہ کوئی بات کرنے جا رہا تھا جب سائرہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"فی الحال مجھے تم سے کوئی مزید بات نہیں کرنی۔" یو کین لیو دی روم! (اس کمرے سے جا سکتے ہو۔)

وہ تیز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ زور سے بند کر کے چلا گیا۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے تھے، فرحان۔" سائرہ نے خود کلامی کی۔ وہ کمرے میں اکیلی رہ گئی، اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، لیکن اس نے انہیں روک لیا۔ وہ بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔ دل کی دھڑکنیں تیز تھیں، دماغ میں خیالات کا طوفان برپا تھا۔ اس کو ہر جگہ فرح کی طنزیہ مسکراہٹ نظر آئی، اس کے لہجے کی حقارت اور پھر اپنا کیا ہوا چیلنج یاد آیا۔ اب بات اس کی عزت نفس پر آ گئی تھی۔ اب اس کو اپنا گھر نہیں بچانا تھا بلکہ فرح کو ہرانا تھا۔ اُس نے نیند کی گولی اٹھائی اور پھانک لی۔ ویسے تو اسے نیند آنے والی نہیں تھی۔ کل اُس کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کرنا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

صبح سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ سائرہ کھڑکی کے قریب کھڑی بارش کے قطروں کو دیکھنے لگی جو آہستہ آہستہ زمین پر گر رہے تھے۔ ایسی برسات تو کئی دنوں سے اُس کی آنکھوں سے بھی جاری تھی۔ جب ایک انسان کے لیے آپ کی اہمیت زیرو ہو جائے تو بہتر ہے کہ آپ اُس کی زندگی سے نکل جائیں۔ سائرہ نے بھی عباد کی زندگی سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ستائیس سال آپ کسی کے لیے بہت اہم ہوں، لیکن یوں اچانک چند ماہ میں آپ کی جگہ کوئی اور لے لے، اس تکلیف اور اذیت کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ اُس نے بستر سے اپنا فون اٹھایا اور ٹائپنگ شروع کی۔ اُس کی انگلیاں جلدی سے اسکرین پر چل رہی تھیں۔ "کیا تمہارا میرج پروپوزل والا آپشن اب بھی ویلڈ ہے؟" اُس نے

digestlibrary.com

فرحان کو میسج کیا۔

تھوڑی دیر بعد، ایک دل والا ایموجی فرحان نے بھیجا ساتھ میں بھی تھا سائرہ اُس کو دیکھ کر مسکرائی۔

"اچھا لگا، تم نے موو آن کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے!"

"جتنی تکلیف عباد تم نے مجھے پہنچائی ہے، اس سے آدھی کے حق دار تو تم بھی ہو!" سائرہ نے خود کلامی کرتے ہوں کہا اور پھر عباد کو میسج کرنے لگی۔

☆☆☆

یہ شام کا وقت تھا موسم میں ہلکی سی خنکی تھی، اور ہوا کے ساتھ کمرے میں خوشبو پھیل رہی تھی۔ کمرے میں ہلکی پیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی، جو ماحول کو اداس لیکن پرسکون بنا رہی تھی۔

سائرہ نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو دیکھا۔ وہ ہلکے نیلے رنگ کی لمبی قمیص اور سفید ٹراؤزر پہنے ہوئے تھی۔ اس نے لپ گلوس اٹھایا اور ہونٹوں پر لگایا۔ آئینے میں اس کا عکس صاف نظر آ رہا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک گہری اداسی اور تھکاوٹ چھپی ہوئی تھی۔ پھر شیشے میں اپنے چہرے کو دیکھا اور بے اختیار اپنی آنکھوں کے گرد جھریوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ اس کے چہرے اور فرح کے چہرے میں کیا فرق تھا؟ فرح کا چہرہ جوان تھا، جبکہ اس کے چہرے پر وقت کے ساتھ بڑھاپے کے اثرات نمایاں ہو رہے تھے۔ یہ جھریاں، یہ نشانیاں، زندگی کے ان لمحوں کی تھیں جنہوں نے اسے مضبوط بنایا تھا، مگر اب یہ اُسے کمزور کرنے لگی تھیں۔ ایک وقت تھا جب اس کا یہی چہرہ عباد کو پرکشش لگتا تھا، وہ اس کے حسن میں کھو جاتا تھا۔ لیکن اب وہ وقت گزر چکا تھا، اور اب صرف یادوں کا بوجھ رہ گیا تھا۔

سائرہ نے ان تمام سوچوں کو جھٹک دیا۔ اس نے گہری سانس لی، پھر خود کو مضبوط کرتے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

سائرہ نے اپنے پرانے گھر کے دروازے کے سامنے گاڑی روکی۔ باہر بارش کی بوندیں زمین پر پڑتے ہوئے ایک مدھم سی موسیقی پیدا کر رہی تھیں۔ باہر ایک چوکیدار موجود تھا۔ سائرہ نے گاڑی سے نکل کر اُس سے مختصر سی بات کی اور پھر گھر کے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ جیسے ہی اُس نے قدم گھر کے اندر رکھا، یادوں کی ایک لمبی قطار نے اُس کے دماغ میں دستک دی۔

یہ وہی گھر تھا جہاں عباد کے والدین کی وفات کے بعد سائرہ کے والدین نے اُس کی پرورش کی تھی۔ اس گھر میں اُن دونوں نے شادی کے بعد تقریباً پندرہ سال گزارے تھے، اور ایک وقت تھا جب یہاں کی ہر چیز اُن لمحوں کی گواہی دیتی تھی۔

بعد میں، جب عباد خود نیا گھر خریدنے کے قابل ہو گیا، تو اُس نے سائرہ کے لیے ایک نیا گھر خرید لیا۔ پھر وہ دونوں پرانے گھر کو چھوڑ کر نئے گھر میں رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد جب بعد میں عباد نے کمپنی خریدنے کا فیصلہ کیا اور اُسے مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، تو سائرہ نے اُس کی مدد کرنے کے لیے یہ گھر بیچ دیا۔ اُس نے عباد کے لیے اپنا گھر چھوڑ دیا، صرف عباد کی خودداری کو بچانے کے لیے، اُس کے عزت و وقار کی خاطر۔ اُس لمحے سائرہ کو احساس ہوا کہ اُس نے عباد کے لیے اپنی زندگی کی کتنی قربانیاں دی تھیں، لیکن آج وہی عباد اُسے چھوڑ کر کسی اور کے پاس جا رہا تھا۔

گھر کے اندر کا ماحول خاموش اور سنسان تھا، صرف بارش کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سائرہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہال کے بیچوں بیچ جا کر رک گئی۔ چند لمحوں بعد، اندرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ عباد اندر آیا، اُس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ اور وہ کسی قدر بے چینی سے ہال میں داخل ہوا۔

"یہاں بلانے کا مقصد؟" اُس نے سرسری سے لہجے میں پوچھا، اُس کی آواز میں کچھ ناگواری تھی، جیسے وہ اس ملاقات کو زحمت سمجھ رہا ہو۔

سائرہ نے دھیرے سے عباد کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں نمی اور دکھ چھپے ہوئے تھے۔ چند لمحے خاموشی سے اُسے تکتی رہی، پھر گہری سانس لے کر بولی، ”جب تم نے مجھے اپنے افیئر کے بارے میں بتایا تھا تب تم مجھے چھوڑنا کیوں نہیں چاہیے تھے؟“

”عباد نے نظریں چرائیں، اُس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ دیکھو سائرہ۔“ اُس نے کہنا شروع کیا، لیکن سائرہ نے اُسے روک دیا۔

میں صرف اپنے سوال کا جواب چاہتی ہوں۔“

سائرہ کی آواز میں درد تھا۔ عباد نے سر جھکا لیا، وہ خاموش رہا۔

”صرف شیئرز کے لیے نا؟“ اُس نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔ ”تمہیں یہ ڈر تھا کہ اگر تمہاری کمپنی کے شیئرز میرے اور میری بیٹیوں کے پاس رہے تو میں ان کو بیچ سکتی ہوں؟ یا پھر تمہاری کمپنی کو ٹیک اوور کر سکتی ہوں؟ اس لیے تم نے رباب اور علینہ سے وہ پیپرز سائن کروائے تھے؟“

عباد کے چہرے کے تاثرات بدلے اور اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا، اُس کی خاموشی اُس کے جرم کا اعتراف تھی۔

”صبح مجھے وکیل کی کال آئی تھی۔ تم ہمارا گھر اپنے نام کروانے کی کوشش کر رہے ہو، وہ گھر جو تم نے میرے نام کیا تھا؟“ سائرہ کی آواز میں ایک عجیب سا درد تھا۔

”دیکھو سائرہ، میں تمہیں کہیں اور ایک اچھا سا گھر لے دوں گا۔“ عباد نے جلدی سے کہا۔

”میں اتنی گئی گزری بھی نہیں کہ تم سے بھیک مانگوں۔ کیا وہ گھر اس کے برابر ہوگا جو تم نے مجھے گفٹ کیا تھا؟ وہ ہمارا پہلا اپنا خریدا ہوا گھر تھا لیکن تم یہ بات نہیں سمجھو گے۔“ سائرہ کی آواز میں درد اور بے بسی چھپی ہوئی تھی۔

”فرح نے تم سے شادی کرنے کے لیے یہ شرط رکھی ہے، کہ تم ہمارا گھر اُس کے نام کر دو گے اور مجھے طلاق دے دو گے۔“ سائرہ نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا وہ اس کے جواب کی منتظر تھی۔ لیکن عباد خاموش رہا۔

تم شادی کرنا چاہتے ہو، تو کر لو۔ یہ گھر میں خود تمہارے نام کر دوں گی، اور جو شیئرز میرے نام ہیں، 30 فیصد وہ بھی تمہیں دے دوں گی، لیکن میری ایک شرط ہے۔“ سائرہ نے ایک توقف کے بعد کہا۔

”کیسی شرط؟“ اُس نے حیرت سے پوچھا۔

”تمہیں اپنی ساری جائیداد میرے نام کرنی ہوگی۔“ اس کے لہجے میں مضبوطی تھی۔

”واٹ!“ عباد نے چلا کر کہا، مگر سائرہ مسکرائی۔ ”یہی میری شرط ہے۔“

”کیا مطلب؟“ عباد نے بے بسی سے کہا۔ ”ایک طرف تم اپنی چیزیں مجھے دے رہی ہوں، اور دوسری طرف میری پراپرٹی کی ڈیمانڈ کر رہی ہو۔“ سائرہ مسکرائی اور کہنے لگی۔

”دراصل، میں تمہاری مسز ٹوبی، فرح عباد کا ٹیسٹ لینا چاہتی ہوں۔“ عباد نے ناسمجھی سے اس کی محبت کی طرف دیکھا۔

”تم اتنے بچے بھی نہیں ہو کہ میری بات کا مطلب نہ سمجھ سکو۔“ سائرہ نے اپنی نظریں عباد کی آنکھوں میں گاڑتے ہوئے کہا۔ ”لیکن چلو، تفصیل سے سمجھا دیتی ہوں۔“ اُس نے ایک گہری سانس لی، پھر کہا۔

”میں چاہتی ہوں کہ تم فرح سے کہو کہ تم اپنی تمام جائیداد میرے نام کر چکے ہو، سوائے اس فلیٹ کے جو تم نے اس کے نام کیا تھا، تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔“ عباد کی پیشانی پر لکیریں نمودار ہوئیں، اُس نے اپنے بازو سینے پر باندھ لیے۔

”اس سے کیا ہوگا؟“ اُس نے قدرے جھنجھلاہٹ کے ساتھ پوچھا۔

سائرہ کی آنکھوں میں ایک چمک آئی، اُس نے قدرے تلخی سے مسکراتے ہوئے کہا، ”تمہیں فرح کی اصلیت معلوم ہو جائے گی کہ وہ تم سے نہیں، بلکہ

تمہاری دولت سے محبت کرتی ہے۔اور پریشان مت ہوں، یہ صرف زبانی بات ہے۔

اُس کی آواز میں درد کی جھلک تھی۔

"میں بھی دیکھنا چاہتی ہوں کہ بے وفائی کرنے والوں کو جب بدلے میں بے وفائی ملتی ہے، تو انہیں کیسا لگتا ہے۔" اُس نے ایک لمحے کے لیے عباد کے چہرے پر نظریں جمائیں۔ "میں تمہارے چہرے پر بس اُس تکلیف کے اثرات دیکھنا چاہتی ہوں۔"

عباد نے ایک گہری سانس لی، اُس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ "اور تمہیں لگتا ہے، میں ایسا کچھ کروں گا؟" اُس کی آواز میں بے یقینی تھی۔

"ہاں، کرو گے۔" سائرہ نے نظریں اُس کے چہرے پر جمائے رکھیں، جیسے اُس کے دل کی گہرائیوں تک اپنی بات پہنچانا چاہتی ہو۔ "کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ کہیں اندر تمہیں بھی معلوم ہے کہ وہ تم سے نہیں، بلکہ تمہاری دولت سے محبت کرتی ہے۔اور جب اُس کو پتا چلے گا کہ تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے،تو وہ تمہیں چھوڑ دے گی۔"

عباد نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ اُس کی آنکھوں میں ناراضی کے اثرات تھے۔ "ایسا کچھ نہیں ہے اُس کو میری پراپرٹی سے کوئی کنسرن نہیں ہے۔وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" سائرہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولی، "تو پھر کر لیتے ہیں ٹیسٹ۔تم بھی مطمئن، میں بھی۔"

عباد نے ایک لمحے کے لیے سوچا، اُس کی پیشانی پر پسینہ نمودار ہو گیا۔ "لیکن اگر وہ میرے اس فیصلے کے بعد بھی مجھ سے شادی کے لیے تیار ہو گئی تو...؟" اُس نے سوچتے ہوئے کہا، اُس کی آواز میں ہچکچاہٹ تھی۔

"جیسا کہ میں کہہ چکی ہوں، میں تمہیں اپنا سب کچھ دے دوں گی۔" اُس کی آواز بھاری ہو گئی۔ "مجھے تم چاہیے تھے، جب تم ہی میرے نہیں رہے، تو ان سب چیزوں کا کیا کرنا؟"

سائرہ نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کرنے کی کوشش کی۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم آج ہی اس بے لی اور آگے کیا کرنا ہے، تمہیں بہتر پتا ہے۔" اس نے اپنی آواز کو مضبوط بنانے کی کوشش کی، مگر اس کی آنکھوں میں نمی ظاہر ہو رہی تھی۔

عباد نے سائرہ کو دیکھا جو اب اپنی آنکھوں سے نمی صاف کر رہی تھی۔ شاید وہ فرح کو پانے کے لیے خود غرض ہو رہا تھا۔اس نے سوچا۔ سائرہ نے ایک دفعہ پھر پوچھا، "بولو کیا تمہیں میری شرط منظور ہے؟" اُس کی آواز میں ایک امید تھی۔

عباد نے کچھ دیر خاموش رہ کر سائرہ کی طرف دیکھا۔ اُس کی نظریں جھک گئیں، اور اُس نے دھیرے سے کہا، "ٹھیک ہے۔" اُس کے لہجے میں ہار اور تھکن اتر آئی تھی۔

سائرہ نے ایک گہری سانس لی، جیسے اس کے دل کا بوجھ کچھ کم ہو گیا ہو۔ "امید کرتی ہوں کہ وہ میری شرط پر پورا اترے گی۔" وہ ان الفاظ کے بعد خاموشی سے کھڑی رہی، پھر دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

کمرے کی فضا میں بوجھل خاموشی چھائی ہوئی تھی، جیسے ہر چیز، ہر لمحہ اس تلخ سچائی کو جذب کر رہی ہو۔ سائرہ کی چال میں بوجھل پن تھا، جیسے ہر قدم اس کے دل پر بھاری ہو رہا ہو۔ کمرے کے ٹھنڈے فرش پر اس کے قدموں کی چاپ جیسے دل کی دھڑکن کی مانند سنائی دے رہی تھی۔

جب وہ دروازے تک پہنچی، تو ایک لمحے کے لیے رک گئی اور آہستہ سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ عباد ابھی بھی وہیں کھڑا تھا، اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، اس کے چہرے پر گہری سوچ اور الجھن کی لکیریں تھیں۔

کمرے کی دیواریں، عباد کا ساکت وجود، اور اس کے پیچھے کھڑی سائرہ — سب ہی اس لمحے کی گواہی دے رہے تھے، جیسے وہ لوگ آخری بار یوں مل رہے ہوں، ہمیشہ کے لیے بچھڑنے کے لیے۔

اس نے ایک آخری نظر عباد پر ڈالی، جیسے اس کے دل کی ہر خواہش، ہر امید اس نظر میں سمٹ آئی تھی۔ پھر اس نے دروازہ کھولا، کمرے کی خاموش فضا کو اپنی سانسوں کے ساتھ چھوڑتے ہوئے باہر نکل گئی۔ دروازہ آہستہ سے بند ہوا، جیسے اس کی اور عباد کی زندگی کا ایک باب بھی ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہو۔

☆☆☆

اگلی صبح عباد حسب معمول آفس گیا۔ وہ فرح کے آنے کا انتظار کرنے لگا، جو ابھی تک آفس نہیں پہنچی تھی۔ دوپہر ہونے والی تھی اور اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔

اس نے کئی بار فرح کے فون پر کال کی، مگر وہ مسلسل بند جا رہا تھا۔ پھر اس نے سوچا کہ کیوں نہ فرحت بیگم کو کال کرے۔

فرح اور اس کی ماں اس وقت شاپنگ کر رہی تھیں جب عباد کی کال فرحت بیگم کے موبائل پر آئی۔ ”کس کا فون آ رہا ہے؟“ فرح نے پوچھا۔ وہ اُس وقت جیولری اسٹور پر کھڑی تھیں۔

”عباد کا ہے۔“ فرحت بیگم نے کہا ”وہ شاید تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔“ کال آنا بند ہو چکی تھی۔

”میں تو موبائل صبح گھر ہی بھول آئی تھی۔“ فرح نے کہتے ہوئے کال ملائی۔

جیسے ہی عباد نے کال اٹھائی، اس نے جلدی سے اُسے آفس آنے کے لیے کہا اور پھر کال بند کر دی۔

”کیا کہہ رہا تھا عباد؟“ فرحت بیگم نے پوچھا۔

”پتا نہیں، بس ارجنٹ آفس بلایا ہے۔“ فرح نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں تھوڑی سی فکر کی جھلک تھی۔

”اچھا، اب تم جلدی جاؤ۔“ فرحت بیگم نے کہا۔

”ہاں، میں چلتی ہوں، آپ خود چلی جائیں گی۔“ فرح نے پوچھتے ہوئے اپنے لیے ان ڈرائیو کروائی۔

”ہمم“ فرحت بیگم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ فرح چلی گئی۔ اور وہ خود خریداری میں مصروف ہو گئیں۔

☆☆☆

فرح جیسے ہی عباد کے آفس میں آئی تو عباد سامنے کرسی پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ فرح نے ہمیشہ کی طرح اپنے دلکش انداز میں مسکراتے ہوئے عباد کو سلام کیا، لیکن عباد کے چہرے پر سنجیدگی اور بے چینی تھی۔

”کیا کہنا تھا آپ نے، اتنی جلدی بلایا؟ میں اماں کے ساتھ مارکیٹ گئی ہوئی تھی، شاپنگ کرنے“، فرح خوش گوار لہجے میں کہتے ہوئی اس کے عین سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا موڈ کافی خوش گوار تھا۔

عباد کچھ لمحے خاموش، پھر آہستہ آواز میں بولا، ”مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔“ فرح نے سوالیہ انداز میں بھنویں چڑھائی۔ ”تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟“ عباد نے تھوڑے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

”آف کورس“ فرح نے اپنی نشست سے ہلکا سا آگے جھکتے ہوئے کہا،

”آپ سے بے انتہا محبت کرتی ہوں۔ کیوں، آپ کو شک ہے؟“ ”مجھے نہیں، لیکن سائرہ کو ہے“، عباد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ فرح نے لاپروائی سے اپنے کندھے اچکائے، ”مجھے سائرہ کے بارے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، مجھے فرق اس بات سے پڑتا ہے کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ اور ویسے بھی، آپ، سائرہ کو چھوڑنے والے ہیں، ہیں نا؟“

عباد نے نظریں نیچی کر لیں اور تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولا،

”اگر میں اُسے نہ چھوڑوں تو؟ کیا پھر بھی تم مجھ سے شادی کرو گی؟“

فرح کی مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہو گئی۔
"نہیں"، فرح نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا۔
عباد نے اپنا سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا، "پھر تم نے پہلے مجھے اسے چھوڑنے کو کیوں نہیں کہا؟ لیکن جب میں نے تمہیں بتایا کہ جو شیئرز میری بیٹیوں کے نام پر تھے، وہ اپنے نام ٹرانسفر کروا چکا ہوں، تب تم نے کہا کہ میں سائرہ کو چھوڑ دوں"، عباد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

فرح نے گہری سانس لی۔ "آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ پہلے میں نے اس لیے نہیں کہا کیونکہ وہ آپ کی پہلی بیوی ہیں اور انہوں نے آپ کے ساتھ اتنے سال گزارے ہیں۔ مجھے ان کے لیے برا محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن جب انہوں نے میری اور میری ماں کی بے عزتی کی، تب میں نے سوچا کہ وہ کبھی بھی مجھے قبول نہیں کریں گی، اور میں اپنی ماں کی بے عزتی مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ یا تو آپ سائرہ کو چھوڑ دیں یا پھر مجھے۔"

عباد نے گہری سانس لی اور سر ہلایا جیسے اس نے سب کچھ سمجھ لیا ہو۔ "سائرہ نے طلاق کے لیے رضامندی ظاہر کر دی ہے" عباد نے تھوڑے وقفے کے بعد کہا۔

لیکن اس کی رضامندی کی کیا ضرورت ہے آپ کو؟ طلاق کا حق تو آپ کے پاس ہے۔" کہتے ہوئے فرح نے حیرت اور غصے کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا۔

عباد نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا، "ہاں، میرے پاس طلاق کا حق ہے، لیکن مجھے اس کی رضامندی کی ضرورت اس لیے ہے کیونکہ اسے یوں اچانک چھوڑ کر مزید تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ قانون مجھے یہ حق دیتا ہے، مگر میں اخلاقی طور پر اسے چھوڑنے کا فیصلہ صرف اسی وقت کرنا چاہتا ہوں جب وہ خود بھی اس کے لیے تیار ہو۔"

ہمم! فرح اسی کی طرف متوجہ تھی۔" لیکن اس کی ایک شرط ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میں اپنی تمام جائیداد اس کے نام کر دوں" عباد نے تھوڑے سخت لہجے میں کہا۔

"کیا؟" وہ چلائی، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور غصے کی چمک تھی۔ عباد کو اس کے اس ری ایکشن کی امید بالکل بھی نہیں تھی، وہ ششدر رہ گیا۔ "کیا؟ آپ نے اس کی یہ شرط مان لی؟" اس نے کہا۔

"ہاں، دراصل یہ وہ پیسہ ہے جس کے بل بوتے پر میرا کاروبار چل رہا ہے۔ وہ رقم سائرہ نے اپنا آبائی گھر بیچ کر دی تھی۔ میرے ماں باپ کی موت کے بعد سائرہ کے والدین نے ہی میری پرورش کی تھی" عباد نے اپنے لہجے میں تھوڑی نرمی لاتے ہوئے وضاحت دی۔

"لیکن یہ آپ کی محنت کا نتیجہ ہے، آپ نے خود یہ سب کچھ حاصل کیا ہے!" فرح نے جواباً کہا۔ اب اس کے چہرے کے تاثرات تھوڑے نرم ہوئے۔

"دیکھو، فرح! میں جانتا ہوں کہ میں تمہارے معاملے میں بہت خود غرضی سے کام لے رہا ہوں۔ لیکن میں نے سائرہ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ اس نے مجھے ایموشنلی بلیک میل کرنے کے لیے طلاق کی بات کی تھی، لیکن اب میں اسے واقعی طلاق دینے کے لیے تیار ہو گیا ہوں۔ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

فرح کے چہرے پر بے زاری کی لہر آئی۔ "یہ کیسی محبت ہے؟ اگر وہ آپ سے واقعی محبت کرتی تو کبھی بھی طلاق کے بدلے آپ کی ساری جائیداد نہ مانگتی۔ مجھے لالچی کہتی ہے، لیکن وہ خود کیا ہے؟" فرح نے غصے سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"وہ چاہتی ہے کہ جیسے میں نے اس کے ساتھ زندگی گزارنا شروع کی تھی، تم بھی ویسے ہی کرو۔" عباد کی آواز تھوڑی دھیمی ہوئی۔ "دراصل، اس کو لگتا ہے کہ تم مجھ سے نہیں، میری دولت سے پیار کرتی ہو۔ اور خود کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اس نے یہ شرط

رہی ہے۔"

عباد نے ایک لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی، پھر گہری سانس لیتے ہوئے کہا، "اس لیے میں نے تم کو میچ ثابت کرنے کے لیے پراپرٹی پیپر سائن کر دیے ہیں۔ اب میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو، اس وجہ سے میں نے اس کی یہ شرط ایکسیپٹ کر لی۔" اس نے پھر تھوڑا رکھ لیا۔

"اور پراپرٹی پیپر سائن کر دیے تھے۔ کل برسوں قانونی پروسیس ہو جائے گا تو پراپرٹی اس کے نام پر ہو جائے گی۔"

فرح کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اس کی وہ مسکراہٹ جو وہ عباد کے سامنے ہمیشہ سجا کر رکھتی تھی، غائب ہو گئی۔ گویا اس کے سر پر دھماکہ ہوا ہو۔

"تو پھر آپ کے پاس کیا بچے گا؟" اس نے شستہ لہجے میں پوچھا۔

عباد نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا، "وہ فلیٹ جو تمہارے نام پر ہے، اسے بیچ کر کسی اور جگہ مکان لے لیں گے۔ اس سے بزنس شروع کریں گے، یا پھر کسی جاب کے لیے اپلائی کر لوں گا۔"

"تم یہ کیسے کر سکتے ہو؟ تم نے اپنی ساری جائیداد اپنی سابقہ بیوی کے نام کیسے کر دی؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ میں نے ایسی زندگی کا خواب تو نہیں دیکھا تھا۔ میں ایسی زندگی نہیں چاہتی جس میں نہ پیسہ ہو، نہ شان و شوکت ہو۔ لیکن تم نے سب برباد کر دیا!" فرح نے بے یقینی کے عالم میں سر جھٹک کر کہا۔ "تم ایسا کرو، اس چیز کو روک دو!" فرح کی آواز میں دیوانگی کی جھلک تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تیز قدموں سے عباد کے سامنے جا کھڑی ہوئی، "میں تم سے ایسے شادی نہیں کر سکتی،" اس نے اپنا سر جھٹک کر کہا، "میں اس عباد آفندی سے شادی کرنا چاہتی تھی جو کہ امیر تھا، جس کے پاس یہ بزنس تھا۔"

فرح نے ایک لمحے کے لیے اپنی نظریں جھکا لیں، پھر تیز آواز میں کہا، "ایسے عباد آفندی سے نہیں، جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔"

اس کے لہجے میں ہلکی سی نمی اور پچھتاوا تھا، جیسے اس نے اپنی امیدیں اور خواب ٹوٹتے ہوئے محسوس کیے ہوں۔

فرح نے آج پہلی دفعہ عباد کو 'آپ' کے بجائے 'تم' کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ وہ ایسے بات کر رہی تھی گویا کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہو یا اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہو۔

"تو سائرہ ٹھیک کہتی تھی، تم مجھ سے نہیں، میری دولت سے پیار کرتی تھیں"، عباد نے دل گرفتگی کے ساتھ کہا۔

فرح نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے، مگر الفاظ اس کی زبان پر نہ آ سکے۔ عباد اس کے قریب آیا، اور اس کی گردن کو زور سے پکڑ کر بولا، "تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے دھوکا دینے کی؟ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔"

فرح نے کھانستے ہوئے اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی، لیکن عباد نے اس کا گلا مزید زور سے دبایا۔ "تم نے صرف میری محبت کرنے والی سائیڈ دیکھی ہے، میری نفرت نہیں!"

اچانک آفس کا دروازہ دھڑام سے کھلا اور سائرہ اندر آئی۔ عباد نے چونک کر سائرہ کو دیکھا اور فوراً فرح کا گلا چھوڑ دیا۔ فرح کھانستے ہوئے جلدی سے عباد سے دور ہو گئی۔

سائرہ نے ان دونوں کو دیکھا اور ایک طنزیہ مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجا لی، "تو تمہیں اس کی حقیقت معلوم چکی ہے؟" اس کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

"ویسے اس کے علاوہ بھی میرے پاس تم دونوں کو دکھانے کے لیے کچھ ہے۔" سائرہ نے اپنے پرس سے موبائل نکالا، چند کلکس کیے اور ایک آڈیو کلپ چلایا۔ آڈیو میں فرح کی آواز واضح سنائی دی، "صرف ایک کروڑ؟ جبکہ میں اربوں کی مالکن

بن سکتی ہوں!" یہ وہ ریکارڈنگ تھی جو سائرہ نے فرح کے گھر کی تھی۔

جیسے ہی ریکارڈنگ ختم ہوئی، عباد کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ غصے میں اس نے فون اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ فرح اچانک پیچھے ہٹ گئی، اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیں تھی۔ سائرہ نے فرح کی طرف دیکھا، جواب ڈر کے مارے کانپ رہی تھی۔ اس کے حواس عباد کو اتنے غصے میں دیکھ کر بحال ہوگئی۔

"اور ہاں، ایک اور چیز بتاتی چلوں،" سائرہ نے زہر خند مسکراہٹ کے ساتھ کہا، "فرح کو اس کے منگیتر نے نہیں چھوڑا، بلکہ اس نے خود اپنے منگیتر کو تمہارے لیے چھوڑا ہے۔ سوری !!! تمہاری دولت کے لیے۔"

فرح نے جلدی سے اپنا بیگ اٹھایا، اس کا دل عباد کے غصے سے لرز رہا تھا۔ وہ آفس سے باہر جانے لگی، کہ سائرہ کی آواز نے اسے روک دیا، "رک جاؤ فرح!"

سائرہ نے تنقیدی نگاہوں سے فرح کی طرف دیکھا، "تم نے کہا تھا کہ تمہارا شوہر میرے کہنے پر تمہیں چھوڑ دے گا؟ تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ لیکن میں دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہوں جو شوہر کی بے وفائی کو سینے سے لگا کر قبول کر لیتی ہیں۔

یہ سب کچھ تمہارا لوئلٹی ٹیسٹ تھا۔ عباد نے کچھ بھی میرے نام نہیں کیا، بلکہ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم میری شرائط پر پوری اتر دی تو وہ گھر جس پر تمہاری نظر تھی، وہ بھی تمہارے نام کر دوں گی۔ لیکن افسوس، عباد غلط نکلا اور میں صحیح۔"

سائرہ نے اپنی بات جاری رکھی، "تم نے اپنے ہاتھوں سے سب کچھ گنوا دیا ہے۔ وہ کہاوت تو سنی ہوگی، 'لالچ بری بلا ہے؟ تم نے اپنے لالچ میں سب کچھ گنوا دیا۔" فرح کا رنگ سفید پڑ چکا تھا۔ "میں نے تم سے کہا تھا۔ میں ہار جاؤں گی لیکن جیتنے تمہیں بھی نہیں دوں گی۔" سائرہ نے اپنا ہاتھ فرح سے ملانے کے لیے آگے بڑھایا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو مبارک ہو، تم عباد کو کھو چکی ہو... اور میرا مطلب ہے، عباد کی دولت کو۔" سائرہ نے اس کا بیگ اس کے حوالے کیا، "اب تم جا سکتی ہو۔" سائرہ نے بے نیازی سے کہا۔ فرح نے غصے سے سائرہ کو دیکھا اور پیر پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

یہ رات کا وقت تھا، اور چاروں طرف گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ستارے آسمان پر جھلملا رہے تھے، اور چاند کی مدھم روشنی زمین کو روشن کر رہی تھی۔ سائرہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی تھی، جہاں سے باہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی، سائرہ کی نظریں دور تک پھیلے ہوئے لان پر تھیں، جہاں رات کے سناٹے میں صرف ہوا کی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور عباد اندر آیا۔ اس کی آنکھوں میں شرمندگی اور لبوں پر ہلکی سی اداس مسکراہٹ تھی۔ عباد سائرہ کی جانب بڑھا اور اس کے قریب آ کر رک گیا۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک لمحہ گزرا، جس میں صرف دل کی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں۔

"تمہیں مجھے پہلے ہی یہ سب بتا دینا چاہیے تھا۔" عباد مایوسی سے کہا۔

"کیا بتاتی؟ تم تو کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔" سائرہ کہتے ہوئے پیچھے مڑی اور بیڈ پر رکھے ہوئے کاغذات اٹھائے۔ "یہ ڈائیورس پیپر ہیں، میں نے سائن کر دیے ہیں، تم بھی کر دو۔"

"تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں۔ ایم سوری، سائرہ۔" عباد نے شرمندگی کے ساتھ کہا، "مجھے خود بھی نہیں پتا چلا کہ میں کب اس کی طرف مائل ہو گیا۔ میں تم سے پہلے بھی علیحدہ ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اور اب جب مجھے اس کی سچائی معلوم ہو چکی ہے، تو میں تمہیں ہرگز ڈائیورس نہیں دوں گا۔"

"پھر میں تم سے خلع لے لوں گی، لیکن ایک

بات سمجھ لو: میں اب تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" سائرہ نے آنکھوں میں عزم کی جھلک کے ساتھ کہا۔

"ہماری بیٹیوں کے لیے بھی نہیں؟" عباد نے سوال کیا، اس کی آواز میں تشویش کا رنگ تھا۔

"تم نے اپنی بیٹیوں کے بارے میں سوچا تھا؟ جواب میں سوچوں؟" سائرہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے، میں مانتا ہوں، میری غلطی ہے۔ لیکن شادی کے ستائیس سال میں تمہارے ساتھ بہت وفادار رہا ہوں۔ غلطی تو انسان سے ہو جاتی ہے۔ میری اس غلطی کو ایک بھول سمجھ کر مجھے معاف کردو۔"

"اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو تم مجھے معاف کردیتے۔ اگر میں کسی کم عمر لڑکے سے افیئر چلاتی تو کیا تم مجھے معاف کر دیتے؟" سائرہ نے زور دیتے ہوئے کہا۔ "تمہیں پتا ہے، فرحان نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر مرد کی وفاداری کا اندازہ لگانا ہو تو اس وقت لگاؤ جب اس کے پاس بہت پیسہ ہو۔ ذرا دیکھو، ابھی دو سال ہی ہوئے ہیں، تمہارے پاس پیسہ آیا اور تم بدل گئے۔"

عباد کے چہرے پر مایوسی کے آثار پھر نمایاں ہونے لگے۔ "تم مجھے ایک شوہر کی حیثیت سے معاف نہیں کرسکتیں تو ایک دوست کی حیثیت سے معاف کردو۔ ہم دوست بھی تو رہ چکے ہیں۔"

"یہی تو مسئلہ ہے۔ صرف شوہر ہوتے تو تمہیں معاف کردیتی، لیکن میں تم سے محبت کرتی تھی۔ تم میرے اچھے دوست تھے۔ شوہر سے دھوکا دیے جانے کی امید ہوتی ہے، لیکن ایک اچھے دوست سے نہیں۔ اور رہی بات معاف کرنے کی تو میں نے تمہیں کب کا معاف کردیا ہے، لیکن ہم پہلے کی طرح نہیں رہ سکتے۔ تم نے ایک دفعہ دھوکہ دیا ہے۔ اگر کل پھر تمہاری زندگی میں کوئی اور لڑکی آ گئی، تو میں دوبارہ اس تکلیف سے گزرنا نہیں چاہتی۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم مجھے طلاق دے دو۔"

"تمہارے اس فیصلے کے بارے میں علینہ اور رباب کو پتا ہے؟" عباد نے پوچھا۔

"ہاں، وہ اس بارے میں جانتی ہیں اور وہ اس فیصلے میں میرے ساتھ ہیں۔" سائرہ نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تو تمہارا ارادہ پکا ہے، تم مجھے چھوڑ دو گی۔" عباد نے اپنے ہاتھوں کو ملا کر کہا، جیسے وہ آخری بار اپنی محبت کو زندہ کرنے کی کوشش کررہا ہو۔

"میں نے کب چھوڑا تھا تمہیں؟ تم خود ہی مجھے چھوڑنے کے لیے تیار تھے۔"

ان باتوں کے بعد ان کے درمیان دیوار کی طرح خاموشی حائل ہوگئی۔ سائرہ نے عباد کی آنکھوں میں دیکھا، جہاں پچھتاوے کے واضح اثرات تھے۔ اس کی آنکھیں التجا کررہی تھیں کہ وہ اسے چھوڑ کر نہ جائے، لیکن سائرہ کو اب ان سب چیزوں سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

یہ رات، یہ منظر، اور یہ خاموشی، سب کچھ ایک ختم ہونے والی داستان کا حصہ بن رہے تھے۔

☆☆☆

ایک سال بعد

صبح کی روشنی ہر جگہ پھیل رہی تھی۔ اور یہی روشنی ڈائننگ ہال میں چھن چھن کرتی کھڑکیوں کے ذریعے اندر داخل ہورہی تھی۔ عباد اس وقت ڈائننگ ٹیبل کی سربراہی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اخبار کیے وہ کوئی آرٹیکل پڑھ رہا تھا۔ اس وقت وہ آفس کے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اچانک فرح دندناتی ہوئی سیڑھیوں سے اتری۔ اور سیدھا عباد کی کرسی کی طرف بڑھی۔ اس کا انداز تیز اور جارحانہ تھا۔ اس نے عباد کے آگے رکھے چائے کے کپ کو پکڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ کپ کے ٹوٹنے کی آواز کمرے میں پھیل گئی اور اسی طرح اس کی کرچیاں بھی ارد گرد بکھر گئیں۔ چائے کے کچھ چھینٹے عباد کی شرٹ کے بازوؤں کو

داغدار کر گئے۔

"تم اس عورت سے کیسے شادی کر سکتے ہو؟ تم اس عورت کو میرے مقابلے میں لے کر آ رہے ہو جس کے پاس نہ شکل ہے اور نہ عقل۔" جیسے تم سے کی تھی۔ عباد نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ اور ہاں اس کے پاس بے شک شکل یا عقل نہ ہو لیکن اس کے پاس کریکٹر ہے۔ تمہاری طرح نہیں ہے وہ جو اپنے منگیتر سے منگنی توڑ کر کسی دولت مند کو اپنی محبت کے جال میں پھنسائے۔" وہ دوبارہ اخبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"عباد! آپ یہ سب کچھ بھول کیوں نہیں جاتے ہیں۔ ایک سال ہو چکا ہے ہماری شادی کو لیکن آپ ابھی تک مجھے یہی طعنے دیتے ہیں اگر یہی سب کچھ کرنا تھا تو مجھ سے شادی نہ کرتے۔" اب اس کا لہجہ نرم ہو گیا تھا۔

"میں دھوکا دینے والوں کو معاف نہیں کرتا" عباد نے کہتے ہوئے کرسی سے اپنا کوٹ اٹھایا اور اس کو پہننے لگا۔

"دھوکے باز صرف میں نہیں آپ بھی تھے۔ آپ بھی سائرہ کو دھوکا دے رہے تھے۔" فرح نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔

"ہاں اور اسی لیے تمہارے جیسی عورت کے ساتھ رہ کر اس کی سزا بھی بھگت رہا ہوں۔" عباد نے کہتے ہوئے قدم باہر کی جانب بڑھائے۔

"میرے جیسی حسین عورت بھی کسی کے لیے سزا ہو سکتی ہے۔" اس نے اپنے پیچھے فرح کی آواز سنی۔ اس نے اپنے قدم روکے اور مڑ کر فرح کو دیکھا۔

"ہاں اگر اس میں وفاداری ہی نہ ہو۔" عباد کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔ فرح نے غصے میں ڈائننگ ٹیبل پر پڑے سارے برتن نیچے گرا دیے۔

عباد نے اس دن سائرہ کے گھنے پر پیپرز سائن کر دیے اور بعد میں فرح سے شادی کر لی۔ فرح اس شادی سے خوش تھی لیکن عباد اس کو اپنی بیوی کی طرح ٹریٹ نہیں کرتا تھا۔ پیسوں کی ایک مخصوص اماؤنٹ اس کے اکاؤنٹ میں آ جاتی تھی وہ بھی صرف اتنی کہ وہ اپنی ضروریات ہی پوری کر سکتی تھی۔ اپنی ساری پراپرٹی وہ اپنی بیٹیوں کے نام کر چکا تھا۔ اس نے صرف اس سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے شادی کی تھی۔ اس بات کا اس نے سائرہ اور فرحان کے سامنے اظہار بھی کیا۔ اب ایک سال بعد وہ کسی شازمہ نامی عورت سے شادی کرنے والا تھا۔ جس کا شوہر وفات پا چکا تھا اور اب اس کی دو بیٹیاں تھیں۔ وہ اس کے آفس میں کام کرتی تھی۔ شاید یہ شادی کر کے وہ فرح کو اس کے دھوکے کی سزا دینا چاہتا تھا۔ یا شاید اپنے ضمیر کو سکون دینا چاہتا تھا۔

☆☆☆

سائرہ اور فرحان اسی پارک کی بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے جہاں فرحان نے اسے پرپوز کیا تھا۔ سائرہ نے اپنی عدت پوری کرنے کے بعد فرحان سے شادی کر لی تھی۔ چاروں طرف درختوں کی ہریالی اور بچوں کے کھیلنے کی آوازیں ایک خوش گوار سکون پیدا کر رہی تھیں۔

سائرہ نے گہری سانس لی اور آسمان کی طرف دیکھا، جہاں پرندے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ "فرحان، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ کہ ایک دن ہم یوں میاں بیوی کی حیثیت سے یہاں بیٹھے ہوں گے۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

فرحان نے سائرہ کی طرف نرمی سے دیکھا "زندگی ہمیشہ وہی نہیں ہوتی جس کے لیے ہم سوچتے ہیں سائرہ۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ ملنے پر شکر گزار ہونا چاہیے۔" فرحان نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اگر میں تمہیں شادی کے لیے پرپوز نہ کرتا، کیا تب بھی تم عباد سے طلاق لے لیتیں؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد، فرحان نے سنجیدگی

سے سوال کیا۔

"ہاں، لے لیتی،" سائرہ نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "میں شاید دھوکا معاف کر دیتی، لیکن اپنی عزتِ نفس نہیں۔ میں اس عورت کے لفظوں کی کڑواہٹ اور لہجے کی حقارت نہیں بھول سکتی۔ میری عزتِ نفس کو جس طرح فرح اور عباد نے مجروح کیا، وہ میں کبھی بھول نہیں سکتی تھی۔ میں نے عدت کے بعد تم سے شادی کا فیصلہ اس لیے کیا کیونکہ مجھے لگا کہ شاید میں تمہاری محبت اور قربت میں وہ سکون پا سکوں جو میں نے بہت عرصے سے کھو دیا تھا۔"

فرحان نے سائرہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا، اور نرم لہجے میں کہا، "میں تمہارے فیصلے کی قدر کرتا ہوں، اور میں تمہیں ہمیشہ خوش رکھنے کی پوری کوشش کروں گا۔ ہم دونوں نے زندگی میں بہت کچھ دیکھا ہے، لیکن اب ہمیں آگے بڑھنا ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرنی ہے۔"

سائرہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، مگر وہ خوشی کے آنسو تھے۔ "ہاں، فرحان۔ یہ ایک نیا آغاز ہے، اور میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

فرحان نے اس کے ہاتھ کو تھپتھپایا اور مسکراتے ہوئے کہا، "ہم دونوں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے، اور کوئی بھی چیلنج آئے، ہم اس کا سامنا ساتھ کریں گے۔"

سائرہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا، اور اس خوبصورت لمحے کی قیمت جانتے ہوئے دونوں کچھ دیر تک خاموش بیٹھے رہے، جو ان کی زندگیوں میں ایک نئے باب کا آغاز تھا۔

☆☆☆

زندگی میں انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے، مگر ہر چیز کو حاصل کرنے کے دو راستے ہوتے ہیں: ایک صحیح اور دوسرا غلط۔ جو چیز آپ کی قسمت میں ہے، وہ آپ کو مل ہی جاتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے لیے غلط راستے کا انتخاب نہ کیا جائے۔

فرح نے پیسے کی چاہت میں غلط راستہ چنا اور اس کو پیسہ نہ مل سکا دولت تو ہے، مگر وہ دولت اس کی نہیں بلکہ اس کے شوہر کی ہے، جسے وہ اپنی مرضی سے استعمال بھی نہیں کر سکتی۔ اگر وہ محنت سے کام کرتی اور اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرتی تو آج اس کے پاس خود اپنا کمایا ہوا پیسہ ہوتا۔ فرح نے شارٹ کٹ چنا اور شارٹ کٹ سے صرف شارٹ کا میابی ملتی ہے۔

عباد کو کم عمری کی کشش نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اور اس کے لیے اس نے اپنی بیوی کو دھوکا دیا جو اس کے ہر اچھے برے میں اس کے ساتھ کھڑی تھی۔ آج وہ فرح سے شادی کر چکا ہے لیکن پھر بھی وہ خوش نہیں۔ کیونکہ اس کو فرح پر یقین نہیں وہ پیسے کے لیے اپنے منگیتر کو چھوڑ سکتی ہے تو کل کو اس سے زیادہ امیر ملنے پر وہ اس کو بھی چھوڑ سکتی ہے۔

اور سائرہ اس نے عباد کو معاف کر دیا۔ لیکن شوہر کی حیثیت سے قبول نہیں کیا۔ اس کے پاس ایک بہتر چوائس موجود تھی اس لیے اس نے فرحان کو چوز کر لیا۔ اور ویسے بھی جس انسان کو آپ کی قدر نہ ہو، اس کو چھوڑنا ہی بہتر ہے سائرہ نے بھی یہی کیا۔ "حقیقی خوشی، سکون، اور کامیابی صرف سچائی، وفاداری، اور محنت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ صحیح راستے کا انتخاب کر کے ہی ہم اپنی منزل پا سکتے ہیں۔

Digest Novels Lovers Group

Digest Novels Lovers Group

حنا جاوید



آج بھی سعیدہ آپا کے گھر سے واپسی پر میرا دماغ سوچوں کے تانے بانے بن رہا تھا۔ اماں مجھے اپنے ساتھ لے ہی آتی تھیں اور واپسی پر میں اور اماں اسی بات پر بحث کرتے ہوئے آتے تھے کہ وہ مجھے کیوں ان کے گھر لے کر جاتی ہیں۔ مجھے شدید کوفت اور بے زاری ہوتی تھی۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی واپسی پر میری سوچوں کا مرکز ان کے گھر والے تھے۔

ان کی پھوہڑ بہو جس کو ذرا ڈھنگ نہیں تھا۔ آج بھی گم صم پراسراری لگ رہی تھی۔

سعیدہ آپا کی بے ڈھنگی بہو۔ ''ثریا باجی۔''

ہم ہمیشہ سے آپا کے گھر جاتے رہے تھے۔ بہت مشفق اور خوش اخلاق تھیں آپا۔ میری سوچ بھی ویسی ہی تھی جیسا سب لوگ سوچا کرتے تھے۔

آپا اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کے ساتھ رہتی تھیں۔ ہم لوگ جب آپا کے گھر جاتے تو ان کی بہو ہماری خوب تواضع کرتیں۔ وہ کم گو سی عورت تھیں۔ ان کے بچے بھی سلام دعا کے بعد یہاں وہاں ہو جایا کرتے۔ آپا آوازیں دے دے کر بلاتیں۔ وہ بات سن کر پھر اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتے۔

ان کے گھر میں سادگی کا دور دورہ تھا۔ جو بھی پکایا ہوتا، سامنے لا کر رکھ دیتیں۔ آپا چپکے چپکے مجھ سے اور اماں سے ان لوگوں کی برائیاں کرتیں۔

''پھر کمرے میں گھس گئی۔ کسی آئے گئے کا خیال نہیں۔ انسان دو گھڑی بیٹھ جائے۔ کچھ اچھا سا پکا لے۔ ذرا جو ڈھنگ ہو۔ بالکل شعور نہیں۔ اماں بادا بچپن میں مر گئے۔ تایا نے پالا۔ کچھ نہ سکھایا اس کو۔''

پھر اپنے پوتے کو آواز دیتیں۔ پوتی کو بلا کر نصیحت کرتیں۔ ہماری اماں ہنس کر کہتیں۔

''آپا ان کو آپ ہی سکھائیں۔ سلیقہ، قرینہ۔ ان کی اماں تو بالکل ہی بے عقل ہے۔''

اس پر آپا سرد آہ بھر کر رہ جاتیں۔

میں نے سنا تھا، آپا کا یہ بیٹا اچھا کماتا تھا مگر بہو کو سلیقہ نہیں تھا۔ بچے اللے تللے کرتے تھے۔ گھر میں بھی کوئی خاص ساز و سامان نہ تھا۔ نہ ہی بچوں کی کوئی خاص تعلیم و تربیت تھی۔ بس گزارہ ہو رہا تھا۔ کبھی کبھار میری طبیعت اوب جاتی۔ اور میں اماں سے کہتی۔

''میں اب ان کے گھر نہیں جاؤں گی۔ اکتاہٹ سی ہوتی ہے۔''

اماں اور آپا تو باتیں کرتی رہتیں اور میں ارد گرد کا جائزہ لیتی رہتی۔ پرانا طرز زندگی، گھر کا سادہ سا فرش، پلنگوں پر بچھی پرانی مگر صاف ستھری چادریں، پرانے برتن چھوٹا سا کچن جس کی چھت بہت نیچی تھی۔

آپا کا ایک معذور بیٹا بھی تھا جو اکثر گھر سے باہر ہی رہتا۔ لیکن جب گھر میں ہوتا، ایک اودھم مچائے رکھتا۔

وہ آپا کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اس کو مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ ایسے میں آپا کا بڑا پوتا تیمور جو گھر کے اندر ہی اپنی چھوٹی سی کریانہ کی دوکان چلایا کرتا تھا۔ وہ اپنے تایا کو سنبھالتا، چھوٹی والی پوتی کبھی پانی لے کر آتی کبھی ہوا جھلتی۔ آپا غصہ کرتیں۔

''آج اس کو دوا نہیں دی کیا؟''

بہو بدحواس ہو کر صفائی پیش کرتی۔ پھر آپا بتاتیں کہ اکثر دوا کے باوجود بھی اس کی ایسی حالت ہو جاتی ہے۔ تشویش کا اظہار کرتیں کہ میرے بعد اس کا کیا ہوگا۔

آپا کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے اور بھی تھے۔ وہ سب الگ رہتے تھے کہ گھر چھوٹا تھا۔ سب نے اپنا اپنا انتظام کرلیا تھا۔ دوسرا بیٹا دوسرے شہر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ اور یہ لوگ اتنے فرسودہ تھے کہ اب تک اسی گھر کو ٹھیک نہیں کروا سکے تھے۔

اماں جب بھی مجھے کہتیں "ذرا دیر کو آپا کے گھر چلیں گے۔"

یقین کریں میرا دم سا گھٹنے لگتا۔ مجھے ان کے گھر جانا شروع سے ناپسند تھا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہاں کوئی میری ہم عمر ساتھی نہ تھی اور مجھے آپا اور ان کے گھر والوں سے ذرا بھی انسیت نہیں تھی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی طبیعت مکدر ہو جاتی۔ ایک پرانا کنستر یا ٹین کا ڈبہ کہہ لیں۔ جو اس گھر کا ڈسپوزیبل تھا استقبالیہ پر رکھا ہوتا۔ پھر ایک راہداری سی تھی جس کی دیواروں کا پلستر اکھڑ رہا تھا۔ بائیں ہاتھ پر واش روم اور کچن۔

صحن کے اس طرف نیچے اتر کر تاریک سا کمرہ جوان کی بہو کا تھا۔ دائیں ہاتھ پر آپا کا کمرہ جس میں

ہم بیٹھا کرتے تھے۔ صحن کا ٹوٹا اکھڑا سا فرش۔ پرانا رنگ وروغن۔ مجھے بہت وحشت ہوتی تھی۔ اماں جنتی دیران کے پاس رکتیں، میں گھڑیاں گنا کرتی تھی کہ کب بھاگوں۔

ایک دو مرتبہ میں نے ان کی بہو سے اور بچوں سے بات کرنے کی کوشش کی مگر ہر بار نپا تلا جواب ملتا۔ نفی میں یا اثبات میں۔ عجیب سی شخصیات تھیں۔ ہر پہلو سے بے ڈھنگا پن واضح ہوتا تھا۔

پانی مانگو تو تازہ تازہ دھویا گلاس جو منہ تک بھرا ہوتا۔ بچی ایسے ہی ہاتھ میں لاکر پکڑا دیتی۔

میلا مائن کے پیلے ہوتے پرانے برتن۔ موٹے کانچ کے سستے والے کپ اور گلاس۔ بچیوں کے تیل چڑے بالوں میں کس کر بندھی چوٹیاں۔ بھدے بھدے اولڈ فیشن کپڑے اور چہروں پر سنجیدگی۔

ہاں مگر ایک چیز قابل تعریف تھی کہ ان سب میں بھی صفائی ستھرائی تھی۔ گھر میں گندگی نظر نہ آتی تھی۔ شاید سعیدہ آپا اس چیز میں سختی سے کام لیتی ہوں گی۔ میں سوچا کرتی۔

☆☆☆

میرے بی اے کے امتحان ہوئے تو اپنی دوست کی والدہ کے اسکول میں شوقیہ ٹیچنگ کرنے لگی۔ وہاں آٹھویں کلاس میں، میں نے قدسیہ کو دیکھا جو آپا کی بیچ والی پوتی تھی۔

میری ساتھی ٹیچر نے بتایا کہ بچی بہت ذہین ہے۔ مگر گھر میں بے چاری کو پڑھنے کا وقت نہیں ملتا۔ اس کی امی نفسیاتی ہیں۔ ہر وقت بچیوں کو کوستی رہتی ہیں۔ ان سے کام کروائی ہیں۔

قدسیہ واقعی بہت ذہین تھی اس کی عمر پندرہ سال تھی۔ اسے پڑھنے کا شوق تھا۔ گو کہ وہ اپنی عمر کے لحاظ سے چھوٹی کلاس میں تھی۔ اسے میٹرک میں ہونا چاہیے تھا۔ مگر تاخیر کے ساتھ اس کا ایڈمیشن کروایا گیا تھا۔ دوبار امی نے گھر بٹھا لیا تھا کوئی ٹیوشن نہیں، کوئی توجہ نہیں۔ پھر بھی بچی پڑھ رہی تھی۔

مجھے دیکھ کر تھوڑی کنفیوز ہو گئی۔ پڑھنے میں اچھی تھی مگر اعتماد صفر تھا، رائٹنگ بھی خراب تھی۔ میں اس پر خاص توجہ دینے لگی۔ اس کا اعتماد بحال ہونے لگا۔ تھوڑی تھوڑی باتیں کرنے لگی۔ ایسے ہی ایک دن میں نے اس سے پوچھا۔

"قدسیہ..... تم مجھ سے ٹیوشن پڑھو گی؟" خوشی اس کی آنکھوں میں ناچنے لگی۔ مسکراتے ہوئے اقرار میں سر ہلایا۔

"جی آپی، آپ امی سے پوچھ لیں۔ پھر میں شام میں آجایا کروں گی۔"

اور یوں وہ میرے پاس ٹیوشن پڑھنے آنے لگی۔ قدسیہ بہت کم بولتی تھی۔ میں اکثر بات برائے بات کچھ نہ کچھ کہتی رہتی۔ وہ "جی آپی، اچھا آپی۔ ہمم" میں بات کو نمٹا دیتی۔

ایک دن میں نے پوچھا۔ "قدسیہ! آپ کو کھانے میں کیا پسند ہے؟" تو بولی۔

"امی کے ہاتھ کے کوفتے۔"

میں نے مزاحاً کہا۔ "اگر میں بناؤں تو پسند نہیں آئیں گے؟ صرف امی کے ہاتھ کے؟" اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور اپنی کاپی پہ جھک گئی۔ میں نے کہا۔

"قدسیہ! آپ اتنا کم کیوں بولتی ہو؟" تو الٹا مجھ سے پوچھنے لگی۔

"میں کم بولتی ہوں؟"

یہاں ٹیوشن میں تو پھر بھی تھوڑی بہت ہوں ہاں میں بات ہو جاتی تھی۔ اسکول میں وہ بالکل الگ تھلگ سی رہتی نہ لڑکیوں والی شوخیاں نہ دوستیاں۔ بریک میں بھی پڑھتی رہتی۔

ایک دن میں نے اسے بہت کنفیوز دیکھا۔ وجہ شاید اس کا بغیر استری کا یونیفارم تھا۔ بار بار جھینپ کر ہاتھ سے وہ قمیص کی سلوٹیں دور کرتی نظر آئی۔ آج اس کا ہوم ورک بھی نامکمل تھا۔ شام میں جب ٹیوشن کے لیے آئی تو میں نے سرسری سا پوچھا۔

"قدسیہ! کل آپ مصروف تھیں؟"

کہنے لگی۔ "جی آپی! کل دادی کی طبیعت خراب

تھی تو انہوں نے پھپھوؤں اور تایا جان کو بلا لیا تھا اور کل ہی ہم نے مال بھی بھجوانا تھا تو صبح سے بہت بزی تھے۔ اسی لیے تو میں اپنا یونیفارم بھی استری نہیں کر پائی تھی۔" اس نے شرمندہ ہو کر وضاحت بھی کر دی۔

مجھے مال والی بات سمجھ میں نہ آئی تو اس نے بتایا کہ ہم لوگ فینسی کپڑوں پر رنگ لگانے کا کام کرتے ہیں اور سوداسلف والے کاغذ کے چھوٹے بڑے تھیلے بھی بناتے ہیں۔"

مجھے یہ سن کر بڑی حیرانی ہوئی کہ ان کے ابو کسی کمپنی میں سپروائزر ہیں۔ ساتھ ہی گھر میں کریانہ کی دکان بھی ہے پھر بھی یہ لوگ اضافی کام کرتی ہیں۔

"خیر، اچھی بات ہے۔ مہنگائی بھی تو کس قدر ہے۔" پھر میں نے سوچا۔ اور پھر جب قدسیہ کی زبانی ماں کو آپا کی طبیعت کی ناسازی کا پتا چلا تو حسب معمول مجھے اپنے ساتھ گھسیٹ کر ان کے گھر لے گئیں۔

☆☆☆

سعیدہ آپا کو موسمی بخار نے آلیا تھا۔ سینے میں انفیکشن بھی ہو گیا تھا۔ ماں کی ذرا سی طبیعت خرابی کا سن کر سارے بچے دوڑے دوڑے آتے تھے۔ تینوں بیٹیں، دونوں بہوویں اور ان کے بچے بھی موجود تھے۔ آج بڑی رونق لگی ہوئی تھی۔

آپا ہمیں دیکھ کر حسب عادت خوش ہو گئیں۔ سب سے باری باری ملوانے لگیں۔ مجھے سب کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور آج یہاں آنے پر جو کوفت ہو رہی تھی وہ بھی اس وقت دور ہو گئی۔ سب ہی لوگ اچھے لگے۔ ہنس مکھ فرحتیں، پراعتماد بچے۔ ویل مینرڈ۔ ویل ڈریسڈ۔ بچے کیئر اور خوش حال۔ مجھے سب کو دیکھ کر، سب سے مل کر دلی ان کے بارے میں جان کر بے حد خوشی ہوئی۔

"یہ میری سب سے بڑی اور پیاری نواسی ہے۔ ماشاء اللہ ڈاکٹر بن رہی ہے۔" آپا نے فخر سے تعارف کروایا۔ میں جھینپ سی گئی۔

"نانی! ابھی تو میں انٹر میں ہوں۔" اس نے گھورا اور ہم دونوں مسکرا دیں۔ پھر آپا اپنی بہو سے پوچھنے لگیں۔

"کیا ہوا؟ تھک گئیں۔" (ان کی یہ بہو دوسرے شہر میں رہتی تھی اور آج ہی آئی تھی)۔

"ارے سفر بھی تو دور کا ہے۔ لیٹ جاؤ یہیں پر۔" آپا اپنے پلنگ پر ہی جگہ بنانے لگیں۔

پھر دروازے کی طرف دیکھ کر آواز دی۔

"فاریہ..... او فاریہ۔" فاریہ قدسیہ سے بڑی والی پوتی تھی۔ بھاگ کر آئی۔

"جی دادی!"

"کیا ہوا، چائے نہیں بنی اب تک۔ کب سے کہا ہوا ہے۔ ایک ایک کام کے لیے دس بار کہنا پڑتا ہے۔"

"دادی! وہ گیس نہیں آ رہی تو سیلنڈر پر سالن چڑھا ہوا تھا۔ ابھی رکھی ہے چائے۔" فاریہ اتنی تفتیش پر سٹ پٹا گئی اور جواب دے کر رفو چکر ہو گئی۔

دس منٹ نہ گزرے تھے کہ آپا نے چھوٹی بہو کو آواز دے ڈالی۔

"ارے ثریا! بھئی چائے دے دو۔" ساتھ ہی پاس لیٹی ہوئی بہو سے بولیں۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

گل کہسار

فرح بخاری



ملنگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

"کب سے کہہ رکھا ہے، مجال ہے چائے آئی ہو اب تک۔ خود کو تو ذرا ڈھنگ نہیں، بچیوں کی بھی یہی تربیت کر رہی ہے۔ کب سے مہمان آئے بیٹھے ہیں۔ چائے کا وقت ہو رہا ہے مگر بولتے رہو۔ چلاتے رہو۔"

آخر کار فاریہ ایک ٹرے میں چائے اور بسکٹ لے آئی۔ میں نے نوٹس کیا۔ گھر میں موجود تمام لوگ چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ثریا باجی اور ان کی بچیاں مستقل کچن میں مصروف تھیں۔ مسالہ بھوننے کی خوشبو، سل بٹے پر کچھ پیسنے کی آواز، ہاون دستہ میں کچھ کوٹنے کی آواز، کھنکتے برتن اور اتنے سارے لوگوں کے لیے کھانا تیار کرتی دو بچیاں اور ان کی ماں۔

مجھے عجیب سا خیال آیا۔ قدسیہ کا مسلا ہوا یونیفارم، اس کی شرمندگی اور اس کا نامکمل ہوم ورک، ان کا وقت پر مال تیار کر کے مالک کو بھیجنا۔ اتنی گرمی میں ان لوگوں کا اکیلے تنگ سے کچن میں مصروف ہونا۔

چائے کی ذرا سی تاخیر پر آپا کا سب کے سامنے فاریہ کو جھڑکنا اور دوسری بہو سے ان کی برائی کرنا۔

ابھی میں ان ہی سوچوں میں گم تھی کہ بڑی بہو ثریا باجی کے ہاتھ کے بنے دلیے کا پیالہ لیے آپا کے پاس آ کر بیٹھ گئیں اور بولیں۔

"اماں! دلیہ کھالیں۔ آپ بہت کمزور ہو رہی ہیں۔ بلکہ اس بار تو آپ میرے ساتھ چلیں۔ ذرا ہمیں بھی اپنی خدمت کرنے کا موقع دیں ناں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ آپا کو اپنے ہاتھ سے دلیہ کھلانے لگیں۔ آپا ان کی بات سن کر نہال ہو گئیں۔ دعائیں دینے لگیں۔ پھر وہی بہانا کیا کہ۔

"میں تو چلی چلوں مگر پیچھے صفدر (معذور بیٹا) پریشان ہو جاتا ہے۔"

آپا کا یہ معذرت کرتا انداز دیکھ کر چھوٹی بیٹی بول پڑی۔

"یہ تو ہے اماں! صفدر بھائی کو یہیں سکون ملتا ہے یاد ہے جب میں آپ کو اور صفدر بھائی کو اپنے ساتھ لے کر گئی تھی تو انہوں نے کتنا واویلا کیا تھا۔ ایک دن گزارنا مشکل کر دیا تھا پھر رات گئے چھوٹے بھائی ٹیکسی لے کر آئے اور صفدر بھائی کو لے گئے تھے۔ اور ساتھ میں آپ بھی چلی گئی تھیں۔"

یہ بات کہتے ہوئے چھوٹی بیٹی نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا تو آپا لاڈ سے اسے اپنے ساتھ لپٹا کر بولیں۔

"بیٹی! تم لوگ بس یہیں آ جایا کرو۔ جب تک ماں زندہ ہے، ادھر آ کر ہی مل لیا کرو۔"

میں نے پہلی بار تجزیہ کیا کہ کتنا آسان ہوتا ہے بیمار کی عیادت کو چند پل کے لیے آ کر میٹھی باتیں کر لینا۔ تیار دلیہ پیالی میں نکال کر لگاوٹ کے مظاہرے کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے کھلانا۔ اور مریض کی صحت پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ ہمیں آپ کی کتنی فکر ہے۔ اتنی فکر کا مظاہرہ کرنا کہ گویا عیادت کو آنے والے بچے تیماردار بچوں کے مقابلے میں زیادہ محبت کرتے ہیں۔ ٹائم نکال کر آ جاتے ہیں۔

ان کے مسائل، مسائل ہوتے ہیں جبکہ ساتھ رہنے اور نبھانے والے بچوں کے مسائل کا کیا ہے، ان کے مسائل کوئی مسائل ہی نہیں۔ بلکہ مسائل سے یاد آیا ابھی کچھ دن پہلے آپا ہماری اماں سے کہہ رہی تھیں کہ کوئی شریف گھرانے کا رشتہ ہو تو بتایئے گا ہماری فاریہ کے لیے۔ بیس کی ہو رہی ہے۔ اور اس گھر میں ہے ہی کیا جو کوئی رشتے کے لیے آئے گا۔ ماں کو ذرا ڈھنگ نہیں کہ بیٹیوں کے لیے کیا کیا جتن کرنے پڑتے ہیں۔ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے باپ کو کچھ کہو تو خاموش ہو جاتا ہے۔"

اماں نے آپا کے سب سے بڑے پوتے اور نواسے کی بابت دریافت کیا تو آپا نے بتایا کہ "ان کے رشتے پہلے سے طے ہو چکے ہیں۔ خاندان میں فاریہ کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔"

اماں یہ سن کر خاموش ہو گئیں۔ میں سوچنے لگی کہ جوڑ تو ہے مگر یہ رشتہ کوئی جوڑنا نہیں چاہتا۔ ہر ایک کو خوب سے خوب تر کی تلاش جو ہے۔ مگر ایسا ہر جگہ

نہیں۔ خود ہمارے خاندان میں محبتوں کی ایسی کئی مثالیں موجود تھیں کہ بہن بھائی آپس میں ایک دوسرے کو سپورٹ کرتے تھے۔ محبتیں بانٹتے تھے۔ لیکن آپا کے گھر میں بہت کچھ عجیب تھا۔ یا شاید میں ہی زیادہ سوچ رہی تھی۔

میں مغرب کی نماز کے لیے وضو کرنے واش روم جا رہی تھی کہ کچن سے آپا کے پوتے تیمور کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"امی! کیا ہے یار۔ بریانی کے چاول صرف پانچ کلو لایا تھا دوکان کے لیے۔ آپ دوسرے چاول لے لیں۔ ضروری ہے کیا کہ وہی چاول پکائے جائیں۔ آپ نے کل سے اب تک کتنا سامان دوکان سے نکلوا لیا ہے۔ پھر ابو کہتے ہیں دوکان نقصان میں جا رہی ہے۔ ادھار پر مال لے رہے ہیں۔ آئے دن کا یہی رونا ہے۔ ابھی پھپھو جائیں گی تو دادی پھر کتنا سامان ان کے ساتھ کریں گی۔ نہ جانے پھوپھا کب تک کرایک جگہ نوکری کریں گے۔ امی یہ سب کب تک چلے گا؟"

تیمور تاسف سے کہہ رہا تھا۔ اور اس کی امی نے کیا کہا۔ یہ میں سن نہیں پائی کہ وہ ویسے ہی بہت آہستہ بولتی تھیں۔ آج کا دن میری سوچوں کو ایک نئے زاویہ کی راہ دکھا رہا تھا۔

بچیاں دسترخوان لگانے لگیں تو میں جھجکتے ہوئے کچن میں آ گئی۔

"لائیں۔ میں رکھ دیتی ہوں۔"

میں نے فاریہ کے ہاتھ سے پلیٹیں لیں تو اس نے مسکراتے ہوئے منع کیا کہ وہ لوگ کر لیں گی۔

اتنے میں ان کے ابو آ گئے۔ فروٹ کے شاپر تھامے ہوئے ان کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔

میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ شفقت سے مسکرائے اور ابو کی خیریت پوچھنے لگے۔ بڑی باجی بولیں۔

"بیٹا! یہ فروٹ کیوں اٹھا لائے ہم لوگ کل اتنا فروٹ لے کر تو آئے تھے۔ تمہاری بیگم سے اتنا نہ ہوا کہ اماں کو فریش جوس ہی نکال کر دے دے۔ اب تم یہ مزید فروٹ لے آئے۔" قدسیہ کے ابو نے ناراضی سے ثریا باجی کو دیکھا۔ بولے کچھ نہیں۔

مگر مجھے ان کا یوں اس طرح خاموش ہو جانا اچھا نہیں لگا۔ کم از کم کچھ تو کہہ دیتے کہ ثریا کل سے مصروف ہے ورنہ ہمیشہ جوس بنا کر دیتی ہے یا یہ ہی کہہ دیتے کہ۔ "باجی آپ بنائیں جوس ہم سب پیتے ہیں۔" وغیرہ وغیرہ۔

دسترخوان کچن میں لگایا گیا تھا۔ آپا کو بھی قدسیہ کے ابو کچن میں لے آئے۔ چارپائی لا کر بچھائی اور آپا کو بٹھایا۔ فاریہ نے فرش پر چادر بچھا کر دسترخوان لگا دیا تھا۔ سب بیٹھنے لگے تو چادر سمٹ گئی۔ آپا نے ثریا باجی کو ڈپٹ دیا۔

"خالی فرش پر چادر بچھا دی۔ ارے دری وری تو بچھا دیتیں کب ڈھنگ آئے گا تمہیں۔ یہ کوئی طور طریقے ہیں۔ بچیوں کو پرائے گھر جانا ہے انہیں بھی خود کی طرح بنا رہی ہو۔ بدسلیقہ، بے ڈھنگی۔"

"وہ دری اسٹور میں بکسے میں رکھی ہے۔ قدسیہ جاؤ نکال کر لاؤ۔" ان کی شرمندہ شرمندہ سی دھیمی آواز ڈانٹ میں بدل گئی۔ قدسیہ اندر جانے لگی تو بڑی پھپھو نے روک دیا۔

"اب چھوڑو۔ بیٹھ جائیں گے اسی پر۔ ویسے ہی کب سے بھوک لگ رہی ہے سب کو۔" یہ کہہ کر وہ موبائلز میں مصروف تمام بچوں کو آواز دے کر بلانے لگیں۔

میں اور اماں بھی دسترخوان پر آ گئے۔ براؤن خستہ پیاز سے سجا وائٹ والا خوشبو اڑاتا مٹر پلاؤ اور خوش رنگ کوفتوں کا سالن بنایا ہوا تھا۔

ایک ٹرے میں کھوئے سے گارنشڈ زعفرانی سویوں کا کھلا کھلا زردہ بھی رکھا ہوا تھا۔

"ارے فاریہ! چٹنی ہی پیس لیتیں مٹر پلاؤ کے ساتھ۔" چھوٹی پھپھو نے ٹوکا تو فاریہ جلدی سے بولی۔

"جی پھپھو پیسی ہے۔ فریج میں رکھی ہے۔" وہ جھٹ نہ صرف چٹنی بلکہ رائتہ اور سلاد بھی فریج سے

نکال کر لے آئی۔ اور پھر کھانے پر سب ہی موجود تھے۔ ثریا باجی اور فاریہ کے علاوہ۔

وہ گرم گرم پھلکے اتار رہی تھیں اور قدسیہ اور اس کی چھوٹی بہن کھانے کے درمیان سے اٹھ اٹھ کر پھلکے لانے کی سروس دے رہی تھیں۔

قدسیہ نے صحیح کہا تھا۔ اس کی امی بہت مزے کے کوفتے بناتی تھیں۔ اور میں حیران تھی کہ ہم جب سے آئے تھے مسلسل سل بٹے پر کچھ پیسنے کی آواز آ رہی تھی۔ تو کیا اتنے سارے کوفتے انہوں نے سل پر قیمہ پیس کر بنائے تھے؟ اف۔ یہ پرانی اماؤں کے ذائقے پر مفروضات۔

"مامی... آئس کریم ہوتی تو مزہ آجاتا۔" چھوٹی پھپھو کا بیٹا بولا تو امی نے فوراً قدسیہ کو پیسے دے کہ جاؤ تیمور سے کہو، سب کے لیے آئس کریم لے کر آئے۔ اور میں مزید پریشان سوچتی رہ گئی۔ واپسی پر اماں مجھ سے کہہ رہی تھیں۔

"جو بات ہے ثریا بے ڈھنگی ضرور ہے مگر دل سے سب کی خدمت کرتی ہے۔"

☆☆☆

دن یوں ہی گزر رہے تھے کہ اچانک سے خوش گوار سی مصروفیت آن پڑی۔ ہوا کچھ یوں کہ میرے بھائی جان کی ہونے والی دادی ساس شدید علیل ہو گئیں اور انہوں نے اپنی پوتی کی شادی کے لیے جلدی مچادی۔ ہم سب جہاں الرٹ ہوئے وہیں ایکسائٹڈ بھی ہو گئے۔

گھر کی پہلی شادی تھی اور میں اکلوتے بھائی کی اکلوتی بہن، اماں کے ساتھ گھن چکر بن کے رہ گئی۔ دو ماہ بعد شادی تھی اور وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ قدسیہ ٹیوشن پڑھنے آتی رہی تھی، مجھے مصروف دیکھ کر میرے ساتھ چھوٹے موٹے کام کروادیا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ تھوڑا وقت گزرا تو مجھے احساس ہوا کہ بچی میں سلیقہ بھی تھا اور اس کی پسند بھی اچھی تھی۔

اکثر میرے گھر کے کام بھی اپنے ذمے لے لیا کرتی تھی۔ جلدی جلدی اپنا ہوم ورک ختم کر کے میرا ہاتھ بٹانے لگتی۔ میں منع کرتی کہ مجھے اس کی مصروفیت کا اندازہ تھا مگر پھر بھی وہ زبردستی میرے ہاتھوں سے کام لے لیا کرتی تھی۔

ایک دن پودوں میں پانی ڈال رہی تھی تو پھولوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہی۔ میری اماں کو پودوں کا بے حد شوق تھا۔ انہوں نے ہمارے چھوٹے سے صحن کو مختلف قسم کے پودوں سے آراستہ کیا ہوا تھا۔ منی پلانٹ کا ایک ایک پتا صاف کرتیں۔ اس کی لڑیاں کاٹ کاٹ کر پانی کی بوتلوں میں ڈال کر انہوں نے پورے گھر میں سجا رکھی تھیں۔

موتیا کے پھولوں والے بڑے سے پودے کا خاص خیال کرتیں۔ اکثر موتیا کے پھول توڑ کر دھاگے میں پرو کر بالوں میں لگا لیتیں۔ ٹاپس میں ڈال کر کانوں میں پہن لیتیں۔ اور کچھ نہیں تو مٹی کے پیالے میں ڈال کر میری رائٹنگ ٹیبل پر رکھ دیتیں۔ میں پڑھتی تو اس کی خوشبو میرے ذہن کو مہکائے رکھتی۔

ہمارے گھر میں پانی کا مٹکا بہت ضروری تھا [illegible] کر اماں اس میں پانی بھرتیں پھر موتیا [illegible] دھاگے میں پرو کر اس کو گھڑے پر چڑھا دیتیں۔ [illegible] اماں اپنے پودوں کے ساتھ پورا پورا دن مصروف رہتیں۔

گرمیوں کی راتوں [illegible] صحن میں رات کی رانی جھمکا بیل، گلاب اور موتیے [illegible] اور ٹھنڈی ہوا پرسکون کر دیتی اور جب چاندنی [illegible] تو میں اور اماں اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹ کر خوب باتیں کرتے۔

نانی کو یاد کرتے کہ اسی طرح جب وہ حیات تھیں تو ایسی چٹکی ہوئی چاندنی میں ہمارے ساتھ لیٹ کر ہمیں قصے سنایا کرتی تھیں، پہیلیاں کیا کرتی تھیں اور میں اس حسین ماحول اور پرسکون صحبتوں میں گہری نیند سو جایا کرتی تھی۔ میرے لیے یہ سب معمول کی باتیں تھیں مگر قدسیہ کو میں نے ان سب چیزوں کو محسوس کرتے پایا۔ وہ اکثر وقت ہمارے

digestlibrary.com

یہاں گزارنے لگی۔

سعیدہ آپا اور ثریا باجی نے اسے میرا ہاتھ بٹانے کے لیے بھیج دیا تھا۔ اور ان لمحات میں مجھے اندازہ ہوا کہ بچی بہت نفیس طبع ہونے کے ساتھ ساتھ جمالیاتی ذوق بھی رکھتی تھی۔ خوشی خوشی پودوں میں پانی ڈالتی۔ پھر سارے موتیا کے پھول چن کر اماں سے پوچھ کر اسے دھاگے میں پرو کر گھڑے پر چڑھایا کرتی۔ تمام پودوں پر خوب پانی کا اسپرے کر کے پودوں میں پانی ڈال کر سارے صحن کی صفائی کرتی۔

کیاری میں لگا پودینہ، ہرا دھنیا اور کڑی پتے کے پودے دیکھ کر حیران ہوئی۔ مرچ کا پودا بھی اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ پودوں سے فارغ ہو کر چائے بنا کر صحن میں لے آتی۔

"آپی! چائے پی لیں۔" اس نے چائے بنانا مجھ سے سیکھی تھی۔ قہوہ والی دم کی چائے۔

میری اور ابو کی کتابوں کی الماری اسے بہت پسند آئی۔ مجھ سے کہنے لگی آپی مجھے بھی اس طرح کتابیں پڑھنے اور جمع کرنے کا شوق ہے۔

مجھے قدسیہ کا باتیں کرنا اچھا لگتا تھا۔ ابھی کچھ ماہ پہلے کی قدسیہ سے کتنی مختلف ہو گئی تھی۔ یہ والی قدسیہ۔ میں مسکراتے ہوئے چائے پینے لگی۔

☆☆☆

آج میں اماں اور قدسیہ شاپنگ کے لیے نکلے تھے اماں کی ہدایت پر میں نے قدسیہ کو ایک پیارا سا سوٹ بمع میچنگ جیولری اور سینڈل دلایا تھا وہ جھینپی جھینپی سی انکار کرتی رہی پھر اماں کے اصرار پر چپ چاپ اپنا شاپر تھام لیا۔

ساتھ خیریت کے تیاریاں مکمل ہو گئیں اور شادی کا دن قریب آ گیا۔ آپا، تیمور اور قدسیہ کے ابو شادی میں شریک ہوئے۔

افراتفری میں مجھے دھیان بھی نہ رہا کہ ثریا باجی اور بچیاں نہیں آئیں۔ مہمانوں کو دیکھنا، گھر میں دسیوں کام، تھکن سے چور۔ اسی طرح ولیمہ بھی ہو گیا۔

ولیمے کے بعد اگلے دن بھائی جان نے ہم سب کو سرپرائز دیا کہ ہم سب عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والے ہیں (یہ ہم نے پہلے ہی طے کیا ہوا تھا اور تیاریاں بھی کر چکے تھے کہ بھائی کی شادی کے بعد ہم بھابھی کو لے کر عمرہ کرنے جائیں گے)

یوں میں فراغت پاتے ہی پھر مصروف ہو گئی۔ چونکہ شادی میں سب سے ملاقات رہی تھی سو کسی سے پھر ملاقات نہ ہو سکی اور ہم سب ایک ماہ کے پیکج کے ساتھ عمرہ پر روانہ ہو گئے۔

یہاں آ کر ہر وقت آنکھیں نم رہتیں۔ دل شکر کے احساس سے بھرا رہتا۔ نورانیت بھرے لمحات اور روحانیت کی کیفیات میں گھرے یہ دن کب گزر گئے پتا ہی نہ چلا۔ کراچی آ کر دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شادی کے فوراً بعد تو ہم عمرہ پر روانہ ہو گئے تھے سو سب نے ہی دعوت نامے بھیجے۔ رشتہ داروں، دوستوں اور بھائی کے سسرالیوں کے یہاں دعوتیں ہی دعوتیں۔

اماں نے بھائی کے ہاتھ سب کے ہاں تبرک اور تحائف بھجوائے تو بھائی نے بتایا کہ آپا کی پوتی قدسیہ بیمار ہے۔ ہماری اماں بہت وضع دار خاتون تھیں۔ سب سے ہی ان کے اچھے تعلقات تھے۔ رکھ رکھاؤ اور وضع داری میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی۔ مگر اب روز روز کی اتنی دعوتوں سے وہ اکتا سی گئیں۔ جن سے دعوت کے لیے معذرت کی، وہ عمرہ کی خوشی میں پھول مٹھائی لیے ملنے چلے آئے۔ روز ہی آنا جانا لگا رہا۔ ہم قدسیہ کی عیادت اور آپا سے ملنے نہ جا سکے۔ نہ ہی آپا ہم سے ملنے آئیں تو اماں کو تشویش ہوئی۔ مجھ سے کہنے لگیں۔

"دوپہر میں کچھ ایسا پکا لو کہ رات کا نہ پکانا پڑے۔ پھر شام میں سعیدہ آپا کی طرف چلیں گے۔"

یہ پہلی بار تھا کہ میں دل سے رضامند ہوئی کہ۔

"جی اماں چلیں گے۔ قدسیہ کو دیکھنا ہے وہ شادی میں بھی نہیں آئی تھی۔"

☆☆☆

لیکن ہمارے جانے سے پہلے ہی خبر آ گئی کہ قدسیہ کا انتقال ہو گیا۔ میں جوں کی توں بیٹھی رہ گئی۔ یہ کیا ہو گیا۔ پھر پورے راستے مجھے قدسیہ یاد آتی رہی۔ کنفیوزسی، پھولوں کو دیکھ کر مسکراتی ہوئی، خاموشی سے اپنا کام کرتی، ہل ہل کر سبق یاد کرتی قدسیہ۔ اسے دیکھے تقریباً ڈیڑھ مہینہ ہو رہا تھا۔ اب جو دیکھا تو یقین ہی نہیں آیا کہ یہ قدسیہ ہے یا کوئی اور۔ اتنی کمزور۔ ڈیڑھ ماہ میں کیا ہو گیا کہ قدسیہ پہلے جیسی نہ رہی۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی۔ اس کی امی آج بھی گم صم سی بیٹھی تھیں، فاریہ اور اس کی چھوٹی بہن پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ پتا چلا کہ اسے ڈیڑھ ماہ قبل معمولی سا بخار ہوا پھر عدم توجہی کی وجہ سے وہ ٹائیفائیڈ کا شکار ہو گئی تھی۔ کوئی بتا رہا تھا کہ بخار نہیں اتر رہا تھا۔ آپا بے حد غم زدہ تھیں رو رہی تھیں اور بتا رہی تھیں کہ بے ڈھنگی ماں نے خیال نہ رکھا۔

میں نے بے ڈھنگی ماں کو قدسیہ کے جنازے کے پاس سکڑا سمٹا خاموش بیٹھے دیکھا۔ وہ رو نہ رہی تھی بس حسرت بھری نگاہوں سے اپنی بچی کو دیکھے جا رہی تھی جیسے۔ اسے اپنی آنکھوں میں سمیٹ لینا چاہتی ہو۔ وہاں موجود پھوپھی کی زبانی پتا چلا کہ ایک ماہ سے پیلیا جھڑوایا جا رہا تھا۔ بس اللہ کی یہی مرضی تھی۔ قدسیہ کی بڑی تائی بولیں۔

"بھئی۔ آج کل سائنس کا دور ہے اب کون ان چکروں میں پڑتا ہے۔ کسی اچھے اسپتال میں دکھاتے بچی کو۔ چلو ماں تو اس کی بے عقل ہے، اس کو شعور نہیں مگر باپ کو چاہیے تھا کہ علاج کرواتا ناں۔ مگر وہ بھی بس جو بیوی کہہ دے وہی حق ہے۔"

قدسیہ کی بند آنکھوں میں اس کی کھلی آنکھوں کا خواب آباد تھا۔ وہ پڑھنا چاہتی تھی۔ ٹیچر بننا چاہتی تھی۔ وہ چاروں بہن بھائیوں میں سب سے لائق بچی تھی۔ اپنی امی کی بہت فکر کرتی تھی۔ دادی کا خیال کرتی اور تو اور اپنے بیمار اور معذور تایا کی دیکھ بھال بھی کرتی تھی۔

میرا دل چاہا کہ میں اس کی پھوپھیوں اور تایا سے پوچھوں کہ آپا سے ہر وقت رابطے میں ہونے کے باوجود قدسیہ کی بیماری سے کوئی لاعلم تو نہ تھا تو پھر کیا وجہ تھی کہ کسی نے اس کے علاج پر زور نہ دیا۔ چلو اس کی ماں تو بے ڈھنگی تھی مگر کیا آپ میں بھی ڈھنگ نہیں تھا کہ بیمار پرسی کے بہانے آ کر اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتے اور آپا..... کیا آپا بھی بے ڈھنگی تھیں جو انہیں بھی یہ خیال نہ آیا کہ اگر اس کے والدین اس کا علاج نہیں کروا رہے تو وہی کسی طریقے سے اسے ڈاکٹر کو دکھاتیں۔ یہ سب بے ڈھنگے نہیں تھے۔ بے حس تھے۔ اور مجھے یقین تھا کہ اگر قدسیہ کو علاج کے لیے لے جایا بھی جاتا تو وہ کوئی عطائی ڈاکٹر ہوتا۔

جنازہ اٹھا تو صفدر تایا کو دورہ پڑ گیا اور اتنے لوگوں کے ہوتے وہ صرف تیمور سے سنبھلے کہ ان کو، ان ہی لوگوں کی عادت تھی۔ دوسروں نے یہ عادت ڈالی ہی نہیں تھی۔

مجھے تسلی دینی نہیں آتی تھی مگر میں پھر بھی فاریہ کے پاس جا بیٹھی جو اپنی چھوٹی بہن کو چمٹائے بیٹھی تھی۔ مجھے پاس دیکھ کر اس کی آنکھیں پھر برسنے لگیں میرے گلے لگ کر رونے لگی۔ مجھے بتانے لگی۔

"آپ نے اسے شاپنگ کرائی تھی، بہت خوش تھی وہ۔ بار بار اپنے کپڑے دیکھتی تھی ہاتھ پھیرتی تھی۔ مگر وہ کپڑے پہننا اسے نصیب نہیں ہوئے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ مزید رونے لگی اور بولی۔

"قدسیہ کو بخار تھا ہم شادی میں نہیں آ سکے۔ مجھے لگا آپ قدسیہ کو پوچھنے آئیں گی تو میں آپ سے کہوں گی کہ آپ اپنے ابو سے کہیں کہ وہ ہمارے ابو کو سمجھائیں اور ابو قدسیہ کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔ مگر پھر دیر ہو گئی اور قدسیہ..... قدسیہ چلی گئی۔"

"فاریہ کہتے کہتے سسکنے لگی۔ ایک بوجھ سا میرے سینے پر آ گرا..... تو کیا؟ کیا میں بھی بے ڈھنگی تھی؟ ان سب لوگوں کی طرح؟ جنہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم سے وابستہ لوگوں کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں۔

میں نے اپنے اطراف میں نظر دوڑائی تو خود کو

اسی ہجوم کا حصہ پایا۔ دل میں اتھل پتھل شروع ہوگئی مگر دماغ نے دلیل دی۔

ہم کتنے مصروف تھے ناں اور ہمیں پتا بھی نہیں تھا کہ قدسیہ بیمار ہے۔ ورنہ اماں کہاں رک سکتی تھیں جیسے کہ آج بھی تو ہم اس کی عیادت کو ہی آنے والے تھے۔ مگر پھر بھی مجھے یہ خیال کیوں نہ آیا کہ قدسیہ نے بڑے شوق و چاہ سے میرے تحفے کو قبول کیا تھا۔ وہ شادی میں کیوں نہ آئی۔ کاش میں ایک دفعہ پوچھ ہی لیتی۔

اس گھر میں آ کر میں ہمیشہ سوچوں میں گم رہا کرتی تھی۔ آج بھی یہی ہو رہا تھا۔

بڑی پھوپھو جو میری قدسیہ کہہ کہہ کر رو رہی تھیں ان کو قدسیہ کا پہلے خیال کیوں نہ آیا۔

آپا جو بار بار قدسیہ کو پکار کر بے ہوش ہو رہی تھیں انہیں قدسیہ کی پہلے فکر کیوں نہ ہوئی۔ ذہن میں سوالوں کی یلغار، بچوں کا شور، ثریا باجی کی گم صم سی صورت، فاریہ کا رونا، قدسیہ کا چہرہ اور میری سوچیں۔

ایک دم میرا دل گھبرانے لگا، میں ذہنی طور پر تھکنے لگی تو اماں سے گھر چلنے کا کہا۔ جواباً انہوں نے مجھے ناراض نظروں سے دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ مناسب نہیں تھا۔

میں سپارہ لے کر بیٹھ گئی۔ تلاوتِ قرآن پاک سے دل کو ڈھارس مل رہی تھی۔ میں یکسوئی برقرار رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ عورتیں باتیں کر رہی تھیں۔ میں اپنے دکھتے سر کو پکڑ کر بیٹھ گئی۔ آنسو امڈ امڈ کر آ رہے تھے۔ ایک خاتون دوسری کو بتا رہی تھیں۔

"بے چاری ثریا ہمیشہ ہی ان لوگوں کی خدمت میں لگی رہی۔ ہر وقت کی مہمان نوازی، خدمت گزاری اور قربانیاں۔ اس کے باوجود میاں اور ساس نے عزت نہ دی ثریا کو۔ پہلے بیمار سسر کی تیمارداری ان کے علاج کے اخراجات اور صفدر کی خدمت، ساس کی خدمت، نندوں کے میکے کا مان۔ ان سب کی وجہ سے بے چاری ثریا گھر میں بھی کتنے کام کرتی ہے۔ اپنے بچوں کو صحیح تعلیم تک نہ دلوا سکے یہ لوگ۔ اب بچی کی موت کا غم۔ اللہ ثریا کو صبر دے۔ اس کو اجر دے۔"

کوئی بہت صاف گو اور سلجھی ہوئی خاتون تھیں جو حق بات کر رہی تھیں۔ میں گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

☆☆☆

آج واپسی پر میری سوچ بدل چکی تھی اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ اب میں اماں کے ساتھ بار بار ان کے گھر جایا کروں گی۔ فاریہ کو امید تھی کہ میں قدسیہ کے لیے کچھ کر سکتی تھی اور مجھے یہ بھی اندازہ تھا کہ قدسیہ کے ابو میرے والدین کی بہت عزت کرتے ہیں۔ میں قدسیہ کی بیماری کے لیے کچھ نہ کر سکی تھی لیکن قدسیہ کی فیملی کے لیے بہت کچھ کر سکتی تھی۔ ہم اپنے الفاظ اور اپنے رویے سے لوگوں کی زندگیاں بدل سکتے ہیں۔ مثبت انداز میں بھی اور منفی انداز میں بھی۔

آپا نے ثریا باجی اور بچیوں کو بے ڈھنگا، پھوہڑ اور بدسلیقہ متعارف کروا رکھا تھا۔ یہ الفاظ سن کر تقریباً اکثر لوگوں کے دل و دماغ میں ثریا باجی کا یہی خاکہ بن چکا تھا۔ خود میں بھی شروع میں ایسا ہی سمجھتی اور سوچتی آئی تھی۔ مگر جب میرے سوچنے کا ڈھنگ بدلا تو لفظ ڈھنگ کا مفہوم واضح ہو گیا کہ صرف افعال میں ہی ڈھنگ کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا۔ افکار کے لیے بھی ڈھنگ درکار ہوتا ہے۔ سوچنے کے انداز کا ڈھنگ۔ بیان کرنے کا ڈھنگ، تربیت کرنے کا ڈھنگ اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کا ڈھنگ وغیرہ۔

میں نے شعور کی بیداری کے ڈھنگ کو اجاگر کرنے کی کوشش کا ارادہ کر لیا تھا۔

قدسیہ کی آنکھوں کے خواب فاریہ، سمیہ اور تیمور کی آنکھوں میں منتقل کرنے کا ارادہ۔

اماں کے ذریعے آپا کی سوچ کے ڈھنگ کو بدلنے کا ارادہ اور ثریا باجی کو ان کے حصے کی عزت اور اعتماد دلوانے کا ارادہ۔

مجھے خاموش تماشائی نہیں بننا تھا۔ اور بے ڈھنگی تو ہرگز نہیں۔

☆☆

Digest
Novels
Lovers
Group

آسیہ تنیس خان



سانحہ ایک ہی تھا لیکن اس کے اثرات اور دونوں کے احساسات مختلف تھے۔ صمید کی زندگی سے سب سے عزیز ہستی کم ہوئی تھی تو قرسم کی زندگی کی سب سے بڑی پریشانی اب نہیں رہی تھی۔

وہ دونوں چند میٹر کی دوری پر بیٹھے تھے مگر ان کے درمیان فاصلہ کئی نوری سالوں کا تھا۔ ان کی ازدواجی زندگی کا متقی کردار، اب نہیں رہا تھا تو ستم ظریفی یہ تھی کہ اب وہ دونوں بھی وہ نہیں رہے تھے جو پانچ سال پہلے تھے۔

میت کے گھر کی فضا سوگوار تھی جہاں اس وقت قرسم کا خاندان، مختلف شہروں سے آئے صمید کے رشتے دار، دفتر کے رفیق کار اور پڑوسی تعزیت کے لیے جمع تھے۔ سرگوشیوں اور دبی آوازوں میں محو گفتگو ہجوم کے بیچ ان دونفوس کے اندر دور دور تک برفیلا صحرا تھا، جہاں محبت اور تعلق کی حرارت سے خالی خاموشی اور بے رونقی تھی۔

وہ اندر فرش پر بچھی دری پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور صمید دوسرے کمرے میں دروازے کے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس پل ایک ساتھ ان کی نظریں ایک دوسرے پر پڑیں۔

"تم تو بہت خوش ہوگی، ہونا بھی چاہیے۔" صمید نے دل میں اسے مخاطب کیا۔ اپنی ماں کی وفات پر قرسم کی خوشی اسے معترض نہیں بلکہ حد درجہ دکھی کر رہی تھی اور یہ سچائی انہیں کھونے کے درد میں ایک بھاری اضافے کا سبب تھی۔

"آپ کو اب بھی میری شکل دیکھ کر ان کی اذیت اور تکلیف کا احساس کچوکے لگا رہا ہوگا۔"

قرسم نے سوچتے ہوئے اس سے نگاہ ہی نہیں ہٹائی بلکہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ ان دو حزن زدہ چہروں کے پیچھے صرف ایک موت کا دکھ نہیں تھا۔

☆☆☆

آپی نے ایک دفعہ کہا تھا، شادی ہنکوں کا کھیل ہے اور موناباجی اور وہ دونوں اس عجیب مثال پر خوب ہنسی تھیں۔

"کچھ بھی کہہ دیتی ہیں آپ۔" موناباجی نے پہلے اپنی ہنسی پر قابو پایا تھا۔

"میں یہ بات شادی کے پندرہ سال بعد کہہ رہی ہوں، جب تمہیں بھی برسوں کا تجربہ ہوگا میرڈ لائف کا تو میری بات سمجھ میں آئے گی۔" وہ کم ہی اپنے بہن بھائی کی باتوں اور مذاق کا برا مانتی تھیں۔

"خوشی اور طمانیت ہو یا مسائل اور لڑائیاں، سب ذرا سے ہنکوں سے ہی شروع ہوتی ہیں جنہیں ہم اہمیت نہیں دیتے جب تک کہ وہ اچھا یا برا پہاڑ سا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے کھڑا نہ کر دیں۔" انہوں نے کہا تھا۔

"اسی لیے ضروری ہے کہ کہیں سے بدگمانی کا ہنکا اڑتا درمیان آجائے تو فوراً ایک ہنکا یقین کا جوڑ دیا جائے ورنہ دیر ہو جاتی ہے۔"

"یہاں تو شاید بہت دیر ہوئے بھی کافی وقت ہو گیا ہے آپی!" وہ تصور میں ان سے مخاطب تھی۔

"کوئی کام ہو تو کال کر لینا۔" صمید کی آواز پر وہ چونکی۔ ماں کی وفات کے بعد آج وہ پہلی بار دفتر جا رہا تھا۔

سیاہ پینٹ، سرمئی چیک والی شرٹ، چمکتے جوتے اور سلیقے سے بنے بالوں والے اپنے پروقار اور جاذب نظر صاحب میں آج کل اس کے ماتحتوں

مکمل ناول



کو اضافی چیز چہرے کی اداسی لگتی تھی جو خود اسے محسوس نہیں ہوتی تھی۔ ایک ہاتھ میں بیگ لیے وہ دوسرے ہاتھ سے دروازے کے پاس والی کنسول میز سے گاڑی کی چابی اٹھا رہا تھا۔

باہر نکلنے سے پہلے اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس نے ہم کہتے ہوئے سر ہلایا۔

"اللہ حافظ۔" اس نے کمرہ چھوڑنے سے پہلے پست آواز میں کہا تھا۔

"میں کیوں نکلنے سے پہلے اس کے پاس نہیں گیا؟" سیڑھیاں اتر کے کار کے پاس آتے ہوئے صمید نے سوچا۔

کبھی دفتر جانے سے قبل، باہر سے آنے والی پکار یا کمرے میں بنا دستک بے دھڑک داخلے کے خوف کے باوجود پل بھر کا معانقہ اور ایک عجلت بھرا بوسہ اس کا معمول تھا۔ وقت کے بہتے دریا سے چرائے گئے وہ کبھی بھر پل اس کی ازدواجی زندگی کا حسن تھے۔ وہ اب لوٹ کر نہیں آسکتے تھے۔ گزرے وقت نے ان کے بیچ جو کھائی پیدا کر دی تھی، کیا وہ ختم ہو سکتی تھی؟

گاڑی گیٹ سے باہر نکالنے سے پہلے اس نے کھڑکی کی سمت دیکھا کہ شاید وہ وہاں کھڑی ہو اور اسے ہاتھ دکھائے لیکن کھڑکی سے پچھلی دیوار نظر آرہی تھی۔ اس نے گیئر بدل کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

گاڑی کی آواز دور ہوئی تو قرسم میز سے اس کے ناشتے کے خالی برتن اٹھا کر باورچی خانے میں آگئی۔ ایک فرد کم ہوا تھا لیکن اس کے لیے جیسے دنیا خالی ہو گئی تھی۔ اس خالی پن میں کم ہوئی شخصیت سے اپنائیت اور لگاؤ کا کوئی دخل نہیں تھا۔

اس نے کام میں معاونت کرنے والی ماسی کو چھٹی دے دی تھی کہ کام کے علاوہ اس کے پاس فی الوقت کوئی دوسری مصروفیت نہیں تھی۔ کبھی بہت لگنے والے سارے کام آج بڑی جلدی ختم ہو گئے تھے۔ اس نے زبردستی بیٹھ کر کھانا بھی کھا لیا، امی سے فون پر بات بھی کر لی اور اب بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی جو جانے کیوں اس قدر سست روی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

اس نے ڈرائنگ روم کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر خود کو یقین دلایا کہ اب وہ اس گھر کی، ہر چیز کی بلا شرکت غیرے مالک ہے، اب اسے روکنے ٹوکنے، اعتراض کرنے اور طنز کے تیر چلانے والا کوئی نہیں ہے۔ وہ اب ہمہ وقت کی تنقید سے آزاد ہے۔ اب وہ ہے اور صمید ہے مگر کسی ایک خیال پر بھی اس کے اندر جوش جاگا نہ خوشی، اندر کوئی ہلچل مچی نہ اطمینان ابھرا۔ وہ قنوطیت اور اداسی میں گھری تھی۔

اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور سوچا، ڈھنگ سے تیار ہوا جائے مگر جب پانچ منٹ تک الماری کا دروازہ کھولے کھڑے رہنے کے بعد بھی کسی ایک جوڑے کو چھونے یا نکالنے کا دل نہ کیا تو وہ پٹ بند کر کے بستر پر گر گئی۔

"ہاں! مجھے سونا ہے۔" اس وقت اس کے دل میں یہی ایک تمنا جاگی کہ وہ سو جائے۔ جانے کتنی دیر چھت کو تکتے رہنے کے بعد بالآخر وہ سو گئی۔

ناگوار سے شور پر اس کی آنکھ کھلی اس نے پہلے جانے کتنی بار بیل بج چکی تھی۔

"سوری! میں چابی لے جانا بھول گیا تھا۔" قرسم نے دروازہ کھولا تو نیند کے شاہد اس کے بکھرے بال اور متورم چہرہ دیکھ کر صمید نے کہا۔ وہ کچھ کہے بنا باورچی خانے میں چلی آئی۔ اس کی عصر اور مغرب بھی قضا ہو گئی تھی۔

پہلے اس نے چائے بنا کر صمید کو دی پھر رات کا کھانا تیار کیا۔ میز پر کھانا لگا کر صمید کو بلایا اور وہ کھانے بیٹھا تو اس سے کچھ کہے بغیر خود عشاء پڑھنے کمرے میں چلی گئی۔

صمید نے کھانے کے بعد برتن اٹھا کر اندر رکھ دیے تھے۔ وہ نماز پڑھ کر آئی تب وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اس نے برتن دھوئے اور بتیاں بجھا کر پھر کمرے میں چلی گئی۔

صمید آیا تو وہ پلنگ کے کنارے کروٹ لیے سو گئی تھی۔ وہ بہت دیر تک پاس کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

نرمی سے گال چھوتے ہی وہ جاگ جاتی اور وہ اس کے یوں جلد سو جانے پر پوچھتا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

وہ کسمسا کر اس کا ہاتھ گال سے ہٹا کر دوسرے گال کے نیچے دبا کر ایک مدہوش سا 'ہوں' کرتی اور پھر نیند کے آغوش میں ڈوب جاتی۔ وہ اپنا مقید ہاتھ چھڑانے کے بجائے وہیں بیٹھ جاتا۔ کبھی وہ اس پر کلر ڈال کر اے سی کی کولنگ بڑھا دیتا کہ اسے ایسے سونا پسند تھا یا پھر دوسری طرف اپنی جگہ لیٹ کر اسے یوں اپنی جانب کھینچتا کہ اس کی ساری نیند از جاں۔ یہ سب سنہری ماضی کے قصے تھے۔

وہ کبھی یہ سب کر سکتا تھا، کرتا بھی تھا مگر اس وقت کسی شوخ شرارت کی خواہش جاگی تھی نہ کوئی گداز سا جذبہ بیدار ہوا تھا۔ اسے اس پر غصہ بھی نہیں آیا۔ قرسم کو یونہی سوتا چھوڑ کر اس نے بتی بجھائی اور دوسرے کنارے پر جا کر لیٹ گیا۔ نیند اس کی آنکھوں سے اتنی ہی دور تھی جتنی اس کی سمت پشت کیے سوئی قرسم۔

جب ہاتھ بڑھا کر بازو والے کے شانے پر رکھنا اور اس اشارے پر کروٹ بدل کر رخ اس طرف کرنا جیسی معمولی پیش قدمیاں مشکل ترین ہو جائیں تو یہ ایک اداس اور مایوس تبدیلی کے شواہد ہوتے ہیں کہ ایک کمرے اور ایک بستر پر رہنے والوں کے مابین اب قطب شمالی اور قطب جنوبی سے زیادہ فاصلہ حائل ہو گیا ہے۔

☆☆☆

دلشاد بیگم کی وفات کو کئی دن ہو گئے تھے مگر اس گھر کا کاروبار زندگی معمول پر آنے کے باوجود یہاں سے سوگواریت رخصت نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں مشین کی طرح کام کرتے، وقت پر سو اور جاگ رہے تھے۔ وہ جذبات، احساسات عاری تھے۔

ان کے درمیان گفتگو اتنی ہی کم ہوتی گئی جتنی اس کی نیند بڑھ گئی تھی۔ اسے کوئی اور کام سوجھتا ہی نہیں تھا۔ کتنے خیال آوارہ بادل کی طرح ذہن سے گزرتے رہتے مگر کوئی ٹکتا تھا نہ برستا تھا کہ اس کے اندر کی کثافت اور پراگندگی کچھ کم ہوتی۔

وہ لاکھ کوشش کرتی تب بھی کسی ایک سوچ پر ذہن مرتکز نہیں ہو پاتا اور کچھ دیر جب توجہ دیتی تو پتا چلتا وہ بہت دیر سے خالی الذہن بیٹھی ہے۔ اس کا خود پر توجہ دینے کا بھی دل نہیں ہوتا۔

گھر کے کام نپٹاتی اور سوتی رہتی۔ دو بار امی اور موتا جی بھی اس سے ملنے آئی تھیں۔ انہوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ کچھ دن کے لیے میکے آجائے لیکن وہ اس مردہ سی حالت میں وہاں بھی نہیں جا سکتی تھی۔ اس میں اس وقت ہار پتن اور سوال جواب بھگتانے کا حوصلہ نہیں تھا۔ صرف صمید ہی نہیں کسی اور کے ساتھ بھی باتیں کرنے کا سوچ کر اس پر وحشت سوار ہونے لگتی تھی۔ اس نے صمید کی تنہائی اور ضروریات کا بہانا بنا کر میکے آنے سے معذرت کر لی۔

صمید بھی اسے ٹوکتا نہیں تھا۔ اٹھتا، تیار ہوتا دفتر جاتا، واپس آ کر کھانا کھاتا، ٹی وی دیکھتا، نماز پڑھتا اور سو جاتا۔

ماں کی بیماری سے پہلے کچھ ماہ اس نے گھر، ماں اور بیوی سے دور جاپان میں گزارے تھے۔ وہاں بھی اس کا کچھ ایسا ہی معمول تھا، فرق اتنا تھا کہ وہ دلشاد بیگم اور قرسم سے فون پر بات کیا کرتا تھا اور اب ایک ہی چھت کے نیچے ان کی آپس میں کوئی بات نہیں ہو رہی تھی۔

روز ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اس لیے حال چال اور خیر خیریت پوچھنے کی رسم بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے مقابل ہوتے اور درمیان میں بیٹھی اجنبیت منہ اتارے باری باری ان دونوں کی شکلیں تکتی رہتی۔ کبھی امنگوں سے لبریز ان کے دل خالی تھے۔

جانے کتنے دن بعد آئینے میں اپنی صورت دیکھتے ہوئے وہ چونک گئی۔ وہ خود کو اجنبی لگ رہی

digestlibrary.com

تھی۔ بے توجہی کا شکار جلد اور بالوں نے اپنا چہرہ ہی اس کے لیے نامانوس کر دیا تھا۔ پارلر تو دور اس نے سلیقے سے بال بنانا اور کپڑے پہننا بھی ترک کیا ہوا تھا۔ شاور کے بعد بال خشک کر کے لپیٹ لیتی تو وہ اگلی بار شاور لیتے وقت کھلتے۔ یہ ہی حال کپڑوں کا تھا۔ اکثر تو سارا دن ہی شب خوابی کے لباس میں گزر جاتا۔ کسی دن شلوار قمیص پہنتی تو جو ہاتھ لگتا یا سامنے دکھائی دیتا وہ نکال لیتی۔ اسے سر جھاڑ منہ پہاڑ گھومنے والی خاتون خانہ بڑی بری لگتی تھیں اور اس وقت وہ ان سے بھی بدتر حال میں تھی۔

"ایسا کب تک چلے گا؟ جب یہاں مجھے خوشی مل رہی ہے نہ سکون تو میں کیوں ہوں اس گھر میں؟ کیا میں ساری عمر یوں ہی گنوا دوں؟ میری زندگی اتنی بے وقعت تو نہیں، مجھے اپنی خواہش کے مطابق خوش رہنے اور زندگی انجوائے کرنے کا پورا حق ہے اور اگر وہ یہاں نہیں ہے تو پھر۔"

اپنے بے حال اور بے رونق عکس نے اس نے اندر کی بااعتماد اور باشعور قرسم کو جھنجھوڑا تھا۔ خالی ذہن میں بے ربط، منفی اور ضدی سے خیال کے بادل ٹھہر گئے۔

"میں کیا چاہتی ہوں۔ ہم تو اتنے دور ہو چکے ہیں کہ دوبارہ قریب ہونا ممکن نہیں لگتا، ایسی کسی کوشش کی خواہش بھی نہیں ہوتی۔ ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا ہے، پانچ سال کا ساتھ بھولنا مشکل نہیں اور پھر ہمارے بیچ بچوں والی مجبوری بھی نہیں ہے۔ خود کو دھوکا دے کر اسے گھسیٹتے رہنے سے اچھا ہے، ابھی کوئی فیصلہ کر لوں۔ میں ساری عمر ایک مجبوری اور زبردستی کا بندھن نہیں نبھا سکتی۔ ہاں میرے پاس راستہ الگ کر لینے کا اختیار ہے، میں کوئی مجبور و کمزور عورت تو نہیں ہوں۔"

اس سے روٹھ گئی سوچیں کام پر لگ گئی تھیں۔

وہ خود کو اس مقام سے نکالنا چاہتی تھی جہاں اس کی زندگی ٹھہر گئی تھی۔

"میں نے خود کو بہت نظر انداز کیا، اپنے لیے نہیں سوچا اور بدلے میں کیا ملا مجھے۔ مگر اب مجھے اپنے لیے سوچنا ہے۔" اس کے اندر اپنے لیے سوچنے اور فیصلہ کرنے کا جذبہ جاگا تھا۔

☆☆☆

اس کے والدین کو صمید کے پیام کی سب سے اچھی خوبی یہ ہی لگی تھی کہ وہ اکلوتی اولاد تھا اور سسرال کے نام پر ایک ساس تھی۔ جوانی میں بیوگی کی چادر اوڑھنے کے بعد دلشاد بیگم نے تن تنہا بیٹے کی پرورش کی تھی۔

ان کی ریاضتوں کا بیٹے نے بھی خوبصورت صلہ دیا تھا۔ صمید مرکزی حکومت کی ریونیو سروس محکمے میں ملازم تھا۔ پرکشش تنخواہ کے ساتھ مراعات اور شہروں شہروں گھومنا گھر والوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی بڑا اچھا لگا تھا۔ جب دلشاد بیگم کو بیٹے کی شادی کا خیال آیا تو یہ بھی اتفاق تھا کہ ان دنوں اس کی پوسٹنگ قرسم کے شہر رائے پور میں تھی اور انہیں رشتے داروں میں شادی نہیں کرنا تھی۔ قسمت میں لکھا تھا سو صمید کے دفتری ساتھی کے توسط سے پیام کا سلسلہ چل نکلا۔

امکانات سارے خوش کن اور مثالی تھے جس کے آگے سب کو ایک بے فکر اور آسودہ زندگی نظر آ رہی تھی۔ اس سے بڑی دو بہنیں اور بھائی شادی شدہ تھے۔ ایک بھائی کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ وہ سب سے چھوٹی تھی۔

بیاہ کے بعد جب اس نے سسرال میں قدم رکھا تو علم ہوا کہ ایک ساس سسرال کے سارے رشتوں پر بھاری ہیں۔ سسرال کی تصویر جتنی خوش نما انہیں نظر آ رہی تھی، قریب سے ویسی نہیں تھی۔

وہ شادی سے پہلے ملازمت کرتی تھی لیکن دلشاد بیگم نے بڑے پیار سے کہا تھا۔

"میں نے ساری عمر کام کیا کہ کام میری ضرورت تھا۔ اپنے بیٹے کی اچھی تعلیم اور اس کے مستقبل کے لیے میں نے بہت محنت کی تھی اور اس مقصد کے حصول میں میرا بیٹا ہی سب سے زیادہ

متاثر ہوا۔ میں اسے اتنا وقت نہیں دے سکی جتنا اس کا حق تھا۔ اس نے خالی گھر میں بہت زیادہ وقت تنہا گزارا ہے۔ اب آپ اسے میری خود غرضی کہہ لو یا محبت، میں چاہتی ہوں میری بہو در کنگ وومن نہ ہو، وہ میرے بیٹے کو پورا وقت، توجہ اور محبت دے۔ ماں کی توجہ اور محبت مجبوری میں بٹ گئی تھی لیکن بیوی کے لیے ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔"

ان کی بات سب کے دل کو لگی تھی۔ شوہر کی وفات کے بعد انہیں سرکاری نوکری ملی تھی اور وہ اب ریٹائرڈ زندگی گزار رہی تھیں۔ قرسم شادی سے قبل ایک مشہور ادارے کے ہیومن ری سورس میں شوقیہ کام کرتی تھی حالاں کہ اسے اپنا کام پسند تھا لیکن آگے کی زندگی کے خواب بھی کم حسین نہ تھے۔ اس کے لیے شادی شدہ زندگی اور شریک سفر کا ساتھ اپنے کام اور نوکری کے شوق سے زیادہ معنی خیز تھا لہٰذا اس نے بات پکی ہوتے ہی استعفیٰ دے دیا تھا۔

اور صمید کی رفاقت میں اسے اپنے فیصلے پر افسوس بھی نہیں تھا۔ وہ خوبرو، خوش مزاج، محبت کرنے والا، خیال رکھنے والا، اس کی بات سننے اور اسے اہمیت دینے والا بندہ تھا۔

کچھ رشتے اور انسان ہوتے ہیں جن کے ساتھ بہت کم وقت میں انسان مکمل کھل جاتا ہے، جھجک ختم ہو کر ایک آرام دہ اور اطمینان بخش ربط قائم ہو جاتا ہے جیسے صدیوں کا ساتھ ہو۔ ان دونوں کے ساتھ یہ ہی ہوا تھا۔ ان کا رشتہ اس لیے بھی گہرا اور خوب صورت ہوا تھا کہ شادی سے قبل ان دونوں نے کہیں دل لگایا تھا نہ کوئی ان کے دل میں جگہ بنا سکا تھا۔ ان کے رومانی سفر کا آغاز شادی کے ساتھ ہی ہوا تھا۔

اس کی کہانی نئی نہیں تھی۔ ابھی وہ ہواؤں میں ہی اڑ رہی تھی کہ دلشاد بیگم نے کمر کس لی۔ پہلے پہلے اسے لگا ان کا مزاج ہی ایسا ہے سخت سا۔ انہیں وقت کی پابندی سے لے کر، صاف صفائی اور کھانے پینے اور گھر کے سب ہی کاموں میں کمی اور خامی نظر آتی تھی۔ کوئی نہ کوئی اونچ نیچ ہوتی اور ان کا مزاج بگڑ جاتا۔ وہ ناگواری کا اظہار کرتیں تو صمید ماں کی دل جوئی کرتے ہوئے ماحول سازگار بنانے کی سعی کرتا اور وہ چپ ہو جاتی۔

"یار، امی کی بات کا برا تو نہیں لگا تمہیں؟" جب وہ کمرے میں پوچھتا تو وہ کبھی بتا نہیں پاتی کہ اسے کتنا برا لگتا ہے۔

"نہیں تو۔" نئی دلہن خوش مزاج اور جذباتی ہر سے اور کہتی بھی کیا۔

معمولی باتوں اور کاموں سے شروع ہوئی روٹین نے جلد ہی ایک مسلسل عذاب کی صورت اختیار کر لی۔ اس شہر میں ان کی جان پہچان کوئی نہیں تھی۔ پڑوسی ہی تھے جن سے دعا سلام تھی۔ صبح شام کی چہل قدمی اور باغیچے میں ملنے والوں سے گپ شپ کے علاوہ وہ کہیں آتی جاتی نہیں تھیں۔ وہ جب بھی تیار ہوتی، باہر نکلنے سے قبل انہیں اس کے کپڑوں پر اعتراض ہوتا تو کبھی میک اپ پر۔ اکثر بحث سے بچنے یا ان کا مزاج درست کرنے کے لیے صمید ایک التجائی نگاہ اس پر ڈالتا اور وہ حلیہ ان کی من مرضی مطابق بدل لیتی۔

اسے کبھی لگتا ایک طرف عمر تنہا اور شریک سفر کے بنا گزارنے کی وجہ سے انہیں ان دونوں کا ساتھ، ان کی شوخی اور ہنسی مذاق اچھا نہیں لگتا ہے تو کبھی محسوس ہوتا کہ انہیں بیٹے کی بٹی توجہ اور محبت برداشت نہیں ہوتی اور وہ بیٹے سے ایک حد تک ہی خفا ہو سکتی تھیں اس لیے سارا ملبہ اس پر گرتا ہے۔

وہ اسے اس کی تعلیم کے طعنے دینے سے بھی باز نہ آتیں کہ پڑھ لکھ کر بھی اس میں سلیقہ شعور نہیں آیا۔ ان کے نزدیک وہ ہر کام میں ماہر تھیں، انہیں ہر کام پر عبور حاصل تھا جب کہ اس کے کام بے ڈھنگے اور بد سلیقگی کی مثال تھے۔

ہر چھوٹی بڑی بات میں ان کی مثال حاضر رہتی کہ انہوں نے گھر اور کام کس عمدگی سے سنبھالا تھا کبھی کوئی اونچ نیچ یا بد نظمی نہیں ہونے دی۔

digestlibrary.com

اس نے شوہر کی خاطر اور ماحول کی بہتری کے لیے اول اول پوری کوشش کی کہ ان کی خواہش کے مطابق کام کاج کرے، اپنی کچھ عادتیں بھی بدل لیں۔ جن سے انہیں چڑ تھی، وہ کام ان کے سامنے یا انہیں باخبر رکھ کے کرنے ترک کردیے مگر نتیجہ صفر رہا۔ وہ اس کی کسی بھی کوشش کو سراہنا یا قبول کرنا تو دور خاطر میں بھی نہ لاتیں۔

پہلے اس پر اچھے شوہر اور اس کی محبت کا ایسا خمار چھایا تھا کہ وہ اس کی خاطر 'برداشت اور صبر' کے لیے خود کو تیار پاتی تھی مگر جلد ہی اس خمار پر شوہر کی والدہ کے وار بھاری پڑنے لگے۔

اسے صمید کی یہ بات اچھی لگتی تھی کہ وہ اس کے سامنے ماں کی عظمت پر لمبے لمبے لیکچر نہیں دیتا تھا۔ اس کا اس معاملے میں کچھ نہ کہنا اسے برا اور محض احساس کرنا ناکافی لگنے لگا۔ اس کا دل کرتا وہ اس کی موجودگی میں ہی ماں سے کہے کہ امی یہ آپ غلط کہہ رہی ہیں، غلط کر رہی ہیں۔ اب اسے گھر میں چل رہی ماں کی حکومت پر صمید کی خاموشی ساس کی حکومت سے زیادہ بری لگنے لگی تھی۔

جب وہ کچھ پرانی ہوئی تو اس نے ساس کی ہر بات خاموشی سے سننا بند کردی اور انہیں جواب دینا شروع کیے۔ اول اول مروت کرنے والی بہو جب کچھ وقت بعد جائز بات پر بھی منہ کھولے تو اس پر اپنی اصلیت دکھانے کا اور چہرے سے نقاب اترنے کا الزام لگ جاتا ہے۔ یہ اس کا بھی بڑا گناہ بن گیا تھا۔ انہوں نے وہ طوفان کھڑا کیا کہ وہ بھی گھبرا گئی۔

جب پہلی دفعہ صمید نے اس سے اس معاملے میں کچھ کہا اور وہ سن کر اسے بہت دکھ ہوا تھا اس سے بہتر تھا وہ معمول کی طرح خاموش ہی رہتا۔

"قرسم! میری خاطر تم امی کی باتیں برداشت کرلیا کرو پلیز۔ انہیں جواب نہ دیا کرو۔"

اور اس کے دل میں 'میری خاطر' ہی ترازو ہوگیا۔ کیا وہ بیوی کی خاطر کچھ نہیں کرسکتا؟ یہ ہی جملہ ماں سے بھی تو کہا جاسکتا تھا کہ میری خاطر قرسم کو کچھ نہ کہا کریں۔

☆☆☆

وہ ہر چند ہفتوں بعد کوئی نیا مسئلہ کھڑا کیے رہتیں۔ اس کے کام میں کوئی نقص اور کمی نہ ملتی تو وہ ایسی بات ڈھونڈ کے لاتیں کہ وہ ششدر رہ جاتی۔ جب اعتراض کے نکتے ختم ہونے لگے تو انہیں بوتا پوتی کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے یہی ذکر ہونے لگا جب کہ ان دونوں نے ابھی اس موضوع پر سوچا ہی نہیں تھا نہ انہیں جلدی تھی۔ ابھی تک اس سمت میں پیش رفت نہ ہونا ان کی مرضی اور منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا۔

ان کے اصرار پر انہوں نے دلشاد بیگم کی خواہش پوری کرنے کا سوچ لیا۔ قرسم کو امید تھی کہ شاید اس کے بعد ان کی طرف سے اسے کچھ راحت ملے گی لیکن یہاں بندوں کی مرضی سے کہاں معاملات طے پاتے ہیں۔

چھ آٹھ ماہ کے بلا نتیجہ انتظار کے بعد وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں۔

"بیوی کا انفرٹلٹی ٹریٹمنٹ شروع کرنے سے پہلے ہزبنڈ کی جانچ لازمی ہوتی ہے۔" گائنا کولوجسٹ نے کہا اور وہ صمید کو ساتھ لانے کا وعدہ کر کے واپس آگئیں۔ مگر اتنی تعلیم اور روشن خیالی کے باوجود وہ صمید کے ٹیسٹ کے لیے تیار نہیں تھیں۔

اپنی کسی سہیلی سے معلوم کرنے کے بعد انہوں نے کسی جان پہچان والی ڈاکٹر کا نمبر اور پتا لیا جو ان کی مرضی کے مطابق صرف قرسم کی جانچ اور اس کے علاج کے لیے مان گئی تھی۔

"صمید! کیا فائدہ ہماری ایجوکیشن کا اگر ہم ڈاکٹرز کی بھی نہ سنیں تو؟" اس نے صمید کے سامنے احتجاج درج کرایا۔

"تم بھی جانتی ہو امی اس معاملے میں میری بالکل نہیں سنیں گی۔ جتنی تم بے بس ہو، اتنا ہی میں بھی۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر کہہ رہا تھا اور وہ سوچ کر رہ گئی کہ وہ اس وقت کیا کیا کرا اور کہہ سکتا تھا۔

ساری جانچ کے بعد اس میں کوئی کمی یا مسئلہ نہیں نکلا۔ ان دونوں کو لگا تھا، اب یہ بات ختم ہو گئی ہے اور انہیں صبر آجائے گا۔ لیکن کچھ دن کی خاموشی کے بعد ایک اور بات نکال لائی تھیں۔ ہر تیسرے گھر کی کہانی تھی مگر ان دونوں کے لیے بالکل نئی۔

"کبھی کبھی بیوی کے نصیب میں اولاد نہیں ہوتی۔"

"عورت کے اعمال بھی تو اس کی کوکھ کو بنجر کر دیتے ہیں۔"

"بے اولادی سزا ہے اور کسی اور کی سزا تم کیوں بھگتو۔"

"ساری عمر ایک بیٹے کے لیے تیاگ دی اور اب اس عمر میں ایک نحوست کی وجہ سے اس کی خوشیوں کو ترسوں میں؟"

کچھ فقرے اور الفاظ بظاہر شدید تلخ یا برے نہیں ہوتے مگر کہنے والے کا انداز انہیں زہر میں بجھے تیر بنا دیتا ہے، دلشاد بیگم کا انداز ایسا ہی ہوتا تھا۔

وہ چن چن کے فقرے کہتیں۔ وہ غصہ ضبط کرتی اور پھر صمید کے سامنے ان کے جملے یاد کر کے رونے لگتی۔

"قسم!" اس کے پاس محبت بھری باتیں اور حدت بھری آغوش تھی مگر اسے ناکافی لگتی تھی۔

جانے دلشاد کو اس کی خاموشی مزید بھڑکا دیتی تھی یا صمید کی وارفتگی کہ انہیں ساتھ ہنستے مسکراتے دیکھ کے انہیں بے کلی لاحق ہو جاتی تھی۔ کچھ وقت بعد انہوں نے نیا شوشا چھوڑا۔

☆☆☆

"امی!" صمید کی آواز بے یقینی کی شدت سے کانپ گئی تھی۔

"ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے اور آپ بھی قسم کے ٹیسٹ رزلٹس دیکھ چکی ہیں۔"

"تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ اسے دینا ہوتا تو اب تک خوش خبری مل جاتی۔ میں مزید انتظار نہیں کر سکتی۔ تم میری ایک ہی اولاد ہو اور تمہاری اولاد دیکھنے کی حسرت لیے مرنا نہیں چاہتی میں۔ کیا تم چاہتے ہو، میں نامراد ہی دنیا سے چلی جاؤں؟" ان کی آواز رندھ گئی۔ قسم کو یقین تھا، یہ پوتا پوتی کی تمنا سے زیادہ اسے زچ کرنے کی کوشش تھی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں امی آپ۔" حسب امید یہ نشانہ چوکا نہیں تھا۔ وہ تڑپ اٹھا۔

"قسمت میں ہوا تو آپ ضرور میری اولاد دیکھیں گی۔"

"جس کی قسمت خراب ہے، اس کے بھروسے رہے تو کچھ نہیں دیکھ سکوں گی۔"

"امی!" اس نے بڑے تحمل اور نرمی سے کہا۔ "میں آپ کی خواہش اور جذبات سمجھ رہا ہوں مگر پلیز، یہ دوسری شادی والی بات آپ بھول جائیں۔"

"تمہیں اپنی خواہش کی پروا نہیں؟"

"ہے امی! لیکن دوسری شادی میری خواہش نہیں ہے۔" اس نے پہلے مرحلے پر ہی واضح کرنا مناسب سمجھا۔

"یہ ضرورت ہے بیٹا۔" وہ بھی اس کی ماں تھیں۔

"امی! ابھی یہ باتیں قبل از وقت ہیں۔" اور اندر قسم کا دل غوطے کھانے لگا۔

"تو کیا وقت آنے پر؟"

کمرے میں آیا صمید اسے یوں ساکت دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اسے امید نہیں تھی کہ اس نے سب سن لیا ہوگا۔

"قسم!" اس نے اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے۔

"یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں لیکن تمہاری تسلی اگر اسی سے ہوگی تو میرا وعدہ ہے، میں کبھی دوسری شادی نہیں کروں گا، بڑی فضول سی بات ہے یہ۔"

قسم نے اسے دیکھا۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی۔

"آنٹی نے قسم دے دی، مجبور کر دیا تب؟"

"تم پلیز، اس بے کار بات پر پریشان نہ ہو۔" اس کے چہرے پر، اس کی آنکھوں میں محبت بھری

digest library.com

یقین دہانی تھی۔
"میری زندگی میں تمہارے علاوہ کبھی کوئی نہیں آئے گا وعدہ۔" اس نے قسم کو قریب کیا۔
اس پناہ گاہ میں اسے اس اچھی بات کا یقین کرنا ہی پڑا۔ لاکھ شکایتوں اور اندیشوں کے باوجود اس کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ پر اس کا مان بڑھ گیا تھا، وہ عورت جو تھی!

☆☆☆

دلشاد بیگم پر بیٹے کے دوٹوک جواب کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اب ان کے پاس اٹھتے بیٹھتے یہ ہی ایک موضوع رہ گیا تھا۔ اس معاملے میں وہ اس قدر حساس ہوگئی تھی کہ ادھر ان کی زبان سے جملہ نکلتا اور ادھر اس کی آنکھیں بھر آتیں۔ ساری کشادہ ذہنی اور سمجھ داری کہیں غائب ہوگئی تھی۔ اس میں اور دیہات کی گنوار محدود علم اور تنگ نظر عورت میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا جو ساس سے ملنے والے بانجھ پن اور بے اولادی کے طعنے پر اپنی زندگی کو ناکام اور خود کو ناکارہ مان لیتی ہے۔ اس کی بھی دعائیں اور سجدے طویل ہوگئے تھے۔
اب گھر میں اس بات پر باقاعدہ صمید اور ان کی بحث ہوتی۔ دونوں اپنی بات پر ڈٹے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو قائل کرنا چاہتے تھے۔ مہینوں گزر گئے اور گھر کا ماحول عجیب سا ہوگیا۔ ہر کوئی اپنی جگہ افسردہ تھا۔ اس کے گھر والوں کو بھی اب اس کی بے اولادی کی فکر ہونے لگی تھی۔ اس کا کسی نہ کسی بہانے میکے جانا بڑھ گیا۔ صمید بھی اسے روکتا نہیں تھا کہ اس طرح وہ دلشاد بیگم سے دور سکون سے رہ لے اور ہر بار اس کے دل میں ایک نیا شکوہ لہرا جاتا کہ انہیں اب میرے اتنے دن دور رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔
جب دلشاد بیگم جذباتی بلیک میلنگ پر اتر آئیں تو صمید کی مشکلیں بھی بڑھ گئیں۔
"زندگی کا کیا بھروسا، تم چاہتے ہو میں یہ حسرت لے کر مر جاؤں؟ میری بے قرار روح تڑپتی ترستی رہے۔ ایسی ناجائز خواہش تو نہیں میری! اس کی تو دین بھی اجازت دیتا ہے، اتنے دکھ اور تکلیفیں جھیل کر اولاد کو پالا پوسا تو کیا اس کی اولاد کی خوشی دیکھنا میرا حق نہیں بنتا؟" وہ روتے ہوئے کہیں اور صمید ان کو دلاسے تسلی دیتا اور مناتا رہتا۔
"امی! آپ ساری خوشیاں دیکھیں گی، ایسی مایوسی اور ناامیدی کی باتیں نہ کیا کریں۔" وہ ان کا ہاتھ تھامتا اور وہ جھٹک دیتیں۔
"کہنے سے نہیں ملتیں خوشیاں، اس کے لیے ہاتھ پیر مارنے پڑتے ہیں۔"
ایسے ہی ایک دن عاجز آ کر اس نے کہہ دیا۔
"امی! اگر آپ کی یہ ہی ضد ہے تو میری بھی ایک شرط ہے۔" روتی بلکتے ہوئے بیلن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ صمید نے اس بے ہنگم شور کو نظر انداز کیا۔
"مجھے پہلے اپنا ٹیسٹ بھی کروانے دیں۔ قسم میں کوئی کمی نہیں ہے تو ہوسکتا ہے اس کی وجہ میں ہوں اور اگر ایسا ہے تو دوسری شادی کا کوئی مطلب ہی نہیں۔" اس نے اپنے طریقے سے بات ختم کی تھی۔
دلشاد بیگم ہتھے سے اکھڑ گئیں اور وہ جسے خوش ہونا چاہیے تھا، کسی اور ہی نہج پر سوچنے لگی۔ اس کی حساسیت عروج پر تھی۔ صمید کا یوں شرط رکھنا اسے اچھا نہیں لگا۔ اگر صمید بات کرنے سے پہلے اسے اعتماد میں لیتا تو نتیجہ برعکس ہوسکتا تھا۔
"اور اگر ان میں بھی سب ٹھیک ہے تو۔ وہ راضی ہوگئے ہیں۔ صاف کہتے شرم آ رہی ہے اس لیے شرط رکھ دی۔" اس نے جانے کدھر سے اس میں اس کی ہلکی سی رضامندی دیکھ لی تھی۔
ادھر دلشاد بیگم بلند آواز میں بیٹے کو لتاڑ رہی تھیں۔ انہیں یقین تھا، اولاد اسے دوسری شادی سے ہی ملنا ہے۔ مانو قسم کے نصیب میں لکھی بے اولادی کسی کو نہیں مگر انہیں دکھائی دیتی تھی۔
"میں نے امی کی ضد ختم کرنے کے لیے کہا ہے قسم!" صمید نے اس کے ہاتھ تھامے۔

اسے کہنا چاہیے تھا۔ مجھے پھر بھی اچھا نہیں لگا۔ نہ اکرم کے ساتھ کبھی دوسری شادی کے لیے ہامی بھرنے کی ضرورت نہیں تھی، میرا یقین ڈولنے لگا ہے۔ مجھے اب ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں یہ سچ ہی نہ ہو جائے۔ لیکن اس نے ایک لفظ نہیں کہا۔ بس سر جھکا کر رونے لگی اور صمید نے اسے پھر قریب کر لیا مگر زیبا کا دل قسم کو اطمینان نہیں ہوا تھا۔

اس کی خاموشی سب سے بڑا شکوہ تھی اور صمید نے اسے بیوی کا خود پر مان سمجھ لیا۔

☆☆☆

ابھی ماں بیٹے کے بیچ دوسری شادی اور شرط پر بحثیں جاری تھیں کہ اس دوران صمید کو دفتر کی طرف سے چار ماہ کے لیے جاپان جانے کا موقع مل گیا۔

"اتنے دن میں اکیلی کیسے رہوں گی صمید؟ "چھ ہفتوں میں شادی کو ساڑھے تین سال ہو جانے تھے۔ وہ سوچتی تو حیران ہوتی وقت کس قدر تیزی سے گزر گیا تھا اور اس دوران قابل ذکر کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتی تو دلشاد بیگم کے دیے زخم ہی یاد آتے تھے۔

"اکیلی کہاں، امی ہیں ناں۔ تم کچھ دن کے لیے اپنی امی کی طرف بھی چلی جانا۔" وہ لے جانے والے کپڑے الماری سے نکال رہا تھا۔ وہ ایسا بھی انجان نہیں تھا کہ اس کی اصل پریشانی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

"آپ کو برا نہیں لگ رہا، اتنے دن مجھ سے دور رہنا ہوگا؟" اس نے پوچھ ہی لیا۔

"برا کیوں لگے گا قسم سے؟" وہ الماری کھلی چھوڑ کر اس کے پاس آیا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میں تمہیں مس کروں گا۔" اس نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے بوسہ دیا۔

"لیکن فون ہے، ویڈیو کالز ہیں اور چار مہینے یوں پلک جھپکتے ہی گزر جائیں گے۔"

"میں آنٹی کے ساتھ اکیلی۔" اسے رونا آ گیا۔

"تم گھر آتی جاتی رہنا، میں امی سے کہہ دوں گا کہ اس معاملے میں روک ٹوک نہ کریں۔" اس نے حل پیش کیا۔

"گھر سے کسی کو یہاں بلا لینا۔"

وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ جائے، اسے کسی بھی طرح اسے روک لینا چاہیے تھا۔ لاڈ سے یا ناراض ہو کر مگر اس کے اندر 'جب انہیں ہی میرا خیال نہیں تو میں کیوں کہوں' منہ پھلائے براجمان ہو گیا تھا۔

اسے تسلی دلاسے دیتا، یقین دلاتا صمید آخر چلا گیا اور یہی دوری تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی جانے کے بعد فون پر رابطہ تھا۔ وہ وہاں سے بھی اس کا خیال رکھتا تھا، پیسوں کی تنگی اس نے کبھی نہیں کی تھی اب بھی اس معاملے میں اسے کوئی مسئلہ یا فکر نہیں تھی لیکن اسے یہ بات بھولی نہیں تھی کہ وہ اپنی ماں کا مزاج جانتے ہوئے بھی اسے ان کے ساتھ چھوڑ گیا ہے۔

دلشاد بیگم بھی بیٹے کے جاتے ہی زیادہ نازک مزاج ہو گئی تھیں۔ ہر دوسرے دن انہیں کسی نہ کسی وجہ سے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہوتا تھا۔ اس کی تنہائی کا خیال کر کے اکثر اس کے گھر والے ملنے آ جاتے تو ان کی طبیعت پر یہ بھی گراں گزرتا۔ اسے لگتا وہ اسے تنگ اور زچ کرنے کے لیے بیماری کا ڈھونگ کرتی ہیں۔ صمید سے اس کی گفتگو معمول کی ہوتی لیکن اب وہ بہت سی باتیں اپنے اندر رکھنے لگی تھی۔

"کیا فائدہ جب انہیں احساس اور پروا نہیں۔" سارا وقت یہ خیال اس پر حاوی رہتا اور دل کی افسردگی جو کبھی صمید کی قربت میں، اس کی باتوں سے غائب اور ختم ہو جاتی تھی اب دائمی ہونے لگی تھی۔ شکوے اور بدگمانیاں جو اس کے ہونے سے کمزور پڑ جاتی تھیں اب منہ زور ہو گئی تھیں۔ اس کا چار ماہ کا دورہ مزید چار ماہ کے لیے بڑھ گیا تھا مگر اس دوران وہ تین دن کے لیے ان سے ملنے آگرہ گیا تھا۔

digest library.com

اب یوں ہوتا ہے دلشاد بیگم کی زبان چلتی رہتی کبھی بیٹے کی یاد میں، کبھی اس کی خامیوں اور برائیوں پر تو کبھی اپنی بدنصیبی پر۔ اب وہ تنہا بیٹھیں اپنے خیالات بلند آواز میں بیان کرتی تھیں۔ قرسم عادی ہوگئی تھی۔ اس دوران اس نے بھی خود کو مصروف رکھنے 'فری لانسنگ' شروع کردی تھی۔

پھر بھی اس کے لیے وقت رک سا گیا تھا کہ وہ ایک سی کیفیت اور حالات میں گھری تھی۔ دلشاد بیگم کے ساتھ ہر دن پہلے سے زیادہ مشکل ہوتا جارہا تھا اور دور بیٹھے شوہر کے پاس وہی باتیں اور وہی سوال تھے جن میں اس کی دلچسپی گھٹتی جارہی تھی۔

جلد ہی واضح ہوا کہ دلشاد بیگم کی بیماریاں ڈھونگ نہیں تھیں۔ ڈاکٹر کے تجویز کردہ کچھ ٹیسٹ کی نتائج اچھے نہیں تھے۔ اس نے صمید کو بتایا اور وہ سب سمیٹ کر اگلے پانچ دنوں میں واپس آگیا۔ ابھی وہاں اس کے قیام کا وقفہ باقی تھا لیکن ماں سے بڑھ کر کچھ نہ تھا۔

وہ پستان کے سرطان میں مبتلا تھیں۔ واپس آنے کے بعد وہ اسپتال کے چکر اور ماں کی خدمت میں ہی گھن چکر بنا رہا۔

دفتر کے بعد اس کا باقی سارا وقت دلشاد بیگم کے ساتھ گزرتا تھا۔ زیادہ وقت وہ کئی دن کے لیے اسپتال میں داخل ہوتی تھیں۔ اس کے اندر انہیں یوں چھوڑ جانے کا احساس جرم بھی تھا۔ اسے لگتا کہ اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو جلد اس کا پتا لگ سکتا تھا۔ اسے کبھی قرسم پر بھی غصہ آنے لگتا یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے ہمیشہ انہیں بروقت طبی مدد اور سہولت پہنچائی تھی، اس کا دل قرسم کو بھی قصور وار گردانے لگتا۔ اس کا لاشعور اس طرح اپنا بوجھ اور احساس جرم کم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ماں کی محبت اور اپنے احساس جرم اور اس کی تلافی میں وہ بیوی سے غافل ہوتا گیا۔ یہ ایسا وقت بھی نہیں تھا کہ قرسم شکایت کرتی۔ وہ بیٹے کا فرض پورا کررہا تھا اور ان کی آخری سانس تک وہ ان کی خدمت کرتا رہا۔ اس کی زندگی میں دفتر اور ماں کے علاوہ کچھ تیسرا تھا ہی نہیں۔

آخری دنوں میں اس نے دفتر سے لمبی چھٹیاں لے لی تھیں۔ وہ بھی ان کے درمیان سے یوں ہٹ گئی مانو کبھی تھی ہی نہیں۔ دلشاد بیگم کو اس حال میں بھی اس پر غصہ آتا تھا۔ بیماری اور دواؤں نے ان کا مزاج مزید چڑچڑا کردیا تھا۔ آخر میں تو ان میں تواناٹی بھی نہ وہ بول سکتی تھیں۔ اس کا دل ماں بیٹے دونوں کو دیکھ کر دکھتا تھا۔

☆☆☆

جس دن ڈاکٹر نے ان کی زندگی کے بقیہ دنوں کی گنتی بتائی تھی، وہ گھر آکے روتا رہا تھا۔ قرسم نے پہلی بار کسی مرد کو یوں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کے روتے دیکھا تھا۔

''کاش! میں جاپان نہ جاتا تو ایسی لاپروائی نہ ہوتی۔'' اس کی آواز ملال سے چور تھی۔

''یہ قسمت کی بات ہے صمید! آپ خود کو دوش نہ دیں۔'' اس نے تسلی دی۔

''کیسے دوش نہ دوں؟ وہ میری ذمہ داری تھیں۔ کوئی اور ان کا میری طرح خیال نہیں رکھ سکتا۔ اگر میں یہاں ہوتا تو یہ مرض جلد ڈائگنوس ہوسکتا تھا تو۔'' وہ کہہ رہا تھا اور قرسم بے اختیار اس سے دور ہوئی۔

''آپ کہہ رہے ہیں میں نے ان کا خیال نہیں رکھا؟ مرض کی تشخیص میں دیر میں نے کی؟''

''میں یہ نہیں کہہ رہا تھا مگر تم جو کہہ رہی ہو، وہ غلط بھی نہیں ہے۔'' وہ تھکا سا گویا ہوا اور قرسم کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

''یہ الزام ہے صمید مجھ پر۔'' اس کی آواز تیز ہوگئی تھی۔

''انہیں اکیلے میں نے کیسے برداشت کیا میں جانتی ہوں، ہر ہفتہ انہیں اسپتال لے کر دوڑی ہوں، ان کی باتیں، ان کا بگڑا مزاج سب میں نے سہا ہے تم تو وہاں دور بیٹھے مزے کررہے تھے جب کہ۔''

''میں مزے کر رہا تھا۔'' اس نے حیرانی سے ہاتھ سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔

''واہ! اور اس لیے تم اس کا بدلہ امی سے لے رہی تھیں۔''

''آپ میری بات کو غلط رنگ دے رہے ہیں۔''

''ابھی تم نے خود اپنی زبان سے کہا ہے کہ تم برداشت کر رہی تھیں، سہہ رہی تھی اور یہ فطرت ہے کہ انسان مشکلوں اور بوجھ سے چھٹکارے کی کوشش کرتا ہے، تم نے سوچا ہوگا، اچھا ہی ہے جلد جان چھوٹے۔'' اس کا غصہ بتدریج بڑھ رہا تھا۔

''یہ۔ یہ دے رہے ہیں آپ مجھے۔'' اس کی آواز دکھ اور غصے سے کانپ رہی تھی۔ ''اتنے سال میں نے اتنا سب برداشت کیا، آپ کی خاطر اتنا کچھ سہا۔''

''تمہیں لگتا ہے صرف تم نے برداشت کیا اور سہا۔؟ تمہاری خاطر میں نے کچھ نہیں کیا؟ آج دونوں ہی کچھ دل میں نہیں رکھنا چاہتے تھے۔

''کیا کیا آپ نے صمید؟ ساری قربانیاں اور خاموشیاں میری ہیں، اس رشتے میں اول دن سے صرف میں پس رہی ہوں۔''

''یہ قرسم۔ یہ ہی تمہاری غلط فہمی ہے کہ تم اور صرف تم نے قربانی دی۔ برداشت کیا اور اسی زعم میں تم نے امی کو نظر انداز کیا۔'' وہ ہاتھ اٹھا کے کہتا اسے اور اشتعال دلا رہا تھا۔

''اور آپ کس زعم میں مجھے گھر میں تنہا چھوڑ کے گئے تھے؟ اس کے بعد اتنا بڑا الزام کہ میں نے جان بوجھ کر آنٹی کا خیال نہیں رکھا، ان کی اس حالت کی ذمہ دار میں ہوں۔''

''یہ سچ ہے کہ میں یہاں ہوتا تو اتنی دیر نہیں ہوتی اور۔'' وہ بھی غصے میں ہی تھا۔

''ہاں تو رہنا چاہیے تھا آپ کو یہاں، کیوں چھوڑ کر گئے تھے انہیں میرے پاس، آپ کی ماں تھیں لاپروا نہیں۔'' قرسم کو احساس نہیں تھا وہ چیخ رہی تھی۔

''یہ ہی۔ یہ ہی تمہاری سوچ کہ وہ صرف میری ماں ہے، تمہاری غفلت کی وجہ ہے۔''

''میں نہیں آپ غافل تھے۔''

''ہاں اور اس غلطی کی سزا اب عمر بھر بھگتوں گا، یہ افسوس میری زندگی کا داغ بن گیا ہے کہ کیوں انہیں تمہارے بھروسے چھوڑ گیا تھا۔'' صمید کی آواز اس سے بلند تھی۔

''واہ صمید! میں نے اتنا کچھ چپ چاپ سہا، یہاں تک کہ آپ کی ٹیسٹ والی شرط پر شادی کی بات بھی سہہ گئی اور آپ مجھ پر یہ تہمت لگا رہے ہیں، آپ کو میری قربانیاں، میرا صبر دکھائی نہیں دیا۔''

''شادی والی بات صرف تم سہہ گئیں؟ کبھی سوچا، میں نے تمہاری وجہ سے اپنی ماں کو اس خوشی سے محروم رکھا۔ کیا پتا دوسری شادی سے انہیں وہ خوشی مل جاتی، وہ یوں حسرت لیے دنیا سے نہ جا رہی ہوتیں۔''

قرسم کے اندر یک بیک سب کچھ ڈھے گیا۔

یہ ان کی زندگی کی پہلی شدید اور چیخنے چلانے والی لڑائی تھی۔ اس کے بعد ان دونوں نے ضروری کام کے علاوہ کوئی بات نہیں کی یہاں تک کہ سرجری اور کیموتھیراپی کے باوجود، تشخیص کے سات ماہ اور دو ہفتے بعد دلشاد بیگم نے ہمیشہ کے لیے زندگی ہار دی۔

☆☆☆

صمید ڈرائنگ روم کے صوفے سے اسے باورچی خانے میں کام کرتے دیکھ رہا تھا۔ گھر میں ہمیشہ تین بندے تھے۔ جب اس کی شادی ہوئی تب اس شہر میں پوسٹنگ کو زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ اجنبی شہر اور اجنبی لوگ تھے، لہٰذا پڑوس کے علاوہ دلشاد بیگم شاذ ہی کہیں آتی جاتی تھیں۔ ایسے میں ان سے نظر بچا کر خوبصورت پل چرانے اور شرارت کرنے میں اسے مزہ آتا تھا۔

یہ مسروقہ لمحے بڑے موہنے ہوتے تھے۔ قرسم

digestlibrary.com

ڈرتی تھی کہ سایں کسی دن پکڑ ہی نہ لیں مگر اس کا ساتھ بھی دیتی تھی۔ صبح چائے کا کپ رکھنے کے بہانے باورچی خانے میں جا کر چھیڑ خانی ہو یا ٹی وی دیکھتے ہوئے صوفے کے پیچھے سے ہاتھ اس کی گردن تک لے جانا۔

اسے سب کچھ یاد آ رہا تھا لیکن ان گم گشتہ لمحوں کی یاد نے بھی اس وقت اس کے اندر اٹھ کر قرسم کے پاس جانے کی خواہش کو برانگیختہ نہیں کیا تھا۔

اس کی واپسی جن حالات میں ہوئی تھی وہ مشکل اور آزمائش کا وقت تھا۔ اس کے بعد ماں کا جانا بھی بڑا سانحہ تھا۔ ایک دوسرے کی پروا کرنے والے مصیبت کی گھڑی میں قریب ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے کی لیے ہمت اور کشتی بن جاتے ہیں مگر ان دونوں کے ساتھ ایسا نہیں ہو سکا تھا۔ ان کی شادی شدہ زندگی کی سب سے بدصورت تلخ کلامی اور لڑائی اس دور میں ہوئی تھی۔

اس کے بعد وہ دور اور دور ہوتے گئے اور اب تو جیسے اجنبی ایک چھت تلے رہ رہے تھے۔ دفعتاً اسے بے چینی نے گھیر لیا۔

"قرسم!" اس نے کھڑے ہو کر بے اختیار پکارا۔

وہ مڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ بنا سوچے سمجھے پکارنے کے بعد اب اس کا ذہن ایک دم خالی ہو گیا تھا۔ اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔

"ابھی یاد آیا، مجھے کسی کام سے باہر جانا ہے، کھانے کے لیے ویٹ مت کرنا۔" اس نے کہا اور کار کی چابی لیے باہر نکل گیا۔

قرسم نے گہرا سانس لے کر تازہ گوندھے آٹے کو دیکھا پھر ہاتھ دھو کر اسے فریج میں رکھنے کے لیے ڈبہ نکالنے لگی۔ اسے برا لگا تھا نہ کوفت ہوئی تھی۔

"اچھا ہی ہے جاگنے اور ساتھ بیٹھ کر کھانے سے بچت ہو گئی۔" ساری بتیاں بجھا کر خواب گاہ میں آتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

راستوں پر دوڑ رہی کار کے ہمراہ اس کی سوچیں بھی دوڑ رہی تھیں۔

"ہم کب اور کیسے اس مقام پر پہنچ گئے؟"

آج وہ حیران تھا حالاں کہ یہ چند دنوں میں نہیں ہوا تھا۔

"اب تو کوئی مسئلہ نہیں رہا پھر ہم نارمل کیوں نہیں ہو رہے ہیں؟ یہ فاصلہ ہم سے سمٹ کیوں نہیں رہا؟ ہم اسے ختم کر کے دوبارہ پہلے جیسے ہو سکتے ہیں لیکن یہ اتنا مشکل کیوں لگ رہا ہے؟ یہ تو آئیڈیل سچویشن ہے قرسم اور میں۔ لیکن۔ یا اب وہ موڑ آ گیا ہے۔؟ نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ مانا ہمارے بیچ بہت کچھ ٹھیک نہیں لیکن ایسا بھی نہیں کہ اسے سنبھالا نہ جا سکے، یہ ٹھیک نہ ہو سکے۔ مجھے قرسم کی ضرورت ہے۔ ضرورت۔؟" خیال کی بہتی کشتی اچانک ہچکولے کھانے لگی۔

"ہمارا تعلق ضرورت کا تو نہیں۔ مجھے قرسم سے محبت تھی۔ مجھے اب بھی اس سے محبت ہے مگر۔" اس مگر کے آگے ایک الجھن تھی، اس کے اندر جذباتی سطح پر کشمکش تھی وہ قرسم کی طرح کورا اور خالی نہیں تھا۔

"محبت۔ صرف یہ کافی بھی نہیں ورنہ ہم یوں اجنبی نہ ہوتے۔ پھر کیا پیچھے چھوٹ گیا ہے۔ کیا مسنگ ہے۔؟" اس نے سر پیچھے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

تصور اسے وہ سب دکھانے لگا جو پیچھے چھوٹ گیا تھا۔ پانچ سالوں میں فاصلے اور مسافت گویا پانچ صدیوں کی تھی۔ کچھ باتوں کی اہمیت کا ادراک ان کے گزر جانے، بیت جانے سے ہی مشروط ہوتا ہے اور بند آنکھوں کے کناروں پر ابھرتی نمی اس شرط کے پورا ہونے کی غماز تھی۔

دلشاد کی بیماری کے دوران وہ مکمل طور پر باقی چیزوں سے بے گانہ ہو گیا تھا مگر اس دوران اسے قرسم کی چپ غصہ دلاتی تھی۔

یہ احساس کہ وہ پل پل ماں کو خود سے ہمیشہ کے لیے دور ہوتے دیکھ کر اندر ہی اندر کہیں خود بھی مر رہا ہے تو وہیں قرسم اس دن کی منتظر ہے۔

بعد میں وہ یہ خیال جھٹک کے خود کو سرزنش بھی کرتا تھا لیکن یہ اور اس قسم کی منفی اور تکلیف دہ سوچوں سے بچ کبھی نہیں پاتا تھا۔ اس کے اندر قرسم کی بے حسی پر غصہ تھا۔

وہ چاہتا تھا وہ بھی اس کی ماں کے پاس آئے، بیٹھے، وقت گزارے مگر وہ دور ہی رہی۔ اس نے ان کے کام اور اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی نہیں کی لیکن اپنائیت یا انسیت کا دکھاوا بھی نہیں کیا۔ اسے احساس تھا اس نے بہت تلخ اور سخت باتیں قرسم سے کہی تھیں جو نہیں کہنا چاہیے تھیں۔

اس نے اپنی سب سے عزیز ہستی کو کھویا تھا۔ اسے ان سے بے انتہا محبت تھی تو کئی شکوے بھی تھے اور اب اس کے پاس جو بھی اس سے بھی اسے محبت تھی، شکوے تھے اور وہ اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

وہ معمول کی طرح پلنگ کے کنارے پر اس کی سمت پیٹھ کیے سو چکی تھی۔ نیند میں بھی اس کے چہرے پر اندرونی اضطراب نے بے سکون سا تاثر پھیلا رکھا تھا۔ اس کے خشک ہونٹ اور روکھے الجھے بال نظر انداز کیے جانے پر نالاں سے تھے۔ بستر پر استراحت وجود میں ہمیشہ اپنا خیال رکھنے والی قرسم کی پرچھائی بھی نہیں تھی۔ چند پل اسے دیکھنے کے بعد صمید نے کمفرٹر اس کے کاندھے تک پھیلا کر اے سی کی کولنگ بڑھا دی اور خود لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔

☆☆☆

اگلی شب وہ پانی کا جگ پلنگ کے ساتھ والی میز پر رکھ کر روز کی طرح باہر جا رہی تھی کہ صمید نے پکارا۔

"قرسم!" وہ رک گئی مگر پلٹی نہیں۔

"کیا ہم بات نہیں کریں گے؟" اس نے بہت نرمی سے پوچھا تھا۔

"کون سی بات؟" وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

"کہ ہم اجنبیوں کی طرح کیوں رہ رہے ہیں؟"

"ہم تو کب سے ایسے ہی رہ رہے ہیں صمید۔"

"تو کیا آگے بھی ایسے ہی رہیں گے؟"

"پتا نہیں۔" قرسم نے سچ کہا تھا۔

"ہم مل کر جواب تلاش نہیں کر سکتے؟" صمید کا سوال پل کی بنیاد کی پہلی اینٹ ہو سکتا تھا۔

"مل کر۔؟ یہ سننے میں بھی اجنبی لگ رہا ہے۔" اس کا انداز سادہ تھا۔ اس نے اینٹ رکھنے کو جگہ نہیں دی۔

"ہم کوشش کریں تو اسے مانوس بنا سکتے ہیں۔"

"کوشش کی بھی خواہش نہیں ہوتی اب۔" اس کے اندر باہر سب جگہ ایسی ہی یاسیت تھی جیسی اس کے لفظوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ صمید کے الفاظ، اس کے الزام بھولتے نہیں تھے۔

"جب خواہش ہو، میں یہیں ہوں۔" یہ اس نے خود کو آس دلائی تھی۔

قرسم نے کچھ نہیں کہا اور باہر نکل گئی۔ وہ کلائی آنکھوں پر رکھ کر لیٹ گیا۔

قرسم نے باورچی خانے اور ہال کی ساری بتیاں بجھائیں اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

اب ماں نہیں رہی تو میں یاد آئی ہوں، خود کو تنہائی نے ستایا تو بھی خیال نہیں آیا کہ میں کب سے تنہا ہوں۔ اب اپنی ضرورت اور ضرورت کو کتنی بھی محبت اور نرمی سے میرے پاس پیش کریں صمید! مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس کی ساری [illegible] تھیں۔

وہ اس سے پہلے سو جاتی تھی۔ [illegible] کسی دن ایسا نہ ہوتا وہ اس وقت تک یہاں بیٹھی رہتی جب تک یقین نہیں ہو جاتا کہ صمید سو گیا ہوگا۔ بیٹھے بیٹھے ہی ذہن ماضی میں چلا جاتا تو کبھی مستقبل کو سوچنے کی ناکام کوشش کرتا۔ اکثر تو وہ خالی الذہن اندھیرے میں آنکھیں گاڑے بیٹھی رہتی۔ دلشاد بیگم کی بیماری سے پہلے وہ جاپان میں تھا اور آنے کے بعد بھی صمید کا زیادہ بلکہ سارا وقت ان کے ساتھ گزرتا تھا۔ وہ جانے رات کے کس پہر ان کے پاس سے اٹھ کر آتا

digestlibrary.com

تھا۔ اسے کمرے میں تنہا رہنے کی عادت ہوگئی تھی۔
صبح اسے بے خبر سویا دیکھ کر وہ اپنے کام سے لگ جاتی۔ اب صمید کو اپنے سے پہلے کمرے میں دیکھ کر اسے عجیب سی الجھن ہوتی تھی۔ کبھی کبھی غصہ بھی آنے لگتا تھا۔
شادی کے اولین دنوں میں انہیں جس خلوت کی آرزو ہوتی تھی اب عمر بھر کے لیے میسر تھی لیکن ارمان اوائل دن والے نہیں رہے تھے۔

☆☆☆

صمید کا ذہن اگر رشتے کو بچانے کی سمت چل پڑا تھا تو اس کا مخالف سمت۔ اسے اس کھوکھلے تعلق کو گھسیٹنا نہیں چاہیے۔ وہ گھر میں اعلان نہیں کر سکتی لیکن کسی کو اس کے ارادوں سے باخبر کرنا بھی ضروری تھا لہٰذا اس نے مونا باجی اور آپی سے کہہ دیا کہ وہ سنجیدگی سے اس رشتے کو قائم رکھے یا یہیں ختم کر دے سوچ رہی ہے۔ سنتے ہی مونا باجی نے فوراً حمایت کی۔
"تمہارا رشتہ پہلے ہی ختم ہوگیا ہے ورنہ تمہیں یہ خیال نہ آتا۔ اچھا ہی ہے زبردستی کھینچنے سے پہلے کوئی فیصلہ کرلو۔ تم پڑھی لکھی ہو جب چاہو نوکری کر کے اپنا بوجھ خود اٹھا سکتی ہو۔"
"شادی کیا صرف اس لیے کرتے ہیں کہ شوہر بیوی کا بوجھ اٹھائے؟" آپی نے پوچھا۔
"نہیں تو۔"
"تو پھر اسی ایک بات کو پرچم کی طرح لہرا کر الگ ہونے کی سفارش بھی نہیں کرنا چاہیے۔" انہوں نے رخ قرسم کی سمت کیا۔ وہ اس کی بات سن کر ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھیں۔
"ابھی ایک بہت بڑا صدمہ اور سانحہ گزارا ہے۔ تم دونوں ہی اس وقت جذباتی طور پر اسٹیبل نہیں ہو، اس لیے جلد بازی میں فی الحال کوئی فیصلہ نہ کرو۔ مانا تمہاری ساس سے خاص اٹیچمنٹ نہیں تھی مگر صمید کا تو سب کچھ وہی تھیں اور موت کو اتنے قریب سے دیکھنا ہر کسی پر اثر انداز ہوتا ہے اور تمہارے گھر میں تو تم دونوں کے علاوہ کوئی ہے بھی نہیں، اس لیے زیادہ ہی اثر ہوا ہوگا۔" آپی کا مشورہ مونا باجی سے مختلف تھا۔
"جو بھی ہے ابھی امی ابا، طاہر، ثریا اور باہر کسی سے بھی کوئی اس کا ذکر نہ کرے، جب قرسم کوئی فیصلہ کرلے گی تب کہیں گے ان سے۔" آپی کی بات بھی درست تھی۔
"لیکن تم اس قدر انتہا تک جانے کا کیوں سوچ رہی ہو؟ اب تو آنٹی بھی نہیں۔" انہوں نے پوچھا۔
"آنٹی نہیں ہیں تو اب میں بھی وہ نہیں رہی آپی۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی ہمارے بیچ اس قدر فاصلے اور اجنبیت بھر دی ہے کہ صمید کے لیے مجھے اب کچھ محسوس نہیں ہوتا پھر جذبات اور محبت کے بنا کیسی شادی، کون سا رشتہ!"
"ٹھیک ہی تو ہے۔ جہاں دل نہ مانے وہاں زبردستی رکنے کا کوئی مطلب نہیں، تم کوئی مجبور و کمزور لڑکی تو ہو نہیں۔" مونا باجی ہر حال میں اس کے ساتھ تھیں۔ آپی چپ ہوگئیں۔
"ویسے کس نے سوچا تھا جس ایک ساس کے علاوہ سسرال کا جھنجھٹ نہیں سوچ کر ہم سب خوش تھے وہ ایک ساس ہی سارے سسرال سے زیادہ کر گزریں گی۔" مونا باجی نے اسے دیکھا۔ ان کی نگاہوں میں اس کی جانب سے ایک لمبے چوڑے تائیدی بیان کی توقع جھلک رہی تھی۔
"چھوڑیں باجی۔" اس کا انداز بیزار سا تھا۔
"میرا اب پرانے قصے دہرانے کا دل نہیں کرتا۔"
"ہاں چھوڑو۔" انہیں مایوسی ہوئی تھی لیکن مزید اصرار نہیں کیا۔
مونا باجی کے کمرے سے جاتے ہی آپی اس کے قریب آکر بیٹھ گئیں۔
"قرسم! میرا ایک مشورہ مانو گڑیا۔"
"جی۔" اس نے اپنی بردبار اور سمجھ دار بہن کو

بولا۔ "تم جو بھی فیصلہ کرو مگر اس سے پہلے اس معاملے میں کسی اور کو الو الو مت کرو۔"

"میں کبھی نہیں آپی۔"

"اپنی پتا سنا کر سامع سے ہمدردی حاصل کرنا بھی بڑا سکون بخش ہوتا ہے اور اکثر ہم ایسا کر گزرتے ہیں مگر شادی شدہ زندگی کے معاملات میں اس سے پرہیز سب سے اچھی اسٹریٹجی ہے، خاص طور پر اس وقت جب تم خود کوئی بڑا فیصلہ کرنا چاہتی ہو۔ لوگوں کی مرضی، رائے اور ہمدردی تمہارے فیصلے کی وجہ نہیں بننا چاہیے۔"

"جی آپی۔ خیال رکھوں گی۔" وہ مان گئی۔ اسے ہمیشہ سے ان کی سوجھ بوجھ پر بہت بھروسہ تھا۔

☆☆☆

چھٹی کے دو دن اسے سال کے برابر لگتے تھے۔ صمید گھر میں ہوتا اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر کام نکالتی تب بھی وقت آگے نہیں بڑھتا تھا۔ اب بھی اس نے صاف ستھرے اور جمے جمائے باورچی خانے کو ایک بار پھر زبردستی ٹھیک کیا تھا۔ گھڑی میں وقت دیکھا تو بارہ ہی بج رہے تھے۔ اس نے سوچا کھانے میں کچھ ایسا بنائے جس میں زیادہ وقت لگے۔ یہ ساری کوشش باورچی خانے سے نکل کر صمید سے بچنے کی تھی۔

"آج لنچ کہیں باہر کریں؟" عقب سے صمید کی آواز آئی تو وہ چونکی۔

"میرا کہیں جانے کا بالکل موڈ نہیں ہے۔" وہ اس کی سمت دیکھنے کے بجائے فریزر کھول کر کھڑی ہوگئی۔

"میں نے آج بریانی بنانے کا سوچا ہے۔"

"ابھی شروع تو نہیں کی کوکنگ؟" وہ بھی اپنی جگہ سے آگے نہیں آیا تھا۔

"آپ کا باہر کھانے کا دل ہے تو چلے جائیں۔" اب کے اس کی آواز میں ہلکی جھنجھلاہٹ تھی۔ چند پل بڑی بوجھل سی خاموشی چھائی رہی۔

"قسم لیں میں کوشش کر رہا ہوں اور تم۔" صمید نے تحمل سے انگریزی میں کہا۔

"میں نے تو نہیں کہا، کوشش کریں۔" اس نے گوشت کا پیکٹ نکال کر فریزر کا دروازہ بند کیا اور سنک کے پاس کھڑی ہوگئی۔ اس کا لہجہ تیز نہیں تھا مگر بالکل سپاٹ تھا۔ صمید کو غصہ آیا اور وہ ہونٹ سختی سے بند کیے اس کی پشت کو دیکھتا رہا۔

"بریانی میں آلو ڈالنا بھولنا مت۔" کچھ دیر بعد اس کی آواز ابھری اور وہ پلٹ گیا۔

اس تمام عرصے میں پہلی بار کسی بات پر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

اسے بریانی میں آلو پسند تھے۔ اس کے گھر میں ہمیشہ بریانی آلوؤں کے ساتھ بنتی تھی۔ پہلی بار اس نے سسرال میں ہوئی دعوت پر ویسی ہی بریانی بنائی، سب کو پسند بھی آئی تھی لیکن دلشاد بیگم ذرا خوش نہیں تھیں۔ ان کے نزدیک تو مہمانوں کی بے عزتی ہوگئی تھی اس طرح۔ ان کے مطابق چاول میں آلو شامل ہوجائے تو وہ بریانی نہیں ہوتی۔ اس کی دن بھر کی محنت اور مہمانوں کی تعریف کی ساری خوشی ان کے لمبے بھاشن نے ختم کردی تھی۔ اس کے بعد اس نے جب بھی بریانی بنائی اس میں آلو شامل نہیں کیے مگر پھر کبھی بریانی بھی نہیں کھائی۔

کھانے کی میز پر اس نے بریانی کے ساتھ ساتھ گلاب جامن اور چکن چلی بھی رکھا تو صمید نے خوش گوار حیرت سے اسے دیکھا۔

"آج اس نے اہتمام کیا ہے، دل سے کھانا بنایا ہے۔" وہ اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر سوچے ہوئے مسکرایا تھا مگر جلد ہی اس کی سمجھ میں آیا کہ تبدیلی بس میز پر موجود مینو میں ہوئی تھی۔ جب اس نے اپنی پلیٹ میں بریانی ڈالی تو صمید نے کچھ کہنے سے پہلے اسے دیکھا جہاں کوئی تاثر نہیں تھا۔

"اگر میں نے کچھ کہا اور قسم کھانا چھوڑ کر ہی اٹھ گئی تو؟" جسے مصالحت کی امید ہو احتیاط اور غور وخوض بھی وہی کرتا ہے۔

''وہ آج بریانی کھا رہی ہے، یہ بھی تو بڑا چیلنج ہے۔''اس نے اپنا ہی حوصلہ بڑھایا۔

''اچھا ہی ہوا، باہر نہیں گئے۔''اس نے عام سے انداز میں کہا۔''ورنہ میں اتنی اچھی ٹریٹ سے محروم رہ جاتا۔''

''ہمم۔''اس کی طرف دیکھے بنا ہی قرسم نے ہنکار بھرا۔

مزید دو باتوں کے ایک لفظی جواب یا ہوں ہاں کے بعد وہ بھی چپ ہو گیا اور آج بھی انہوں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ صمید کو ذرا اندازہ نہیں تھا یہ اہتمام باورچی خانے میں زیادہ وقت گزارنے کے لیے تھا۔

☆☆☆

وہ اپنی دانست میں دبے پاؤں اس طرف آ رہی تھی لیکن صمید کو خبر ہو گئی تھی۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچی صمید پیچھے مڑا۔

''تم تو بڑی گہری نیند سو رہی تھیں۔''اس نے پہلے سرپرائز خراب ہونے پر منہ بنایا پھر مگ اسے تھما کر اس کے بازو میں بیٹھ گئی۔ وہ بھی مسکرا رہا تھا۔

''اچانک آنکھ کھل گئی اور آپ کو نہ دیکھ کر نیند بھک سے اڑ گئی تو پھر کروٹیں بدلنے سے اچھا تھا یہ چاندنی انجوائے کی جائے۔''اس نے سامنے پھیلے اجالے کو دیکھا۔

اسے دیر تک کام کرنا ہوتا یا کوئی اہم کام ہوتا تو وہ اس کے سو جانے کے بعد کمرے سے باہر جا کر کرتا تھا اور رات میں ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بجائے اسے پورچ کی سیڑھیوں پر بیٹھنا پسند تھا۔ اس کی طرح ہی قرسم کا بھی معمول ہو گیا تھا کہ اگر کبھی آنکھ کھل جاتی تو وہ بھی اٹھ کے اس کے پاس چلی آتی۔ رات کی تنہائی اور خاموشی میں انہوں نے بڑا یادگار وقت ان سیڑھیوں پر بتایا تھا۔

''صمید! سب کو یہ گیٹ پر چڑھی بیل بڑی پیاری لگتی ہے لیکن مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی۔''

ان کے چھوٹے سے لان کی دیکھ بھال مالی کرتا تھا جو سارے سرکاری بنگلوں کے لانوں کی دیکھ بھال پر مامور تھا اس لیے وہاں موجود پھول پورے لدے پھندے اور ہرے بھرے رہتے تھے۔ خوب صورت اور سجے سجائے لان کا منظر ان سیڑھیوں پر بیٹھنے کی سب سے بڑی کشش تھا۔

''اس میں بری لگنے جیسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''صمید نے بوگن ویلیا کی ٹہنیوں پر لٹکے مختلف رنگوں کے پھولوں کو دیکھا جو گیٹ کا کل پوش تاج محسوس ہوتے تھے۔

''تصور کریں، اگر یہ سارے پھول صرف سفید ہوتے تو اس سے کئی گنا زیادہ خوبصورت لگتے۔''

''اوہ!''صمید نے اب غور کیا۔

''ان میں سارے رنگ ہیں سوائے وائٹ کے۔''

''میرا دل کرتا ہے مالی کاکا سے کہوں، انہیں نکال کر یہاں صرف وائٹ بیل لگا دیں۔''

''انہیں کاٹ دیا تو گیٹ کتنا بھدا محسوس ہوگا۔''اپنی بات پر وہ خود ہی ہنسنے لگا۔

''لیکن کچھ وقت بعد جب سفید پھولوں سے ڈھک جائے گا تو کئی گنا زیادہ خوبصورت لگے گا، یہ بھی تو سوچیں اور اس من پسند منظر کی طلب میں تھوڑی سی ویرانی برداشت کر لینا چاہیے۔''اس کے ناصحانہ انداز پر وہ مسکرانے لگا تھا۔

اس وقت، پورچ میں اپنی مخصوص جگہ بیٹھا گیٹ کو دیکھتے وہ ماضی کے منظر میں کھویا تھا۔ اس کا معمول اب بھی وہی تھا لیکن اب اس کے پاس آنے کے بجائے قرسم کروٹیں بدلنا پسند کرتی تھی۔ اس نے پلٹ کر خواب گاہ کے بند دروازے کو دیکھا۔

''مجھے وہ دن یاد آتے ہیں قرسم! کیا تمہیں نہیں آتے؟''اس نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔ اس کا دل کیا ابھی جا کر اسے جگائے اور ہاتھ پکڑ کر اس جگہ لا کر پوچھے مگر وہ سیدھا ہو کر ایک گہری سانس لیتا لیپ ٹاپ بند کر کے کھڑا ہو گیا۔

digest.library.com

☆☆☆

صمید کی آنکھ کھلی تو وہ بستر پر نہیں تھی۔ کچھ دیر یونہی اس کی خالی جگہ کو دیکھنے کے بعد وہ اٹھ گیا۔ بتیاں ساری بند تھیں اور اندھیرے میں وہ پورچ کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ کئی دن کے شش و پنج کے بعد آج اس نے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ نصف چاند کی ہلکی سی روشنی تھی ورنہ وہ اسے دکھائی بھی نہ دیتی۔ صمید اس کے قریب جا کر بیٹھا تو وہ چونکی۔ چند پل دونوں چپ چاپ سامنے گیٹ پر نظریں جمائے رہے۔ اسے اچھا لگا کہ قسم فوراً وہاں سے اٹھ کر اندر نہیں چلی گئی۔

"ہمیں ایک دوسرے سے محبت تھی نا، کیا ہم میں اب وہ محبت نہیں رہی؟ کیا محبت بھی ختم ہوتی ہے؟" بڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے قسم کو دیکھ کر سوال کیے تھے۔

"آپ بتائیں۔" وہ اب بھی سامنے دیکھ رہی تھی، بوگن ویلیا کے رنگ برنگے پھولوں کو جو اسے پسند نہیں تھے۔

"ان سوالوں کے جواب تو نہیں معلوم لیکن میں ہمارے بیچ وہ ہی محبت چاہتا ہوں، اگر وہ کہیں کھو گئی ہے تو اسے ڈھونڈنا چاہتا ہوں۔" وہ کچھ نہ بولی۔ اس کی چاہت عین اس کے الٹ تھی۔

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا قسم، تم بتاؤ اس کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟" اس کی چپ سے دل برداشتہ ہوئے بنا اس نے سنجیدگی اور دیانت داری سے پوچھا۔

"میری زندگی سے پچھلے کچھ سال نکال سکتے ہیں؟" اس نے بھی اتنی ہی ایمان داری سے جواب دیا۔

"نہیں۔" صمید کی آواز میں رنج تھا۔

"اس گزرے وقت نے مجھے اتنا بدل دیا ہے کہ اب مجھے اپنی بھی سمجھ نہیں آتی۔"

"امی کی زیادتیوں کے لیے میں ان کی طرف سے معافی ہی مانگ سکتا ہوں۔" اس نے بھی تو اکلوتی اولاد ہونے کی بڑی بھاری قیمت ادا کی تھی۔

"اگر وہ واحد وجہ تمہیں تو ان کی غیر موجودگی میں سب ٹھیک ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہے صمید! ہمارے درمیان دیوار کی پہلی اینٹ انہوں نے رکھی تھی لیکن اس کے بعد دیوار کا قد صرف انہوں نے نہیں بڑھایا۔" ہمہ وقت کی تنہائی نے اب اس کی سوچوں کو سمت تو عطا کر دی تھی اور وہ اس کو سیدھا دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہ ادھر ادھر بھٹکنے راضی نہ تھی۔

صمید نے افسوس اور دکھ سے اسے دیکھا۔ فکر، پروا، محبت جیسے احساس اور جذبے، درمیانی رابطے کے بنا محض الفاظ ہیں، اسے اب ادراک ہوا تھا۔

"مجھے اب بھی تم سے محبت ہے قسم" اس نے کہا اور ساتھ ہی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"مجھے کیوں محسوس نہیں ہوتی؟" اتنے دنوں بعد اندر کہیں جنبش ہوئی اور آنسو اس کے گالوں پر لڑھکنے لگے۔

"میں نے بہت دنوں سے تمہیں احساس دلانے کی کوشش نہیں کی اس لیے۔" اسے کوئی الزام دینے کے بجائے صمید نے اعتراف کیا۔

"آئی لو یو، آئی ریئلی لو یو۔" اس کی انگلیاں قسم کے گالوں پر پھسلیں۔ کبھی اس لمس سے اس کے اندر جگنو اور تتلیاں اڈ آتی تھیں۔ شکوے قرابت کے پردے کے پیچھے اوجھل ہو جاتے تھے مگر اس وقت ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

"مجھے بھی محبت تھی صمید مگر اب سمجھ میں نہیں آتا۔" اس کے آنسو اور تیزی سے گرنے لگے۔

"کھی ناں تو یہیں کہیں ہوگی مل جائے گی۔" وہ پرامید تھا۔

"میرے اندر اس کی تلاش کی تمنا ہی نہیں۔" قسم سے یقین اور آس سب چھن گئے تھے۔

صمید نے اس کے رخسار خشک کر کے اپنی نم انگلیاں ہٹائیں۔

"تو اب ہم کیا کریں؟" یہ سوال بے ساختہ اس کی زبان سے ادا ہوا تھا۔ قسم کے چہرے پر ہلکی

حیرت پھیلی۔ فیصلہ اسے کرنا تھا۔ اس میں اچانک' ہم' کیسے شامل ہوگیا؟

"کیا ہم اب ایک دوسرے کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتے؟" قرسم کے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔

"اس سوال کے جواب میں ہمارا فیوچر ہے۔" صمید اس کے جواب کے لیے رکا بھی نہیں تھا۔

"میں تمھارے ساتھ خوش رہنا چاہتا ہوں، حال اور ماضی کے کئی چکر لگانے اور خوب سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں تمھارے بغیر اپنی زندگی کا تصور نہیں کر سکتا لیکن یہ ایک وجہ تمہیں اپنے ساتھ باندھ کر رکھنے کے لیے کافی نہیں، اس کے لیے تم کیا چاہتی ہو، یہ جاننا ضروری ہے۔" وہ اسے بولنے پر اکسا رہا تھا۔

"میں یہ ہی تو سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔ مجھے اپنے اندر آپ کے لیے کوئی جوش، کوئی جذبہ نہیں ملتا۔" صمید کا دل سکڑ کے رہ گیا۔ اس کی زبان سے یہ سننا تکلیف دہ تھا۔

"شاید یہ سچ تمھاری مدد کرے کہ میرے سارے جذبے اب بھی تمھارے ہیں، میں اس رشتے کو بچانے سنوارنے کے لیے سب کچھ کرنے تیار ہوں۔"

یہ پیاری باتیں خلوص نیت سے پُر تھیں مگر قرسم کے اندر بھرا کثیف دھواں یہ خلوص وہاں دل تک پہنچنے نہیں دے رہا تھا۔

"میں جہاں ہوں وہاں میرے اندر یہ سن کر بھی کوئی امنگ کوئی امید نہیں جاگتی۔"

تلخ اور دل توڑنے والی ہی سہی وہ گفتگو تو کر رہی تھی۔

"میں انتظار کر سکتا ہوں قرسم! تم بھی خود کو وقت دو۔ جب تمہیں لگے تم ریڈی ہو، ہم بیٹھ کر اپنے رشتے کا پوسٹ مارٹم کریں گے تاکہ فیصلہ کر سکیں اس میں نئی جان پھونکی جا سکتی ہے یا اس کی آخری رسومات ادا کرنے کا وقت ہوگیا ہے۔" اس نے خود کو ہر فیصلہ قبول کرنے کے مقام پر پیش کیا تھا۔

"بہت دیر ہوگئی ہے۔ آؤ سو جائیں۔" وہ کڑا ہوا۔ اس نے اسے اپنے اندرون کی جھلک دکھائی تھی لیکن اسے اپنی سوچ یا مرضی کے مطابق منانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اس کی خاموشی کے باوجود اب گھر میں صمید کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔ کھانے کی تعریف ہو یا کسی خاص پکوان کی فرمائش یا پھر کام اور ٹی وی دیکھنے کے دوران کافی کی طلب، اگلے دن کے لیے کسی خاص شرٹ کی استری یا اس کے پہنے جوڑے پر تبصرہ، وہ یہ سب اس سے کہنے لگا تھا۔ اب وہ اس کی ہوں ہاں اور عدم دلچسپی دیکھ کر خود کو روکتا نہیں تھا۔

☆☆☆

وہ کھانے کے بعد ٹی وی لگا کے بیٹھا تھا اور قرسم باورچی خانہ سمیٹ رہی تھی۔ جب وہ کام ختم کر کے کمرے میں جانے لگی تو صمید نے ٹی وی بند کرتے ہوئے اسے پکارا۔

"کچھ دیر بیٹھو یہاں۔"

وہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" اس کا رویہ حوصلہ شکن تھا مگر وہ کوشش کرنا ترک نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چار و ناچار آگے آ کر صوفے پر بیٹھ گئی مگر اس کے انداز سے واضح تھا کہ یہ کام اس نے خوشی سے نہیں کیا ہے۔

"میری امی کی بیماری اور لیٹ ڈائگنوسس والی بات غلط اور فضول تھی۔ مجھے تم سے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ آئی ایم سوری۔"

ایک تلخ اور طنزیہ مسکراہٹ قرسم کے لبوں پر پھیل گئی۔

"مگر آپ نے وہ بات کہی تھی، یہ حقیقت بدل نہیں سکتی نہ میں وہ بھول سکتی ہوں۔"

صمید کے چہرے پر افسوس اور دکھ گہرا ہوگیا۔

"آپ اپنی مرضی سے دل دکھائیں پھر جب دل کرے معافی بھی مانگ لیں اور میں کیا کوئی کچھ

پتی ہوں جو آپ کی مرضی کاری ایکشن دوں اور سب بھول جاؤں؟ اتنا آسان سمجھا ہے آپ نے سب۔" بڑے دنوں بعد اندر کوئی احساس جاگا تھا، اچانک کہیں شعلے بھڑک اٹھے تھے۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم بھول جاؤ۔ وہ بات تو میں بھی بھول نہیں سکتا۔"

"آپ میری تکلیف نہیں سمجھ سکتے جو وہ الفاظ سن کر مجھے پہنچی تھی۔ میں نے کبھی آپ سے صلے کی تمنا نہیں کی تھی مگر اس طرح مجھ پر الزام لگائیں گے آپ، یہ بھی نہیں سوچا تھا۔"

"مجھے اپنے سخت اور غلط الفاظ کا احساس ہے قسم اور۔"

"اس دن میرے اندر جو بدلا تھا، اسے آپ کا یہ احسان واپس نہیں کر سکتا۔" اس نے تڑخ کے کہا اور بہتے آنسو صاف کیے اور کھڑی ہو گئی۔

"اچھا ہوگا اگر ہم ان تکلیف دہ باتوں کا ذکر نہ کریں۔" اس نے آئندہ کے لیے بھی گفتگو کا راستہ بند کرنے کی کوشش کی اور کمرے میں چلی گئی۔

"اب بھی انہیں دوسری شادی والی بات کا خیال تک نہیں۔" صمید نے وہ ذکر نہیں کیا تھا۔

بستر پر وہ جانے کتنی دیر روتی رہی۔ صمید نے وہ بات چھیڑ کر اس کے زخم تازہ کر دیے تھے۔ اسے وہ بات ہی نہیں بلکہ ماضی کی دلشاد بیگم کی زیادتیاں بھی یاد آنی تھیں اور ساتھ ہی صمید کی ان سے محبت بھی، دوسری شادی نہ کرنے کا افسوس بھی۔ اسے پھر یقین ہونے لگا کہ دلشاد بیگم کے لیے اس کے اپنے جذبات اور صمید کے جذبات کا ایک ساتھ گزارا ان کی غیر موجودگی میں بھی ممکن نہیں ہے۔

صمید بھی اس رات بڑی دیر تک صوفے پر ہی بیٹھا رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن کہیں تو دل کی بھڑاس نکالنا تھی لہٰذا اس نے سب سے اچھے سامع یعنی بڑی آپی کو فون لگایا۔

انہوں نے سارا احوال اور پھر اس پر اس کے خیالات بڑے تحمل سے سنے۔

"میں کبھی نہیں بھول سکتی آپی وہ سب اور صمید کو لگتا ہے ایک سوری کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ مسلسل بولتے بولتے تھک گئی تو رک گئی۔

"اس کی سوچ تم سے بالکل الگ ہے۔" انہوں نے ذرا توقف کے بعد کہا۔

"کیا مطلب؟"

"تم شادی ختم کرنے کا سوچ رہی ہو اور وہ بچانے کا ورنہ وہ معافی نہیں مانگتا۔"

"غلطی ان کی تھی تو معافی بھی وہ ہی مانگیں گے نا۔" اس نے جھٹ یاد دلایا۔

"اور اب بھی انہیں اس بات کا افسوس نہیں کہ وہ دوسری شادی نہ کرنے اور ماں کو حسرت دینے کا افسوس کر رہے تھے۔"

"وہ بستر مرگ پر پڑی ماں کے بے بس بیٹے نے کہا تھا۔" اپنی کی بات اسے اچھی نہیں لگی۔

"ہاں جو وہ کہہ گیا تھا کہ بیوی کے پاس بھی دل ہے، احساس ہے، اسے تکلیف ہوتی ہے۔" وہ تڑخ گئی۔

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ کامیاب شادی شدہ زندگی ففٹی ففٹی یعنی برابری کی کوشش سے نہیں چلتی بلکہ کبھی شوہر نوے فی صد دیتا ہے تو کچھ معاملات میں بیوی اتنا کرتی ہے۔"

"آج تک تم نے اس شادی کو ناکامی پر سنٹ دیا اور اب شاید صمید وہ کوشش کر رہا ہے۔" اپنی برداشت کا اعتراف سنتے ہی اس کی کیفیت پل بھر میں بدل گئی۔

"دیکھو قسم ا اگر تمہارا شوہر بدکردار یا ظالم ہوتا، تم پر ذہنی، جسمانی، جذباتی تشدد کرتا، شکی یا نہایت بدمزاج تو تمہیں اس جہنم میں رہنے کی ضرورت نہ تھی، تب میں خود سپریشن کے پروسس میں تمہاری مدد کرتی لیکن صمید ایسا نہیں ہے۔ جو مسئلہ تھا، جو تمہارے فاصلے کی وجہ تھی، وہ اب نہیں تو

پھر تم کیوں ماضی بھول کر آگے نہیں بڑھتیں؟"

"کیوں کہ میں بھول نہیں سکتی کہ صمید کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے، وہ اتنا بڑا الزام، ایسی تہمت مجھ پر لگا سکتے ہیں، میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"اگر تم اسے الزام اور تہمت جیسے بھاری نام نہ دو اور ایک دکھی یا پریشان بیٹے کا فرسٹریشن کہو تو؟"

"نہیں آپی! مجھے اتنے سالوں کے صبر اور برداشت کے بعد سننے کو ملے یہ الفاظ الزام اور تہمت سے کم لگ ہی نہیں سکتے۔"

"اگر صمید واقعی تمہیں ماں کی بیماری کا قصور وار سمجھتا یا اس نے وہ شادی والی بات دل سے کی ہوتی تو وہ کب کا تمہیں گھر سے جانے کا کہہ دیتا یا ویسا ہی رویہ رکھتا۔"

اس کے دل میں یہ بات تھی کہ اس کا غصہ سن کر وہ بھی کہیں گی اب معافی کا کیا فائدہ، تمہاری تکلیف پھر زندہ کر دی اس طرح تو بس نہ ہے، وہ پوری نہیں ہوئی تھی۔ ہاں ان کی یہ بات کہ اب تک وہ نوے فی صد کوشش کرتی رہی، ذہن میں چپک گئی تھی۔

☆☆☆

وہ سارے 'آپشنز' دیکھ رہی رہی تھی۔ کون کون سی ملازمتیں وہ کر سکتی ہے، کیا تنخواہ ہوگی، کیا وہ الگ کرائے کا گھر لینے کے قابل ہوگی یا والدین اور بھائی کے ساتھ رہنا ہوگا۔

وہ رات تک بھی ان خیالات سے پیچھا نہیں چھڑا سکی تبھی تو بے خیالی میں اسے دیکھے گئی۔

"قرسم!" جب صمید نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونکی۔

"کیا ہوا؟ کیا سوچ رہی تھیں؟"

"کچھ نہیں۔" وہ پلٹ کے جانے لگی کہ صمید نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"تم مجھ سے اتنی ناراض ہو کہ دو منٹ میرے ساتھ بیٹھنا بھی نہیں چاہتیں؟" اس کی پرشکوہ آواز دھیمی تھی۔

وہ خاموش رہی۔ جانے کتنے دن بعد اس کا ہاتھ صمید کے ہاتھ کی گرمی محسوس کر رہا تھا۔

"ایک گھر، ایک کمرے میں رہتے ہوئے بھی میں تمہیں مِس کر رہا ہوں۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔ اس کی خوشبو، اس کے بال اس کا لمس سب اسے تڑپا رہے تھے مگر وہ ضبط کیے کھڑا رہا۔

قرسم نے اپنا دل ٹٹولا مگر وہ اب بھی کسی لاش جیسا سرد تھا۔ اسے پہلی بار صمید کے چہرے پر بکھری امید دیکھ کر اچھا نہیں لگا کہ وہ اسے مایوس کر رہی ہے۔

"مگر میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" صمید نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ چند پل اسے دیکھتی رہی پھر بنا کچھ کہے کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

اس کی دنیا جہان سے بے خبری کا عالم یہ تھا کہ اپنی ہی کتنی بہت ضروری اور اہم چیزوں پر بھی اس کا دھیان نہیں تھا۔ طبیعت کی کسلمندی اور سستی انتہا کو پہنچ چکی تھی تب اسے خیال آیا کہ وہ کس قدر لاپروائی کا مظاہرہ کر چکی ہے۔ صمید کے جانے کے بعد وہ خود ہی سیٹنگ میں لگ گئی اور وہاں جو خبر ملی وہ اتنی غیر متوقع تھی کہ دعاؤں کی قبولیت پر وہ خوش بھی نہ ہو سکی۔

"اس وقت کیوں؟" اسے پہلا خیال یہی آیا تھا۔ مشکل لگ رہا فیصلہ اب اور مشکل ہو جائے گا۔

"یہ آنٹی کی زندگی میں پتا چل جاتا تو کیا زندگی مختلف ہوتی؟ نہیں، آنٹی نے نہیں بدلنا تھا۔" اس نے خود ہی امکان رد بھی کر دیا۔

اللہ نے یہ نعمت اسے ایک ڈیڑھ ماہ پہلے ہی عطا کر دی تھی جس کی خبر اس کی بے توجہی اور غفلت کے باعث اب اس تک پہنچی تھی۔ بڑے بوجھ جیسی نوید تھی جو اسے کسی سے تو بانٹنا تھی سو آپی کو فون کر کے بلا لیا۔

"تو کیا تم؟" آپی حیرت اور صدمے کے مارے جملہ بھی مکمل نہیں کر سکیں۔

digestlibrary.com

"نہیں آپی۔" ان کی حیرانی کی وجہ سمجھتے ہی اس کے لہجے میں ہلکی سی جھنجھلاہٹ در آئی۔

"میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہی لیکن میں اسے مجبوری مان کر اس رشتے کو بھی کھینچنا نہیں چاہتی۔ جہاں سب کچھ ختم ہو گیا ہو، وہاں ایسی امید کی کرن سورج نہیں بن جاتی بلکہ جلد ہی دم توڑ دیتی ہے۔"

وہ کچھ اور تلخ ہو گئی تھی۔

"ایک اچھا انسان جس کے اچھا باپ ثابت ہونے کی قوی امید ہو تو تمہیں اس کے لیے گنجائش نکالنی چاہیے۔"

"آپی! مجھے خود پر اتنا بھروسا ہے کہ اپنا اور بچے کا بوجھ خود اٹھا سکتی ہوں، کسی پر بار نہیں بنوں گی اور یہ آپ بھی جانتی ہیں۔ ایک ذہنی مریض، مایوس اور ان چاہے رشتے میں بندھی عورت کے بجائے ایک خود مختار، با اعتماد اور مثبت سوچ اور نظریہ رکھنے والی سنگل عورت زیادہ اچھی ماں ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی تو بچے کے بہتر مستقبل کے لیے ہی ہے۔"

"آگے بھی بہت کچھ تم مفروضوں کے بل پر سوچ رہی ہو کہ نوکری کر لو گی، بچے کو اچھی زندگی دو گی وغیرہ لیکن ہو سکتا ہے تمہیں بہت اسٹرگل کرنا پڑے، ہو سکتا ہے تم دوسری شادی کے لیے مجبور ہو جاؤ، مزید اولاد ہو تمہاری قسمت میں، کیا تب بھی پہلے بچے کی زندگی ویسی ہی ہو گی جیسی تم ابھی سوچ رہی ہو؟ اور سوچا تو یہ بھی جا سکتا ہے کہ تمہارا اور صمید کا رشتہ بحال اور مضبوط ہو جائے۔"

"میرا دل نہیں کرتا اب میں یہ رشتہ آگے گھسیٹوں، ہمارا تعلق کب کا مر چکا ہے آپی، کیا یہ وجہ کافی نہیں؟ ہم واپس پہلے جیسے نہیں ہو سکتے، جب میرا دل کہہ رہا ہے یہ تعلق توڑ دوں، ختم کر دوں تو میں اس کی نہ سن کر کچھ اور کیوں سوچوں؟" اسے رونا آ گیا۔ اب اس میں پہلے والی دیدہ دلیری اور سفاکی نہیں رہی تھی لیکن وہ ان آنسوؤں کے باوجود اس بات پر مصر تھی کہ اس کے اندر جذبات نہیں۔

"قسم!" انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"اب تک تم اکیلی تھیں اس لیے علیحدگی پر شاید کوئی اعتراض نہ کرتا مگر اب منظر بدل گیا ہے۔ امی ابا کے لیے ہی نہیں تمہارے اور صمید کے لیے بھی۔ تم اب تعلق توڑ کر ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، تمہیں جوڑنے والی کڑی بھی کمزور نہیں ہے۔"

وہ خاموش رہی۔

"مسئلہ تمہاری ساس تھیں جو اب نہیں رہیں۔ صمید اور تم کبھی لڑے بھی نہیں ہو، تم دونوں سمجھ دار ہو تو پھر نئے سرے سے کوشش کیوں نہیں کرتے؟ تم اس قدر انتہائی باتیں سوچنے سے پہلے اس رشتے کو ایک موقع تو دو۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ تمہیں ایک دوسرے سے نفرت ہو گئی ہو۔"

وہ چپ رہی۔ ان سے کیا کہتی کہ لڑائیاں اور بحثیں ہی انسانوں کو ایک دوسرے سے دور اور متنفر نہیں کرتیں بلکہ یہ کام خاموشیاں بھی کر دیتی ہیں۔ اب اسے نفرت محبت کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا یہ ہی تو افسوس تھا۔

وہ اس دن آپی کے ساتھ میکے آ گئی کہ کچھ دن وہاں یکسوئی سے سوچے گی لیکن اب پچھتا رہی تھی کہ آپی اور مونا آپی دونوں وہاں موجود تھیں۔ وہ اس کی ہم راز تھیں اور دونوں کی رائے، مشورے بالکل متضاد تھے۔

☆☆☆

اس اطلاع کے بعد اس کی حالت عجیب ہو گئی تھی۔ اپنا ارادہ، آپی کی باتیں اور اندیشے، وسوسے، کبھی وہ اداس ہو جاتی، کبھی حد درجہ مایوس تو کبھی بری طرح الجھ جاتی۔

ٹی وی لگا کر کچھ تفریحی دیکھنے کی کوشش میں چینل بدلتے ہوئے وہ جہاں رکی وہاں چل رہے شو میں جوان اور درمیانی عمر کے بچے کینسر کی وجہ سے فوت ہو چکے والدین کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ والدین کی تکلیف اور اپنی بے بسی بیان کرتے ہوئے اکثر کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں، کچھ باقاعدہ رو

رہے تھے۔ چند افراد کو سننے کے بعد اس کا دل ایسا گھبرایا کہ اس نے ٹی وی بند کر دیا۔

"صمید بھی ان سب سے گزرا ہے۔" پہلی دفعہ اس نے سوچا۔ ذرا دیر بعد اسے احساس ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔ جانے یہ اس کے ہارمونز تھے یا واقعی دل پگھل رہا تھا۔

"قرسم!" اس کی آواز سن کر صمید باہر آیا۔

"کیا ہوا؟" اس کے بازو میں بیٹھ کر، اس کی پشت پر بازو پھیلاتے ہوئے اس نے تشویش سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا کے خود کو سنبھالنا چاہا مگر آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

"قرسم! کیا ہوا؟ کچھ تو کہو۔" صمید نے اسے خود سے قریب کیا اور اس کی سسکیاں مزید بلند ہو گئیں۔

کچھ دیر بعد صمید کے کہنے اور آنسو پونچھنے پر وہ کسی طرح چپ ہوئی۔

کچھ ادراک پلوں میں ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ بھی یہ ہی ہوا تھا۔ اس نے سر اٹھا کے صمید کو دیکھا۔

"آپ آنٹی کی بیماری کے وقت کیا سوچ رہے تھے؟" اسے اپنے الفاظ اجنبی لگے۔ اس نے کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا وہ یہ صمید سے پوچھے گی۔ وہ بھی اس کے سوال پر چونکا۔

"میں۔" ایک گہرا سانس بھر کے وہ سیدھا ہوا۔

"میرا حال بھی برا ہی تھا قرسم اور سوچیں ہر طرح کی تھیں۔ اچھی بری، نیگیٹو، بہت نیگیٹو، غصہ بھی آتا تھا، رونا بھی۔" وہ جس طرح بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی وہ اس امر کا مظہر تھا کہ وہ اسے سننے کا ارادہ رکھتی ہے۔

"پہلے تو شاک اور بے یقینی تھی، پھر میں نے خود کو یقین دلایا کہ دنیا کے جس کونے میں جانا پڑے میں انہیں علاج کے لیے وہاں لے جاؤں گا اور وہ اچھی ہو جائیں گی۔ مگر جب سارے حقائق سامنے آ گئے تو دکھ، غصہ، بے بسی۔ مجھے اپنے ابو بالکل یاد نہیں۔ نانا، نانی بھی میرے اسکول کے دنوں میں فوت ہو گئے تھے۔ دونوں ماموں سے تعلقات واجبی سے تھے، پھر میری شہر شہر جاب کی وجہ سے ملنا ملانا بھی کم ہوتا تھا۔ کل ملا کے میرا واحد رشتہ امی ہی تھیں۔ اور انہیں پل پل اپنی آنکھوں کے سامنے موت کے قریب جاتا دیکھنا۔ اپنے آپ میں موت سے گزرنے جیسا ہے۔" اس کا لہجہ درد سے چور تھا۔

اسے اپنی بے نیازی یاد آئی۔ وہ اس کے کمرے میں آنے سے پہلے سو جاتی تھی۔ دلشاد بیگم کے کمرے میں نہ جانے کا جواز ان کا رویہ تھا مگر اپنے ہی کمرے میں شوہر کی بھیگی آنکھیں نہ دیکھ سکنے کا جواز کیا تھا؟

"میری ماں میری آئیڈیل تھیں، میری رول ماڈل۔ وہ جیسی بھی تھیں مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ ان کی قربانیوں کے بدلے میں ان کی تھوڑی ناانصافی اور تمہارے ساتھ غلط رویہ برداشت کر سکتا تھا۔ میں نے اپنے طور پر ان کے برتاؤ کی تلافی کی کوشش کی تھی کہ تمہارا ہر طرح سے خیال رکھوں، اپنی طرف سے کوئی تکلیف نہ ہونے دوں۔ تم اسے میری کمزوری کہہ لو یا بزدلی، میں ان کے لیے ایسا ہی تھا کہ زندگی میں انہوں نے میری آنکھوں کے سامنے کچھ غلط کیا تو وہ صرف تمہارے ساتھ ان کا برتاؤ تھا اور ان کی عمر بھر کی ریاضت کو دیکھتے ہوئے میں اتنی رعایت تو انہیں دے سکتا تھا، تم نے انہیں اسی ایک روپ اور رشتے میں دیکھا جو اچھا نہیں تھا اور میں نے ان کے کئی روپ دیکھے ہیں جو سارے ثبت اور اچھے تھے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور قرسم نے بے اختیار اس کے شانے پر۔

جانے اسے کب سے انتظار تھا، کتنی شدید ضرورت تھی کہ اس ذرا سی پہل پر ہی اس نے قرسم کو قریب کھینچا وہ اس کے شانے پر ٹھوڑی ٹکا کر رونے لگا۔ یہ آنسو اس شانے پر قرض تھے۔ اس نے صمید کو

ں کی وفات پر گلے نہیں لگایا تھا، دلاسا نہیں دیا تھا۔ ساس بہو کے رشتے میں میاں بیوی کا تعلق بہت پیچھے چلا گیا تھا۔ اس نے اس کی پشت پر تھپکی دی اور صمید اسے بازوؤں میں لے کر شدت سے رونے لگا۔ بے اختیار ہی اس کی آنکھیں بھی برسنے لگیں۔ چپ کا سرد سا تنکا حدت سے بھر گیا تھا۔

☆☆☆

صمید کے چند جملے اس کی سوچ کو ایک نئی سمت دے گئے تھے۔ اسے کئی منظر یاد آئے جب وہ تنہا ہی دلشاد بیگم کو اسپتال لے کر جاتا تھا، ان کے پاس وہیں ٹھہرتا تھا۔ انہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتا، ان کے سارے کام کرتا تھا۔ اس نے کبھی اسے ان کا کوئی کام کرنے نہیں کہا تھا اور تب اس کا دل یہ سوچ کر بھی اداس ہو جاتا تھا کہ وہ بیوی کو یکسر فراموش کر بیٹھا ہے۔ اس نے ایک دو بار کہا بھی کہ وہ کل وقتی نرس کا انتظام کرے تاکہ اسے بھی کچھ وقت ملے مگر ان نے منع کر دیا تھا۔

"یہ مجھے جتانا چاہتے ہیں کہ میں کس قدر نکمی ہوں اور وہ کتنا اپنی ماں کا خیال رکھ رہے ہیں، اور ان کی غیر موجودگی میں مجھے بھی یونہی کیئر کرنی چاہیے تھی۔" ایک بار ہی سہی مگر اس نے سوچا تھا۔

جب حد سے زیادہ خیال الجھتے گئے تو اس نے آپی کو فون لگایا۔

"ہمیں محبت ہو گئی تھی تو محبت کافی کیوں نہیں تھی؟"

"شادی شدہ زندگی میں صرف محبت کافی نہیں تو محبت کے بنا بھی یہ سمجھوتے سے زیادہ کچھ نہیں لہٰذا جنہیں محبت حاصل ہے تو کیوں نہ اس کی خاطر سب کچھ کیا جائے، کوشش، پہل، ایڈجسٹمنٹ، قربانی اور محنت۔"

"محنت؟" اسے اس فہرست میں ایک لفظ پر حیرانی ہوئی۔

"ہاں محنت، ہر کامیابی محنت ڈیمانڈ کرتی ہے۔ محبت کے بنا نہ اسکول کا امتحان پاس ہوتا ہے نہ زندگی کا اور نہ ہی شادی کامیاب ہو پاتی ہے، ازدواجی زندگی بھی مسلسل مشقت چاہتی ہے، انا پر پیر رکھ کر پہل کرنے کی مشقت، اَن کمفرٹیبل ہچوئشنز فیس کرنے کی مشقت، کبھی کبھی خودداری ایک طرف رکھ کے دوسرے کو پکارنے کی مشقت، کوئی ایشو، مسئلہ یا فاصلہ درمیان میں آچکا ہے تو اسے قبول کرنے کی مشقت، پھر اسے مل کر حل کرنے کی مشقت اور اس کی سمت کروٹ بدلنے سے لے کر ہاتھ بھر کا فاصلہ مٹانے کی مشقت۔"

"لیکن آپی! جس انسان نے مجھے زندگی میں سب سے زیادہ دکھ اور تکلیفیں دیں، ذہنی جذباتی طور پر ٹارچر کیا، وہ انسان ہمیشہ صمید کے لیے سب سے اہم اور سب سے قیمتی رہے گا، وہ اس کی محبت میرے بچے کے دل میں ڈالیں گے، اس کی اچھائیاں بیان کریں گے، میں یہ سب کیسے برداشت کر پاؤں گی؟"

میاں بیوی کے سارے رشتے دونوں کے لیے ایک سی اہمیت نہیں رکھتے نہ انہیں ان سے ایک سی محبت ہوتی ہے۔ ہمیں اس سچ کو اور ان تعلقات کو ان کے مختلف خانوں میں ان کے مقام کے ساتھ قبول کر لینا چاہیے۔ جو مجھے پسند نہیں وہ دوسرے کو بھی ناپسند ہو یا جس سے مجھے محبت ہے اس رشتے سے دوسرا بھی محبت کرے، اور جو دنیا سے چلا گیا تم کیوں اس کی برائیاں اور قصور اپنے بچوں کو سنانا چاہتی ہو۔ اس لیے کہ انہیں پتا چلے ان کی ماں نے کیا کیا جھیلا یا پھر اس لیے کہ وہ بھی دادی سے نفرت کریں؟"

"میں نے ایسا تو نہیں کہا مگر مجھ میں اتنا ظرف اور حوصلہ بھی تو نہیں کہ باپ ماں کے قصیدے سنائے اور میں خاموش رہوں۔" اس نے سچ کہا۔

"آجائے گا، اپنے سکون کے لیے، اپنی اولاد اور اپنی میریڈ لائف کے لیے سوچو گی تو تمہیں خود میں ظرف اور حوصلہ سب ملے گا اور تم نے صمید کو بتایا یا نہیں؟"

"نہیں۔"

"یہ ایسی بات نہیں ہے کہ صمید کو لاعلم رکھا جائے۔ ہوسکتا ہے آپس میں بات ہو تو تم دونوں کے خیالات میں تبدیلی آجائے۔ تنہا اولاد پالنا آسان نہیں ہوتا۔"

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے ہاتھ میں دو مگ دیکھ کر صمید کو حیرت ہوئی۔ اس نے کچھ کہے بغیر ایک مگ اس کی طرف بڑھایا۔ اس کا سنجیدہ چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ طویل نشست کا ارادہ کیے ہے۔

"آج آپ کہیں، میں سب کچھ سننے تیار ہوں۔" وہ اپنا مگ لیے پلنگ پر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔

کئی بوجھل لمحے چپ چاپ آگے سرک گئے۔ چند گھونٹ لینے کے بعد صمید نے مگ رکھ دیا۔

"امی نے کئی لڑکیاں ری جیکٹ کرنے کے بعد خود تمہیں پسند کیا تھا۔ وہ شادی کی تیاریوں کے دوران بھی بے حد خوش تھیں، شادی کے بعد بھی لیکن پھر تمہارے ساتھ ان کا رویہ بدلتا گیا اور یہ جتنا شدید شاک میرے لیے تھا، اتنا کسی کے لیے نہیں ہوسکتا۔ اس سچویشن کو کیسے ہینڈل کروں یہ سوچتا تو دور میرا دل اور ذہن انہیں اس روپ میں قبول کرنے تیار نہیں تھے۔ میری زندگی کا مرکز محور وہ تھیں، ہر انداز، ہر صورت میں قابل ستائش، میرا فخر، میرا غرور۔ میں نے کبھی ان کے ساتھ اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی تو اچانک ایک دن ان کی بہو کے سامنے یہ کیسے کہتا کہ امی آپ غلط ہیں۔ وہ میرے لیے جس اونچی مسند پر تھیں وہاں سر جھکا کر ہی بات ہوسکتی تھی۔ مجھے اتنا تو اندازہ ہوگیا تھا کہ تم سمجھ دار اور میچور ہو، تمیز، لحاظ، ریسپکٹ تمہارے مزاج کا حصہ ہے۔ ایسے میں امی چاہتی تھیں، میں آنکھ بند کر کے ان کی ہر بات پر ایمان لے آؤں جو وہ تمہارے متعلق کہتی ہیں۔ جب میں کہتا کہ یہ ان کا وہم اور غلط فہمی ہے تو وہ ناراض ہونے لگتیں، ان کو خفا دیکھنا، خفا کرنا میرے لیے بالکل نئی بات تھی لہٰذا میں نے تمہاری طرف داری کرنا چھوڑ دی۔ وہ میری سب سے اچھی دوست تھیں، میں ان سے ہر بات کرلیا کرتا تھا اور اب میرے پاس تمہاری باتیں زیادہ تھیں جو وہ سننا نہیں چاہتی تھیں، میری ان سے گفتگو کم ہوتی گئی تو ان کی شکایتیں بڑھ گئیں۔

یقین کرو میرے لیے عجیب صورت حال تھی کہ نہ تم سے دل کی بات کر پاتا تھا نہ امی سے کرسکتا تھا۔ تمہارا نہیں پتا مگر اول دن سے تم نے میرے دل میں جگہ بنالی تھی، میں جواب تک کھل کر جیتا آرہا تھا، زندگی کے اس اہم موڑ پر سب سے خاص انسان کے ساتھ مجھے زمانے بھر کی احتیاط برتنا پڑ رہا تھا۔ امی جتنی ایگریسو ہوتی گئیں، میں اتنا الجھتا گیا۔ میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تمہارے ساتھ میں کوئی زیادتی نہ کروں، میری طرف سے کوئی ناانصافی نہ ہو، تمہیں تکلیف نہ ہو۔ مجھے لگتا تھا تم میری پوزیشن سمجھو گی، ہمارے بیچ اتنی انڈراسٹینڈنگ تو تھی کہ تم میرے خلوص اور محبت پر شک نہ کرتیں۔ لیکن یہ میری غلط فہمی تھی۔"

وہ ساکت اسے سن رہی تھی۔ شادی کے بعد ایک دم نیا ماحول، نیا گھر صرف اس کا امتحان نہیں تھا۔ وہ اپنا گھر اور ماحول چھوڑ کر نئی جگہ آئی تھی تو اس کی آمد نے صمید کے گھر کا ماحول بھی بدل دیا تھا۔ اس کی آنے کے بعد جو ہو رہا تھا وہ اس کے لیے بھی اتنا ہی نیا تھا جتنا اس کے لیے۔ اس کا سسرال کا پہلا تجربہ تھا تو صمید کا گھر بھی پہلی بار 'سسرال' بنا تھا۔ وہ اپنے طور سے دو افراد کی توقعات میں اعتدال رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اب تک اسے لگتا تھا صرف اس نے سہا ہے، اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، جذباتی طور پر صرف اسے گزند پہنچا کہ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کے نئے گھر، نئے لوگ نئی صورت حال سے دوچار تھی مگر ان ہی سب سے تو صمید بھی گزر رہا تھا۔ اس وقت اسے احساس ہوا کہ اس نے کبھی خود سے ہٹ کر سوچا نہیں تھا۔ اس نے ہمیشہ ہر موقعے پر یہ سوچا کہ ابھی صمید کو یہ کہنا اور کرنا چاہیے تھا، صمید نے ایسا نہیں کیا، ویسا نہیں کہا لیکن اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ صمید

نے ایسا کیوں کیا، اس کی ایک ہی وجہ تو نہیں تھی، اس نے بھی صمید کے لیے اس وقت کیا کہا اور کیا کیا تھا۔ اس نے پہلی بار سوچا۔

"جب امی نے بچے کو ایشو بنایا اور دوسری شادی کا شوشا چھوڑا تو مجھے ان کی تمہارے لیے ناپسندیدگی کی شدت نے دہلا دیا۔ دوسری شادی کا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں ان سے جو کہتا جو کرتا قسم! لیکن تمہارے علاوہ میں کسی اور کا تصور بھی نہیں کرنا چاہتا تھا نہ تب نہ اب۔ میں سوچ سوچ کر پاگل ہونے کو تھا کہ تمہیں خود پسند کرنے کے بعد اب امی ایسی کیوں ہوگئی ہیں؟ میں نے انہیں کاؤنسلنگ کے لیے منانے کی بھی کوشش کی تھی مگر تم بھی جانتی ہو ان کی مرضی کے بغیر ان سے کچھ بھی کروانا ناممکن تھا۔ ان کی تنہا اور مفروف پچھلی زندگی کی وجہ سے ان کی کچھ نفسیات میں الجھ گئی تھیں اس کا کوئی حل نہیں تھا میرے پاس۔ جس کے پاس تھا وہ وہاں جانے راضی نہیں تھیں۔ جب جاپان جانے کا چانس ملا تو میں نے سوچا یہ کوشش بھی کرلی جائے کہ کچھ دن ان سے نکل جاؤں۔ مجھے یہ بھی غلط فہمی تھی کہ میری غیر موجودگی میں شاید تم دونوں کا تعلق بہتر ہو جائے، میں درمیان سے نکل جاؤں تو تم ایک دوسرے کی اچھائیاں دیکھ سکو لیکن یہ میری زندگی کا سب سے غلط فیصلہ ثابت ہوا۔" وہ چپ ہوگیا۔

اگر اب بھی وہ یہ سب نہ کہتا تو قرسم اس کی مشکلات اور کیفیت سے بے خبر ہی رہتی۔ اس کی سب سے بڑی شکایت تھی کہ اسے جس طرح اس کے لیے اور اس کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے، وہ ویسے کھڑا نہیں ہوا تھا۔ ہر بیوی کے من کی مراد یہ ہی ہوتی ہے کہ شوہر اس کا ساتھ دے، اس کی خاطر سب سے لڑ جائے، ہر کسی کے سامنے ڈٹ جائے، یہ ایسی ناجائز خواہش بھی نہیں لیکن اس تمنا میں وہ اکثر شوہر کی مجبوری، حکمت، لحاظ سب نظر انداز کر کے شوہر کی گھر والوں کے لیے محبت اور نرمی ہی دیکھتی ہے اور اس سب سے اجتماعی طور پر متنفر ہونے لگتی ہے۔ اس نے بھی یہ ہی کیا تھا۔ ساری تعلیم، شعور کشادہ ذہنی اور آزاد خیالی کے باوجود وہ روایتی بیوی ثابت ہوئی تھی۔ ایک بار بھی صمید کے نظریے سے صورت حال پر توجہ دیتی تو شاید صمید کے چپ رہنے کا اتنا ملال نہ ہوتا۔

اسے یاد آیا، صمید نے کبھی تنہائی میں بھی اپنی جھنجھلاہٹ یا غصہ اس پر نہیں نکالا تھا۔ وہ بس خاموش ہو جاتا تھا جو اسے بہت دکھی کرتا تھا کہ وہ آگے آکر اس سے اس کا حال بھی نہیں پوچھتا، دلاسا، تسلی بھی نہیں دیتا، جب کہ وہ خود بھی صمید کے ساتھ یہ ہی کر رہی تھی۔ آگے بڑھ کر اس نے بھی صمید سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ اس نے کیوں نہیں سوچا کہ ماں کا رویہ اسے بھی تکلیف پہنچاتا ہوگا وہ اس لیے اس پر بات نہیں کرتا۔ اس کی خاموشی کی وجہ ماں سے محبت ہے، بیوی سے محبت میں کمی نہیں۔

اسے لگا دونوں کی خاموشی ہی سب سے بڑی مجرم تھی۔

"آپ نے کبھی مجھ سے کچھ کہا کیوں نہیں؟"

"کیا کہتا؟" اس نے دلگیر تبسم کے ساتھ اسے دیکھا۔

"کہ کیسے اپنی ماں کی شکایت کرتا، ان کے رویے سے مجھے کتنی تکلیف ہو رہی ہے کیسے بتاتا۔ وہ جو بھی کر رہی تھیں، میں دیکھ رہا تھا پھر بھی میں تمہارے منہ سے اپنی ماں کی برائی نہیں سننا چاہتا تھا۔ تم میری پوزیشن تو سمجھو، مجھے دنیا میں جس سے سب سے زیادہ محبت تھی، دن بہ دن تمہارے دل میں اس کے لیے نفرت بڑھ رہی تھی اور میں بے بس ہو رہا تھا۔"

قرسم نادم ہوگئی کہ اس نے ایک بار بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اس ماحول میں صمید پر کیا گزر رہی ہے۔ اس کی سوچ اپنے ساتھ ہو رہی زیادتی اور ظلم سے آگے گئی ہی نہیں تھی۔

"اب میں سوچتا ہوں، میں یہ کر سکتا تھا، وہ کر سکتا تھا، کئی آئیڈیاز دماغ میں آتے ہیں اور شاید عم

digestlibrary.com

بھر آتے رہیں گے، میں پچھتاتا رہوں گا کہ ایسا کرنا چاہیے تھا، ویسا کر لیتا تو سب ٹھیک ہو جاتا۔ بے شک میں نے غلطیاں کیں، مگر میرے پاس اور کیا راستہ تھا؟ میں امی کو چھوڑ نہیں سکتا تھا نہ تمہیں، تمہارے لیے ان سے لڑائی کر سکتا تھا نہ ان کے لیے تم سے۔ انہیں ان کی غلطیاں زیادتیاں گنوا کر ان کا دل بھی دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ انہوں نے ایک عمر مجھ پر خرچ کی تھی، اپنی ساری خواہشیں، خوشیاں میرے لیے تیاگ دی تھیں۔ جسے تم نے نہیں دیکھا، وہ دلشاد بیگم بہت مخلص، بے غرض اور بہترین ماں تھیں، جسے میں نے دیکھا تھا۔ اس دن جو فضول باتیں میں نے تم سے کہی تھیں، وہ ان کی حالت دیکھ کر میری بے بسی اور فرسٹریشن تھی۔"

"میں جانتی ہوں۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ جو باتیں دل میں پھانس بن کر اٹک گئی تھیں اب کہیں نہیں تھیں۔

"قسم! میں جانتا ہوں تمہارے لیے امی کبھی اتنی اہم یا اچھی نہیں ہو سکتیں جتنی وہ میرے لیے تھیں اور ہمیشہ رہیں گی اور میں چاہتا ہوں تم بھی یہ مان لو کہ وہ میرے لیے ہمیشہ سب سے مقدم ہی ہوں گی۔"

اس نے سر ہلایا۔ وہ ساس کے دیے زخم کبھی نہیں بھول سکتی تھی، انہیں معاف نہیں کر سکتی تھی مگر صمید کے لیے اس کا دل راضی تھا، بھولنے بھی اور معاف کرنے بھی اور اس نے اپنی زندگی کے یہ دو سچ الگ الگ قبول کر لیے تھے۔

"کبھی مجھے یہ بات بہت تکلیف دیتی تھی کہ تم میری ماں سے نفرت کرتی ہو مگر اب میں نے قبول کر لیا ہے کہ۔"

"نفرت بہت انتہائی لفظ ہے صمید۔" اس نے ٹوکا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا۔

"ہم ان باتوں کو یہیں دفن کر دیں، آئندہ ہر مسئلہ ہر مشکل آپس میں بات چیت سے حل کرنے کا وعدہ کریں تو آنے والے وقت میں اتنے دن اجنبی بن کے نہیں گزارنے پڑیں گے۔"

صمید کی بات پر اس نے بس سر ہلایا کہ ابھی تو اس نے کچھ کہا ہی نہیں تھا مگر اس وقت مناسب بھی نہیں تھا۔

اس شب وہ سوئی تو اس نے صمید کی طرف پشت نہیں کی تھی۔ ان دونوں نے غلطیاں کی تھیں۔ جو بات اس کو سب سے زیادہ تکلیف دے رہی تھی، وہ کس قدر تکلیف کے باعث زبان سے پھسلی تھی، اس نے غور کرنے ضرورت نہیں سمجھی تھی اور اگر ہی کو بنیاد بنا کر، اپنے زخمی دل کو تھامے وہ کوئی فیصلہ کرتی تو اپنا ہی نقصان تھا۔

وہ اس مضبوط اور ہٹے کٹے مرد کو آنسو بہانے اور دل کا غبار نکالنے کے بعد تھک کے مگر سکون بھری نیند میں ڈوبے دیکھ رہی تھی۔ اسے احساس ہوا اس نے کتنے دن سے اسے غور سے دیکھا نہیں تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے بڑے عرصے بعد اسے اوائل دنوں کی شرارتیں اور سرگوشیاں یاد آئی تھیں۔ اس کے خدوخال دیکھتے ہوئے اس نے خود کو یاد دلایا کہ یہ چہرہ، یہ شخص اسے کتنا پسند تھا۔ ہاں اسے یاد آنے لگا وہ اچھا وقت جو اس نے صرف اس شخص کی وجہ سے جیا تھا۔ اس کے اندر کے شکوے ایک طرف ہٹنے لگے کہ تشکر اور خوبصورت یادیں ایک ساتھ آ دھمکی تھیں اور انہیں جگہ چاہیے تھی۔

تنکے جیسی درز سے داخل ہوا خوش گوار یاد کا جھونکا حبس کم کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ کھلی تو صمید جگہ پر نہیں تھا۔ اس نے وقت دیکھا تو جھٹ اٹھ بیٹھی۔ اسے دیر ہو گئی تھی۔ سلیپر پہنتے ہوئے یاد آیا کہ آج چھٹی ہے اور ساری پھرتی ہوا ہو گئی۔ کچھ دیر بعد باہر آئی تو صمید باورچی خانے میں مصروف تھا۔ وہ خاموشی سے کھانے کی میز کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

ایک دو بار صمید نے پہلے بھی چھٹی کے دن خود ناشتہ بنایا تھا لیکن یہ بات دلشاد بیگم کو پسند نہیں آئی

نمی۔
"یہ کام مردوں کے کرنے کے نہیں۔"
"سارے مشہور شیف مرد ہی ہیں امی۔" اس نے اس کے ٹالنا چاہا تھا۔
"ہوتے ہوں گے مگر مجھے میرا بیٹا یہ کام کرتا بہت ناپسند ہے۔" وہ کب کسی اور کی سنتی یا مانتی تھیں۔
"قسم! آج کے بعد مجھے صمید کبھی کچن میں دکھائی نہ دے۔" یہ ذمہ داری اور فرض بھی انہوں نے بہو کے کھاتے میں لکھا تھا۔
"جی۔" اس کی ساری خوشی اور جوش ملیامٹ ہوگیا تھا۔
"تم جاگ گئیں، گڈ مارننگ۔" وہ پلٹا تو اسے دیکھ کر خوش دلی سے کہا۔
"بریک فاسٹ بھی ریڈی ہے۔" اس نے ایپرن کھولتے ہوئے کہا۔ وہ سست سی وہیں بیٹھی رہی۔ صمید نے ناشتہ میز پر لگایا اور خود بھی کرسی سنبھال لی۔ اس نے چیز آملیٹ اور فرنچ ٹوسٹ بنائے تھے۔
ناشتے کے بعد قسم نے برتن اٹھا کر باورچی خانے میں رکھے اور چائے لیے واپس اسی جگہ آکر بیٹھ گئی۔
وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ درمیان میں میز تھی۔ کل صمید نے دل کھول کے رکھا تھا، آج اس کی باری تھی۔
"مجھے بہت شکایتیں تھیں، اپنے ساتھ ہوئی زیادتیوں پر اپنا صبر اور خاموشی کے بدلے مجھے کسی بہت بڑے ایوارڈ کی امید تھی۔ میرے نزدیک یہ شادی اب تک میری برداشت کی وجہ سے چل رہی تھی مگر اب حقیقت جانی ہے کہ میں نے تو ہمیشہ صرف اپنے بارے میں سوچا۔ مجھے لگا عام سا سسرال ہے میرا روایتی سی ساس اور وہی روایتی بیٹا مگر سچ یہ ہے کہ میں روایتی بہو اور بیوی نکلی۔ کوشش، حل یا راستے کی تلاش کے بجائے میں اپنے ساتھ ہو رہی زیادتی اور ظلم گنتی رہی پھر اپنی خاموشی اور برداشت کو آپ پر اور گھر پر احسان گردانتی گئی۔ میں نے کبھی بھی آنٹی کے ساتھ معاملات ٹھیک کرنے کی کوشش نہیں کی نہ آپ سے کھل کے بات کرنے کی۔ میں اپنے خودساختہ خول میں قید تھی۔"
"ہم دونوں نے کبھی ایک ساتھ امی سے بات نہیں کی نہ آپس میں اس مسئلے پر تبادلہ خیال کیا کو ہمیں کرنا چاہیے تھا۔" صمید نے کہا۔
"سوری۔ مجھے بھی کرنی ہے کہ میں نے کبھی آپ کی پوزیشن سمجھی نہ خود کو آپ کی جگہ رکھ کے سوچا۔"
"قسم!" صمید نے آگے جھک کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔
"ہم ماضی بھول کر، ہوچکی غلطیوں سے سیکھ کر آگے بڑھتے ہیں۔ اب ایک ہی گھر میں مجھ سے یہ اجنبیت سہی نہیں جاتی۔" مگر وہ اس سے پہلے سب کہنا چاہتی تھی۔
"کچھ دن پہلے بہت سوچنے کے بعد میں نے الگ ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔" وہ سر جھکا کر گویا ہوئی۔
"قسم!" اس کی آواز میں بے یقینی اور دکھ تھا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار قسم کے ہاتھ سے دور ہوا۔ قسم کے آنسو گرنے لگے۔
"اب بھی تمہارا فیصلہ وہی ہے؟" صمید ہی جانتا تھا وہ کس پل صراط سے گزر رہا ہے۔ قسم نے نفی میں سر ہلایا۔
"لیکن ایک اور بات بتانی ہے۔" صمید دل تھامے منتظر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور جب اس نے وہ نوید سنائی تو کچھ حیران اور بے یقین سا تھا۔
"کاش کم سے کم امی یہ خبر سن کے جاتیں!" پہلا خیال صمید کے ذہن میں یہی آیا۔
اس نے اسے مبارک باد دی۔ اس کا چہرہ عرصے بعد ایسا کھلا تھا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی تاہم جلد ہی کسی خیال نے اسے ایک دم بدل دیا۔
"تم نے اس وجہ سے اپنا فیصلہ بدلا ہے؟"

"نہیں۔" قرسم نے میز سے ہاتھ اٹھا کے چہرہ صاف کیا۔

"میں نے یہ جان لیا ہے کہ میں اتنی مظلوم تھی نہیں تھی نہ اکیلی جس نے برداشت کیا، صبر کیا، سہا۔ اس رشتے کو سنبھالنے، نبھانے اور بگاڑنے میں آپ کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا میرا اور۔" وہ ذرا ٹھہری۔

"آپی کہتی ہیں شادی وہی خوش حال اور کامیاب ہوتی ہے جہاں دونوں فریق اسے خوش حال اور کام یاب بنانے کے خواہاں اور کوشاں ہوں۔" حلق میں اٹکے آنسوؤں نے آواز بند کردی۔

"اور ہم دونوں ہی یہ چاہتے ہیں۔ مجھے آپ کو چھوڑ کے کہیں نہیں جانا۔"

اس نے گزرے پانچ سالوں میں اکٹھا ہوئے شکایتوں کے تنکوں کو، تباہ کی خواہش کی ہوا سے اڑا دیا تھا اور ان کی جگہ اب اس نے امید اور یقین کے تنکے رکھے تھے۔

☆☆☆

سب سے زیادہ خوش آپی تھیں اور سب سے زیادہ حیران مونا باجی۔

"تم نے درست فیصلہ کیا ہے اور مجھے یقین ہے اب تم جان گئی ہوگی کہ شادی برابری کا کھیل نہیں ہے بلکہ یہ وقت پڑنے پر دونوں کا نوے پرسنٹ دینے کو تیار رہنا ہے۔" انہوں نے کہا تھا۔

جھکنا آسان نہیں تھا پھر بھی اس نے پیچھے سے اس کے گلے میں بازو ڈال کے اسے سرپرائز دینے کی کوشش کی تھی۔

"میں وہی سوچ رہا تھا تم اب تک آئیں نہیں۔" اس کا بازو پکڑ کے، احتیاط سے اسے ساتھ بٹھاتے ہوئے صمید مسکرایا۔

اس لمحے صمید کو تھمایا جو لیپ ٹاپ زانو پر رکھے کام کررہا تھا

"تھینک یو۔" صمید کی آواز میں بہت کچھ پنہاں تھا اور قرسم جانتی تھی، یہ شکریہ محض کافی کے لیے نہیں ہے۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

صمید نے لیپ ٹاپ بند کرکے ایک طرف رکھ دیا۔

"تمہیں نہیں چاہیے؟" کافی کا ایک ہی مگ دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"آپ کی کافی سے دو سپ لے لوں گی۔" وہ کیفین کے زیادہ استعمال سے پرہیز کررہی تھی۔

صمید نے کافی کا ایک گھونٹ حلق سے نیچے اتارا اور مگ اسے تھما دیا۔

"مجھے اس گیٹ پر صرف سفید بوگن ویلیا چاہیے صمید۔" اس کا لہجہ ہلکی سی ضد بھری فرمائش والا تھا۔

"تمہیں پتا ہے میں ابھی کیا دیکھ رہا تھا؟"

"کیا؟" اس نے کافی کا گھونٹ بھر کے مگ واپس اسے دیا۔

"جلد ہی اگلا ٹرانسفر چندی گڑھ ہونے والا ہے۔" صمید مگ رکھ کے دوبارہ لیپ ٹاپ روشن کیا۔

"یہ وہاں الاٹ ہونے والے بنگلوں کے آپشنز میں سے ایک ہے اور میں نے کہا ہے مجھے یہ ہی چاہیے۔" اسکرین پر نظر آرہے مکان کے گیٹ کے اوپر بنی کمان سفید بوگن ویلیا کی پھولوں سے ڈھکی تھی۔

"ہاؤ کنائنڈ یو ہیو تھینک یو۔" اس نے صمید کے شانے پر سر ٹکا کے کہا۔

"ہمیں کب جانا ہوگا؟" قرسم نے پوچھا۔ وہ بغور اپنے نئے آشیانے کو دیکھ رہی تھی۔

"نیکسٹ منتھ کہہ رہے تھے لیکن میں نے آگے بڑھا دیا ہے تاکہ ہم دو نہیں تین نئے گھر شفٹ ہوں۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔ وہ مسکرا دی۔ اگلے چند ہفتوں میں کسی بھی وقت نئی آمد متوقع تھی۔

"اور تمہیں پتا ہے چندی گڑھ میں۔" اور اب وہاں نئی جگہ، نئے گھر اور نئی شروعات کی باتوں کا آغاز ہوگیا تھا۔

چاندنی کی ٹھنڈک میں مدہوش بوگن ویلیا کے رنگ برنگے پھول جلد ان سے دور جانے والے دو مکینوں کے نئے آشیانے کے لیے محو دعا تھے۔

☆☆

Digest library.com

مریم انصاری

اسرارِ حیات

"سنو شبیر بیٹا! یہ الماری خالی کردو۔ اخبار، جہاں، اردو ڈائجسٹ، اخباروں کے انبار، سب کچھ، ہاں سب نکال دو۔ اس شیلف سے دوائیاں، سیرپ اور ہاں اب سب سے آخری شیلف..... جوتوں کے ڈبے نکالو۔ شاباش یہ ان کے پیچھے کیا نظر آرہا ہے؟"

"باجی جی! ڈبا پڑا ہے جس میں سوہن حلوہ ہوتا ہے۔"

"کھولو کیا ہے اس میں؟" شبیر نے مٹی سے اٹا، زنگ آلود ڈبا بڑی دقت سے کھولا۔ لڈو کی گولیاں لڑھکیں۔ ٹوٹی ہوئی چوڑیاں، نیل پالش اور.....اور.....ارے یہ کیا!!!

میرے سر پر گویا آسمان گر پڑا۔ اُف میرے خدا۔ میں نے جلدی سے دیوار کا سہارا لیا۔

آنسوؤں نے بھی میرا ساتھ دینا گوارا نہ کیا۔

☆☆☆

میرے شوہر فیاض صاحب عرصہ دراز سے سعودیہ میں مقیم تھے۔ بڑی ذمہ داریوں سے میری جان جائی تھی لیکن گھر کی حالت ابتر ہورہی تھی جگہ جگہ سے پلستر اکھڑا ہوا دیواریں بدرنگ تو آخر کار ہمت کرہی لی کہ رینوویشن کروالی جائے۔ کاٹھ کباڑ بھی نکال دینے کا سوچا۔ کچن، ڈرائنگ روم کا کام مکمل ہوچکا تھا میرے بیڈروم سے متصل کمرہ جو میرے ہی تصرف میں تھا آج اسی کی شامت آئی ہوئی تھی۔ اسے میں خالی کروارہی تھی۔ اسے خالی کرواتے کرواتے میرا دل خالی ہوگیا۔

اس ڈبے میں آج سے ساڑھے تین سال پہلے گم ہوجانے والا سونے کا سیٹ میرا منہ چڑا رہا تھا۔

بات تو خوشی کی ہے نا کہ آپ کو اپنی قیمتی متاع مل گئی جسے کھوکر آپ بے حد رنجیدہ روتے رہے۔ لیکن نہیں ہم صرف رنجیدہ نہ ہوئے۔ صرف روئے نہیں۔ ہم تو خدائی فوجدار بن گئے۔ ہم نے الزام نہیں لگایا۔ سیدھا سیدھا مجرم ہی بنا ڈالا۔ فوری سزا سنادی۔ بغیر تحقیق کیے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔ لمحوں میں بے سائباں کردیا۔

☆☆☆

نسرین میرے گھر کے فرد کی طرح تھی۔ نو سال سے میرے پاس تھی۔ کھانا بنانا اس کے ذمے تھا۔ کپڑے استری بھی وہی کرتی تھی میرے مکان کو گھر کا روپ اسی نے بخشا تھا۔ ہر فرد کی مزاج آشنا۔ سب کی پسند کا ناشتا، متوازن غذا کا مینیو۔ اگرچہ وہ ان لفظوں سے آشنا نہ تھی مگر گرہستی میں طاق، بسم اللہ کا ورد کرتی۔ درود شریف کی روشنیاں بکھیرتی۔



خاندان میں ہونے والی شادی اٹینڈ کر کے میں تھکی ہاری واپس پہنچی۔ اپنا گولڈ کا سیٹ اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اگلے دن اسکول چلی گئی کہ میں ٹیچنگ پروفیشن سے وابستہ تھی۔ میری بیٹی فضہ چار سال کی تھی اسے نسرین ہی سنبھالتی تھی۔

یہ ڈیا فضہ کے کھلونوں میں شامل تھا۔ فضہ نے کھیل ہی کھیل میں میرا سیٹ اپنے ڈبے میں مقید کیا ہوگا اور ڈبا الماری کی زینت بن گیا۔

اس سارے قضیے میں فضہ کا تذکرہ تک نہ ہوا۔ مگر کچھ معصوم لوگ اس کی زد میں آ گئے۔ ان کی روٹیں چلی گئی ان پر ان کے رزق کا دروازہ بند کر دیا۔ مجھ جیسی مہان ہستی نے..... میری بیٹی افراح مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھی میرا بیٹا عرفان بہت اداس تھا۔ بے بسی محسوس کر رہا تھا یہ آج میری ماں کو کیا ہو گیا ہے۔

نسرین کے بے آواز آنسو اس کے رخساروں کو بھگوتے ہوئے بارش کے قطروں کی طرح گر رہے تھے اور اس کا چہرہ پتھر کی طرح بے حرکت تھا۔

☆☆☆

"جاب کرنا میرا خواب تھا۔ مصروفیت اچھی چیز ہے زندگی میں ڈسپلن آ جاتا ہے، سوچوں کے بھنور سے انسان نکلا رہتا ہے۔ ویسے بھی فیاض صاحب سعودیہ ملازمت کرتے تھے۔ سال دو سال بعد ایک ماہ کے لیے پاکستان آتے۔ شوہر پردیس کی کٹھنائیاں برداشت کرتے ہیں تو بیوی تنہائیوں کے عذاب سہتی ہے۔ ویرانی میرے اندر ڈیرہ ڈالے بیٹھی تھی اور میں دنیا کو بے رنگ پاتی تھی۔

نوکری کرنا دراصل اپنے اندر کے اضطراب کو کم کرنے کی ایک کوشش تھی اور بس۔

گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ بچے سنبھالنا مشکل ترین لگتا مجھے کل وقتی ملازمہ چاہیے تھی۔ ہر جگہ، ہر محفل میں، دعاؤں میں، میں کل وقتی ملازمہ مانگ رہی تھی ایک ہی التجا تھی کہیں سے بندوبست ہو جائے تاکہ یکسوئی سے ملازمت کر سکوں۔

کچھ لوگ نوکری چھوڑنے کا کہتے ہیں مجھے بہت برا لگتا۔ مشورہ دینا بہت آسان ہے۔ یہ مشیر بھی اپنے آپ کو میری جگہ رکھ کر سوچیں تو پتا چلے۔ انسان اپنی عادت کا اسیر ہو جاتا ہے۔ سوشل لائف مجھے پسند ہے۔ چار دیواری میں مقید ہو جانا میرے مزاج کے خلاف ہے۔

بھلا ہو میری دوست، میری کولیگ صائمہ قادر کا۔ اس نے میرا مسئلہ حل کر دیا۔ سانولی سلونی، نازک سی نسرین سے اس نے ملوایا۔ نسرین کو سر چھپانے کے لیے چھت درکار تھی، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ میرے بیٹے عرفان کا ہم عمر اور ہم جماعت بلال، نسرین کا بیٹا بھی اس کے ہمراہ تھا۔

فیاض صرف نام کے فیاض نہیں تھے اللہ نے انہیں بڑا سخی بنایا تھا ان کی طرف سے یہ حکم نامہ جاری ہوا بلال کو عرفان کے اسکول میں داخل کروا دو۔

نسرین زبان سے کبھی اظہار نہیں کرتی تھی لیکن اس کے ہر عمل میں تشکر ہوتا۔ میری زندگی کا سکون، آسائش نسرین کے وجود سے جڑا تھا۔ میرے بچوں کی پسند ناپسند سے وہی واقف تھی۔

☆☆☆

اس کی ساری محبتوں، اس کی ساری نیکیوں اور اس کے اخلاص کا کیا صلہ دیا میں نے۔ لمحوں میں بے توقیر کر دیا اسے۔

گھر کے در و دیوار خاموش تماشائی تھے۔

آج اس سوہن حلوے کے ڈبے نے میری دنیا تہس نہس کر دی میں اپنی نظروں میں گر گئی جو ظلم میں نے ڈھایا تھا اس کا غم جگہ جگہ دبک کر بیٹھ گیا۔ کچن کے ہر شیلف میں، کھانوں کے ذائقے میں۔

برتنوں کی کھنک میں۔ میں نسرین کے کمرے میں کھڑی تھی میں رنجیدہ تھی۔ ہر طرف خاموشی کا راج تھا ہماری غلطیاں بھیانک سایہ بن کر ہماری رفیق بن جاتی ہیں۔

کاش مجھے نسرین مل جائے۔ ایک مرتبہ۔ ایک جھلک اس کی۔ میں اس سے معافی مانگوں۔

مجھے قیمت چکانا پڑی تھی اسے بے گھر کر کے۔ میرا گھر "مکان" بن گیا تھا۔

افراح چڑچڑی ہوگئی تھی۔ عرفان آدم بیزار یا پتا نہیں "ماں بیزار۔"

فضہ کی ٹیچر کا فون آتا "کیسی ماں ہیں آپ؟ آپ کی بیٹی لنچ نہیں لاتی۔ پانی کی بوتل اس کے پاس نہیں ہوتی۔ اس کے ناخن بڑھے ہوئے ہیں۔ اس کا یونیفارم صاف نہیں ہوتا۔"

☆☆☆

"میرا دل گواہی دیتا تھا کہ نسرین ایسا نہیں کرسکتی۔"

"بس کریں ماما! دل کی گواہی پہ آپ نے کان دھرے؟ سیٹ مل جانے پر یہ بات کہنا بے معنی ہے۔"

عرفان نے تاسف بھری نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

وہ خالی خالی نگاہوں سے چھت کو گھور رہی تھیں اور خود کلامی کر رہی تھیں۔

عرفان کو دھچکا لگا۔ ماں ٹھیک نہیں۔ چند دن پہلے ان کی دوست صائمہ قادر نے کہا تھا، "بیٹا! ماما کا چیک اپ کرواؤ۔ وہ بھولنے لگی ہیں۔ وہ زندگی سے دور ہو رہی ہیں۔ کوئی بات ہے جو انہیں پریشان کر رہی ہے۔ وہ عدم تحفظ کا شکار ہیں۔"

"سارا قصور بابا کا ہے۔ ان کے نزدیک ہر مسئلے کا حل پیسہ ہے۔" افراح ماں کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ "بھیا! کیا ہمیں بابا کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی؟

خود بھی پر صعوبت زندگی گزار رہے ہیں۔ اور ہم بھی تکلیف میں ہیں۔"

فضہ دانتوں سے ناخن کترنے میں مصروف تھی

'ابا کی زندگی جدوجہد سے عبارت ہے محبت سے عاری۔"

☆☆☆

"بیٹے! کبھی بلال ملا آپ کو؟" عرفان نے ماں کے دونوں ہاتھ تھامے اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

ان کی آنکھیں خوش گواریت کے احساس سے روشن ہوئیں اور پھر آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔

"مت روئیں۔ بلال اور نسرین آنٹی سے بابا کا اور میرا تعلق کبھی ٹوٹا ہی نہیں۔"

آج کا دن اتفاقات کا تھا۔ آج کا روشن دن محبتوں کا پیامبر تھا۔ آج کا دن معافی کا تھا۔

آج کا دن تجدید محبت کا تھا۔

نسرین اور بلال موجود تھے۔

فیاض صاحب کے پروگرام کو عرفان نے سیکریٹ رکھا تھا اور ان کی آمد ہو چکی تھی۔

"فضہ! تم رو رہی ہو یا ہنس رہی ہو؟"

افراح نے بہن کو چھیڑا۔ بابا نے دونوں بیٹیوں کو بانہوں کے گھیرے میں لے لیا۔

"اب آپ واپس نہیں جائیں گے۔ ہم جانے ہی نہیں دیں گے۔"

☆☆☆

"اداس سہاگنیں اپنے پردیسی شوہروں کی یاد میں جب پریشان ہوتی ہیں تو ساس نندوں سے لڑتی ہیں۔ مجھے ساس نند میسر نہ تھیں۔ نسرین! تم نشانہ بن گئیں میرے عتاب کا..... مجھے معاف کردو۔"

"آنٹی! میری امی آپ سے ناراض نہیں ہیں۔ وہ تو پریشان ہوتی تھیں یہ سوچ کر کہ پورا گھر میرے سپرد تھا۔ سارا قصور میرا تھا۔ میری موجودگی میں نقصان ہوا۔" بلال نے کہا۔

نسرین نے بڑھ کر ماما کو گلے لگایا۔ ساڑھے تین سال کا وقفہ دم توڑ گیا۔

"آج کھانا باہر سے آرڈر ہوگا۔" فضہ اور افراح نے پرتکلف چائے کا اہتمام کیا۔

سب کے چہروں پر اطمینان کی روشنی تھی۔ بے کلی اور اضطراب کو دیس نکالا مل گیا تھا۔

رفاقت زندگی ہے۔ ہجر دکھ ہے۔

☆☆

سمیرا حمید

پردیس

اجالا گاؤں کی ایک سیدھی سادی لڑکی تھی ایک شادی کی تقریب میں برطانیہ سے اس کے دور کے رشتے دار آتے ہیں۔آنٹی اپنے بیٹے شہریار کے لیے اسے پسند کر لیتی ہیں۔اس کا رشتہ مانگتی ہیں۔گاؤں میں سب اس کی قسمت پر رشک کرتے ہیں کہ اجالا بیاہ کر امریکا چلی جائے گی۔

شادی کے بعد امریکہ آ کر اجالا پر انکشاف ہوتا ہے کہ شہریار پہلے بھی ایک شادی کر چکا تھا۔گاؤں میں آنٹی کے سارے دعوے جھوٹے تھے،امریکا میں وہ اور ان کے سارے بچے نوکری کر کے گزارا کرتے ہیں جبکہ اجالا کو نوکری کرنے نہ صرف اپنا بلکہ شہریار کا بوجھ بھی اٹھانا ہے۔شہریار یکسر مختلف انسان ہے۔جس میں اخلاقی برائیاں ہیں پر اب وہ بری طرح ان کے چنگل میں پھنس چکی تھی جس سے فرار مشکل تھی۔

ادھر گاؤں میں سب آنٹی کے دلائے سہانے سپنوں کو سچ سمجھتے ہیں۔شہریار اسے شراب کی فیکٹری میں ملازمت دلواتا ہے اور اس کے لیے اس کے خوب صورت لمبے بال کٹوا دیتا ہے۔شراب کی فیکٹری میں اجالا کے لیے مسائل پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اسے جاب چھوڑنا پڑتی ہے۔

اجالا کی دونوں نندوں کا رویہ اس سے اچھا ہے آنٹی کے رویے کے باعث عینی ان سے دور جاب کرنے پر مجبور ہے۔سارہ یونی ورسٹی میں عورتوں کی آزادی کے لیے بر سرِ پیکار رہتی ہے۔اجالا ایک ڈاکٹر کے گھر میں الماس کے ساتھ کام کرتی ہے جس کی دوسری کم عمر بیوی روشن پر اس کی ساس بہت تشدد کرتی رہتی ہیں۔اجالا روشن کو اس چنگل سے نکالنے کے لیے سارہ کی مدد لیتی ہے تاکہ روشن پاکستان اپنے والدین کے پاس لوٹ جائے وہ کامیاب ہو جاتی ہے اس سلسلے میں پاکستانی قونصل خانہ ان کی مدد کرتا ہے۔ڈاکٹر صاحب اور ان کے گھر والوں کو سخت سزا ملنے کا امکان ہے لیکن وہ حیلے بہانے کر کے روشن سے ملتے ہیں اور اسے بہلا پھسلا کر قائل کر لیتے ہیں عدالتی کارروائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

بالآخر روشن کو ڈاکٹر صاحب کی قید سے چھٹکارہ مل جاتا ہے وہ اپنی وکیل کی لاکھ منتوں کے باوجود ان پر کوئی کیس کرائے بغیر اپنے گاؤں چلی جاتی ہے۔

اجالا الماس کے ذریعے ایک نئی جگہ کام کرتی ہے جہاں گاؤں سے آئی گل باجی بظاہر خوش نظر آنے والے خاندان کے ساتھ رہتی ہیں ان کی خوب صورت بیٹی اپنی خاندانی روایات کے خلاف صحافی بننا چاہتی ہے باپ اس کا نکاح ایک بچے کے باپ سے کرنا چاہتا ہے اور وہ عین نکاح سے فرار ہو جاتی ہے۔

مشعل کی پراسرار گمشدگی پر پورے امریکا میں شور مچ جاتا ہے۔عزت کے نام پر قتل لوگوں میں ہاٹ ٹاپک بن گیا لیکن کے گھر کی زندگی نارمل ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو کل بظاہر سارے کام کر رہی ہے پر اندر سے مشعل کے لیے خوف زدہ ہے۔

بختیار کو مشعل کی گمشدگی کے لیے ٹی وی چینل والے بلاتے ہیں اور بختیار انہیں دو بدو جواب دیتا ہے۔

مکمل ناول



ا...ا اپنی فرسٹریشن آنٹی پر نکالتی ہے۔ سارہ اسے سمجھاتی ہے۔ مشعل کی گمشدگی کے چار ماہ بعد پولیس کو پیرس [illegible] ڈاک ایک لفافہ ملتا ہے جس میں مشعل کی مسکراتی تصویر تھی۔

گیارہویں قسط

ماں اپنی آغوش کتنی ہی وسیع کرلے لیکن اولاد کی قبر تک لے آیا تھا۔
کو قبر میں جانے سے نہیں روک سکتی۔

موت کا پھندہ، جس نے ستارہ آنکھوں کے
[illegible] خواب نوچ لیے تھے۔ جس کے درمیانی حصے
پر خون کے نشانات تھے۔ وہی خون جو قیامت کے دن
دہائی دے کر پوچھے گا کہ مجھے قتل کیوں کیا گیا؟ زندگی
سے میرا حق کیوں چھینا گیا؟ [illegible] سانسوں کی
ڈوری نوچ کر مجھے گڑھے میں کیوں پھینکا گیا؟

وہ اپنے سارے سامان کے ساتھ دفنائی گئی تھی۔
زندگی کی آرائش اور موت کی زیبائش کے ساتھ۔

☆☆☆

یونانی بادشاہ ڈاناؤس کی پچاس بیٹیاں تھیں لیکن وہ کسی ایک کے لیے بھی اپنی انا قربان نہیں کرسکا۔ وہ کسی ایک پر بھی رحم نہیں کھا سکا۔ وہ سب کو اپنی خواہش کی قربان گاہ تک لے گیا، اور ان کی خوشیوں کے پیندے میں سوراخ کردیے۔ اپنے حکم کو مرہم میں لپیٹ کر اس نے بیٹیوں سے بجا آوری کی بھاری قیمت وصول کی تھی۔

☆☆☆

کہتے ہیں قتل کے لیے اتفاقات ایسے کامل انداز سے وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ہر چیز قاتل کے حق میں ہوتی چلی جاتی ہے۔ سہراب کئی بار پہلے بھی مشعل کا اس کے اپارٹمنٹ تک پیچھا کرچکا تھا، لیکن اس کی بات نہیں بن سکی تھی۔ جس بلڈنگ میں وہ رہتی تھی اس کی سیکیورٹی اچھی تھی۔ وہ رات کو گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔ جاب کے لیے آتے جاتے ہوئے اس کے ساتھ لڑکیاں ہوتی تھیں۔ وہ رات گئے تک اس کی بلڈنگ کے آس پاس چکر لگاتا رہتا تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر اس کے نکلنے کا انتظار کرتا تھا۔

بختیار کو یقین تھا کہ کسی دن مشعل گھر ضرور

digest library.com

آئے گی، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ گل نے کبھی اسے گھر آنے نہیں دیا۔ وہ کئی بار ماں بیٹی کی فون پر باتیں سن چکا تھا۔ گل نہیں جانتی تھی کہ وہ بہت کچھ جانتا ہے۔ گل چھوٹے سے گاؤں کی چھوٹے دماغ والی عورت تھی۔ بختیار جانتا تھا کہ مشعل نیو ایئر کے لیے پیرس گئی ہے۔ وہ اس کی واپسی کی متوقع تاریخ معلوم کروا چکا تھا۔ وہ یہ بھی جان چکا تھا کہ گل نے اسے اپنی قسم دے کر کہا ہے کہ وہ واپس امریکا نہ آئے۔ پیرس ہی رہ جائے۔ اگر مشعل کبھی واپس نہ آتی تب بھی بختیار کے پاس دوسرا راستہ تھا۔

اس دن وہ اتفاق سے گھر آیا تھا۔ گل فون کے پاس گھبرائی ہوئی کھڑی تھی۔ بختیار کو آتے ہوئے دیکھ کر اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ دونوں ماں بیٹی کی فون پر بات ہوئی ہے۔ اس نے گل کو چائے بنانے کے لیے کہا۔ اسی دوران فون آیا۔ اس نے آواز کیے بغیر فون اٹھا لیا۔ لائن میں شور تھا لیکن وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ گل کو ملنے کے لیے بلا رہی ہے۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا اور سہراب کو فون کر دیا۔

ہر چیز لائن میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ بختیار کو یقین تھا کہ مشعل اس کی گاڑی میں نہیں بیٹھے گی۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی بیٹی کی ذہانت بڑی لیکن دل چھوٹا سا ہے۔ اس کا بار بار گل کو فون کرنا ظاہر کرتا تھا کہ وہ اپنے فیصلے کی بھاری قیمت چکا رہی ہے۔ وہ اپنے ارادوں میں جرات مند تھی لیکن جذبوں میں کمزور تھی۔ وہ بچی تھی، ابھی سیکھ نہیں سکی تھی کہ آزاد زندگی گزارنے کے لیے شیر کی کھال پہننے سے پہلے، سینے میں بھیڑیے کا دل رکھنا پڑتا ہے۔ وہ خوابوں میں رہنے والی تھی، خطرے کی بو سونگھنا نہیں جانتی تھی۔

☆☆☆

سہراب، بختیار، اور بختیار کا چھوٹا بھائی پولیس کسٹڈی میں تھے۔ مشعل کی ڈیڈ باڈی کے ساتھ اس کا سامان دفن کر دیا گیا تھا۔ کسی اور ثبوت کو ڈھونڈنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ قتل کرنے والا یقین رکھتا ہے کہ اس کے جرم کا کوئی نشان ظاہر نہیں ہو گا۔ خون پکارے نہیں کرے گا۔ اسی یقین کی بنا پر وہ قتل کرتا ہے، اسے چھپا دیتا ہے، اور پھر کھاتا پیتا سوتا جاگتا مزے کرتا ہے۔ دنیا انسانوں سے بھری پڑی ہے کوئی ایک انسان غائب ہو جائے گا تو کیا فرق پڑے گا۔ قتل کی پہلی رات بھاری ہوتی ہے۔ قاتل پر پہلی رات بھاری ہوتی ہے۔ وحشت سے بھاری یہ رات گزر جاتی ہے تو ساری راتیں ہلکی ہو جاتی ہیں۔ رات کی نیند، دن کے کام، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولنا، پریشانی ظاہر کرنا، آنسو بہا دینا، چرب زبانی کرنا، معمولی ہو جاتا ہے۔ ہر چیز اپنی جگہ پر آ جاتی ہے۔ قاتل خود بھی بھول جاتا ہے کہ وہ قتل کر چکا ہے۔

وہ دن شکاگو پر قہر برساتا رہا۔ ٹی وی چینلز چیختے چلاتے رہے۔ آسمان اگلے تین دن تک بارش برساتا رہا۔ اتنی بارش ہوئی تھی کہ لگتا تھا سیلاب آ جائے گا۔ زمین اپنی تہوں سے سارے راز اگل دے گی۔ زندہ دفنائی گئی ہر بیٹی زمین کا سینہ پھاڑ کر نکل آئے گی۔ بختیار نے گل سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مشعل کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس نے وعدہ پورا کیا تھا۔ مشعل کو سہراب نے مارا تھا، بختیار نے نہیں۔

سہراب گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ منہ سے ہلکی سی سیٹی کی آواز نکالی اور بونٹ کے قریب کھڑے بختیار کی طرف گردن گرا کر دیکھا۔ دونوں ہاتھوں میں کس کر پکڑے رسے کو جھٹکا دے کر اشارہ کیا۔ بختیار نے ترچھی آنکھ سے فرنٹ سیٹ کی طرف دیکھا۔

"اسے اپنی گاڑی میں رکھ دوں..... قالین لایا ہوں....." اس نے مشعل کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں....." بختیار نے سختی سے کہا۔

استہزائیہ سہراب کے ہونٹ سکڑ گئے۔ بختیار کی غیرت سلامت تھی۔ مردہ تھی لیکن اس کی بیٹی تھی۔

"قالین چھوڑ دو اور تم جاؤ....."

سہراب کی گاڑی درختوں کے جھنڈ میں کھڑی تھی۔ قالین نکال کر اس نے پچھلی سیٹ پر پھیلا دیا۔ اور گاڑی میں بیٹھ کر گودام کی طرف بڑھ گیا۔

بختیار کی گاڑی کا بونٹ کھڑا رہا۔

وہ اسی کونے سے لگ کر کھڑا رہا۔

مرنے والے کے اعزاز میں ایک لمحہ خاموشی کا۔

جہاں یہ سڑک ختم ہوتی تھی، ٹھیک اس سے اگلی سڑک پر اس کا گھر تھا۔ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی لڑکی اسی سڑک کے دھوکے میں آئی تھی۔ اگر اسے بختیار پر کوئی شک تھا تو بھی یہ راستہ دیکھ کر زائل ہو گیا۔ وہ راستہ جو اسے ماں کی طرف نہیں، اس کی آخری آرام گاہ کی طرف لے جا رہا تھا۔

بختیار نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تو مشعل لڑھک کر اس کے شانے پر جا گری۔

بچیاں چھوٹی ہوتی ہیں تو ہاتھ اٹھا کر ضد کرتی ہیں کہ انہیں گود میں اٹھایا جائے۔ باپ انہیں گود میں بھر لیتا ہے تو بچی لطیف احساس میں گھر جاتی ہے۔ اس کی خوشی دیدنی ہوتی ہے۔ زمین سے باپ کی گود کی بلندی کا یہ احساس اسے زندگی میں دوبارہ کسی اور مقام سے نہیں ملتا۔ باپ کے شانے پر سر لگا لینے کی آزادی ہر خطرے کو مات دے دیتی ہے۔ وہ تحفظ محسوس کرتی ہے۔ اس کی عمر بڑھتی ہے، وہ بوڑھی ہو جاتی ہے لیکن باپ کے لیے وہ چھوٹی بچی ہی رہتی ہے۔

☆☆☆

مشعل کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر منتقل کر دیا گیا۔ قالین کا منہ بند کر دیا گیا۔ گھوم کر گاڑی کا بونٹ بند کیا اور گاڑی گودام کی طرف رواں ہو گئی۔ صرف دس منٹ پہلے مشعل نے جس سڑک کی تصویر لی تھی کہ یہ اس کی زندگی کا اہم موڑ ہے۔ اس اہم موڑ سے وہ دس منٹ بعد قالین میں لپٹی گودام کے تاریک کونے میں دفن ہونے جا رہی تھی۔ خواب زندہ تھے لیکن تعبیریں مر چکی تھیں۔ اس کی آنکھوں نے جو آخری منظر دیکھا تھا وہ موت کا نہیں، بے یقینی کا تھا۔ کان کی لو، آنکھ کا کنارہ، گال کی ہڈی..... وہ سانس گھٹنے سے نہیں بے یقینی کے کرب سے مری تھی۔

لوگ اپنوں کے ہاتھوں کیسے مر جاتے ہیں؟

کیونکہ آخری لمحے تک وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

گاڑی تیزی سے گودام کی طرف بڑھ رہی تھی۔ راستہ لمبا تھا۔ سڑک پر ٹریفک تھی۔ کروز سے اترنے والی اس کی فرینڈز اپنے گھروں کی طرف جا رہی ہوں گی، اور وہ قبر کی طرف۔ ایک لو لگتا ہے اور زندگی موت کی آغوش میں جا سوتی ہے۔ اس کی فرینڈز گھر پہنچتے ہی ماں کے گلے سے لگیں گی۔ شور ہنگامہ کریں گی، شاور لیں گی اور تکان اتارنے کے لیے لمبی تان کر سو جائیں گی۔ لیکن وہ قالین میں لپٹی قیامت تک بے چین رہے گی۔

"مجھے صرف ایک سوال کا جواب دے دیں۔ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟"

"..... بہت زیادہ....."

سوال محبت تھا، جواب بھی محبت تھا لیکن نتیجہ موت رہا۔ کیسے؟

گاڑی گودام کے بڑے پھاٹک سے اندر چلی گئی۔ سہراب نے گڑھا تیار کر دیا تھا۔ قالین میں لپٹی مشعل کو بختیار نے اپنے ہاتھوں سے دفن کیا۔

زندہ دفنائی..... مار کر دفنائی..... ایک ہی بات ہے—

وہ زمانہ جاہلیت تھا..... یہ زمانہ امن ہے

..... ایک ہی بات ہے.....

☆☆☆

واپسی پر بختیار نے گاڑی اپنے بھائی کے گھر، گیراج میں کھڑی کی۔ وہ اسی کے انتظار میں تھا۔ جلدی سے گیراج کا شٹر گرا دیا۔

"نہ..... ابھی نہیں..... گاڑی صبح دھونا..... اس وقت تمہارے ہمسایوں کو اچنبھا ہوگا۔"

اس نے سر ہلا دیا لیکن چاروں دروازے کھول کر گاڑی کا اندر باہر سے اچھی طرح سے جائزہ لینے لگا۔ اسے فرنٹ پر مشعل کی سیٹ کے نیچے ایک تصویر پڑی دکھائی دی۔ یہ واحد تصویر تھی جو گاڑی میں رہ گئی تھی۔ اس نے بختیار کی طرف وہ تصویر بڑھا دی کہ اس کا کیا کرنا ہے۔

"جلا دوں....."

بختیار نے تصویر لے کر اپنی جیب میں رکھ لی۔ "میں کر لوں گا..... گاڑی لے کر تم صبح ہی نکل جانا۔"

digest.library.com

اس نے سر ہلا دیا۔ صبح گاڑی کو دوسرے شہر جانا تھا۔ پورچ میں کھڑی دوسری گاڑی لے کر بختیار گھر کی طرف آ گیا۔ تین گھنٹے کے اندر اندر بختیار نے مشعل کو تین مختلف حالتوں میں اپنے ساتھ رکھا تھا۔ وہ اسے کروز سے لا رہا تھا تو وہ سیٹ پر بیٹھی چہک رہی تھی۔ گودام کی طرف جا رہا تھا تو وہی چہکنے والی لڑکی پچھلی سیٹ پر مردہ پڑی تھی۔ اب اس لڑکی کی ماں کی طرف جا رہا تھا تو وہی لڑکی تصویر کی صورت میں اس کی جیب میں پڑی تھی۔

اس رات وہ گھر آیا تو گل کچن کی کھڑکی سے جھانکتی ہوئی ملی۔ اتنی ٹھنڈ میں اس نے کچن کی کھڑکی کھولی ہوئی تھی۔ دور سڑک پر اس کی گاڑی کی لائٹس چمکتی ہوئی دیکھیں تو جلدی سے نکل کر باہر آ گئی۔

"تم اتنی رات تک جاگ رہی ہو۔ دوا لے کر سو جاتیں۔"

اس نے محبت سے کہا اور اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے قریب کر لیا۔

"دوا لے کر سوئی تھی اچانک آنکھ کھل گئی۔ میرا منہ اتنا کڑوا تھا بختیار! جیسے کسی نے نمک سے بھر دیا ہو۔"

وہ ہنس دیا۔ "چینی کھا لیتیں....." وہ اندر کی طرف بڑھ رہا تھا کہ گل رک گئی۔

"بختیار..... اندر میرا دل پریشان ہو رہا ہے..... ہم چہل قدمی کر لیں....."

"اس وقت گل؟ کوئی دیکھے گا تو پاگل کہے گا۔"

"دیکھو کیسی عجیب بات ہے..... تمہارا انتظار کرنے لگی تو انتظار بھی لمبا ہو گیا۔"

اس کے گرد اپنے بازو کا حلقہ تنگ کرتے ہوئے وہ اسے اندر لے آیا۔ بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔ جوتوں پر کچھ مٹی لگی تھی۔ اس کے ہاتھ رک گئے۔ وہ اچھی طرح سے جھاڑ کر آیا تھا لیکن پھر بھی لگی رہ گئی تھی۔ گل اس کا کوٹ ہینگ کر رہی تھی۔ اس کے جوتوں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو بختیار نے روک دیا۔ جھک کر اپنے جوتے اٹھائے اور لانڈری کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ست روی سے اس کے پیچھے ہی لانڈری میں آئی۔ بختیار نے مشین کا ڈھکن کھولا اور دونوں پیر کر اندر جوتے پھینک دیے۔

گل حیران ہوئی۔ "یہ کیا....." جوتوں کی طرف اشارہ کیا۔

"پتا نہیں کہاں سے گندگی لگ گیا۔"

"میں صاف کر دیتی، دھونے سے خراب ہو جائیں گے۔"

اسے حیرت تھی کہ ایک مدت سے بختیار نے لانڈری کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ جوتا چھوڑ بھی اپنا کپڑا نہیں دھویا تھا۔

"کچھ نہیں ہوتا۔"

وہ ہنس کر لانڈری سنک سے ہاتھ دھونے لگا۔ کہنیوں تک رگڑتا رہا۔ رگڑتا رہا۔

"کوئی پریشانی ہے بختیار۔" گل نے نرمی سے پوچھا۔ اس کے شوہر کی طبیعت خراب لگ رہی تھی۔

"نہیں..... آؤ کھانا کھائیں....."

گل نے بڑھ کر خشک تولیہ اس کی طرف بڑھایا کہ ہاتھ تو پونچھ لو۔ بختیار شرمندہ سا ہوا۔ تولیہ تھامے لانڈری سے باہر نکل آیا۔ گل اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ بختیار نے گلاس میں برف بھر کر ٹھنڈا پانی پیا۔ وہ کھانا نکال کر گرم کرنے لگی۔ پلٹ کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ ایسا لگ رہا تھا ان کے گھر میں اجنبی گھس آیا ہو۔ یہ آدمی کون تھا۔ بختیار نے دو پلیٹیں کچن کاؤنٹر پر رکھیں، اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"آج اسٹور پر زیادہ کام تھا؟" وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اسٹور کا سامان آیا ہے اسے رکھوا کر آیا ہوں۔"

گل خاموشی سے چھوٹے چھوٹے نوالے منہ میں رکھنے لگی۔ لیکن منہ میں بھرتے نمک نے ہر نوالے کو کڑوا کر دیا۔ اتنی تلخی تھی، اتنی گھٹن تھی کہ وہ بار بار کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ کھلے آسمان کے نیچے جانا چاہتی تھی۔ وہ..... وہ..... اپنے اندر کی بے چینی کا جواب چاہتی تھی۔ آج دن میں اس نے

مشعل کی آواز سنی تھی۔ شام تک وہ خوش تھی لیکن پھر اچانک سب بدل گیا۔

بختیار بڑی توجہ سے کھانا کھا رہا تھا۔ اسے بھوک لگی تھی۔ ایک بار غیر محسوس انداز سے اس نے اپنی بیوی کو نوالے نگلتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ عورت جھوٹ بولتی ہے، باتیں چھپاتی ہے، راز رکھتی ہے۔ یہ عورت اس سے زیادہ کسی اور سے محبت کرتی ہے۔

''میں تم سے بہت خوش ہوں گل!''

کھانا ختم کر کے بختیار نے اپنی بیوی سے کہا۔

گل نے حیران ہو کر بختیار کی طرف دیکھا۔ اس اچانک اظہار نے اسے خوش کرنے کے بجائے اداس کر دیا۔ جواب میں اس نے کچھ الفاظ ترتیب دیے لیکن وہ زبان سے نکل نہیں سکے۔

''میں بھی.....''

وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ وہ خوش نہیں تھی لیکن مطمئن ضرور تھی کیونکہ اس کے پاس اپنے شوہر کا ایک وعدہ موجود تھا۔

ایک وعدہ..... جسے وہ ابھی کچھ دیر پہلے قبر میں دفنا آیا تھا۔

☆☆☆

زندگی کی سب سے بڑی نوید کیا ہے؟

آزادی.....

زندگی کا سب سے بڑا المیہ کیا ہے.....

میری غلامی اور تمہاری آزادی.....

☆☆☆

موت چھلانگ لگا کر زندگی ہڑپ لیتی ہے، اور بہت سوں کی زندگیاں بچکیوں پر چھوڑ دیتی ہے۔ گودام کے باہر پھولوں کا ڈھیر لگ چکا تھا۔ اس کے کلاس فیلوز نے وہاں ایک میموریل سروس کا انعقاد کیا تھا۔ کچھ دوسری تقریبات بھی ہوئیں، کچھ آنسو بہائے گئے، باقی جو زندگی کے سلسلے تھے وہ چلتے رہے۔ شکاگو کا میئر بھی آیا تھا۔ اپنی تقریر میں اس نے دلی دکھ اور صدمے کا اظہار کیا تھا۔ آنر کلنگ کی پرزور مذمت کی تھی۔ پولیس کی فضلت سے متعلق اخبار والوں کے سخت سوالوں کے جواب دیے تھے۔ پاکستانی قونصلر نے بھی شرکت کی تھی۔ لیکن جیسے ہی انہوں نے گہرے دکھ کا اظہار کیا صحافی ان پر پل پڑے۔

یہ ثابت کرنا کہ آنر کلنگ کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں، اور پاکستان کا قانون اس کی پرزور مذمت کرتا ہے، مشکل ہو چکا تھا۔ مذہب، اخلاق اور قانون کی کتابیں کتنی ہی شفاف اور بے نقص ہوں، ایک لرزہ خیز عمل ان سب پر نشان چھوڑ جاتا ہے۔ گورے صحافیوں کا ماننا تھا کہ پاکستان کا قانون اگر ان کی سرپرستی نہیں کر رہا تو ان پر سختی بھی نہیں کرتا، ورنہ یہ آگ امریکا تک نہ آتی۔

''آپ کے سسٹم نے اسے مخصوص لوگوں کا ذاتی فعل سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔ آپ کا قانون ان فرسودہ روایتوں پر عمل کرنے والوں کے ذاتی معاملات سے دور رہنا چاہتا ہے۔ یہ جرگوں، قبیلوں اور پنچایتوں کے رسم و رواج کا کھیل ہے، آپ اسے ان لوگوں کی جاہلانہ ذہنیت سمجھ کر چھوٹ دیتے ہیں۔''

''پاکستان کے قانون میں ایسے گھناؤنے جرم کے لیے کوئی لچک موجود نہیں ہے۔ چھوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں! یہ درست ہے کہ ہم اس ذہنیت کو بدلنے میں ناکام رہے ہیں لیکن.....''

''اور ان لڑکیوں کو تحفظ دینے میں بھی۔ جو زندگی کے آخری لمحے تک مکمل نہیں کرنے دی۔''

''مشعل امریکی تھی.....''

''آپ لوگوں کا جب دل چاہتا ہے قومیت کا حوالہ دے دیتے ہیں، جب دل چاہتا ہے نسل کا حوالہ دیتے ہیں۔ وہ امریکی ہونے پر قتل نہیں ہوئی، وہ پاکستانی مسلمان ہونے پر قتل ہوئی ہے۔ امریکا کی مراعات انجوائے کرنے کے لیے آپ کے بچے امریکی ہیں۔ وہ اسکولوں میں مفت پڑھتے ہیں، کوالٹی آف لائف انجوائے کرتے ہیں۔ لیکن انہی امریکی بچوں کے ساتھ زبردستی ہوتی ہے، انہیں جذباتی ہراساں کیا جاتا ہے تب یہ آپ کے ہیں، پاکستانی ہیں، انہیں اپنے کلچر کی سختی اور ماننا پڑے گی۔

digest library.com

آپ کے دیسی گھروں میں کیا چل رہا ہے اس کی پہنچ کی ذمہ داری آپ کی بھی ہے۔ کیا آپ یہاں صرف پاسپورٹ کم ہونے پر نیا پاسپورٹ بنا کر دینے کے لیے بیٹھے ہیں۔ چالیس پچاس سال سے یہاں رہنے والوں کی ذہنیت آج بھی وہی ہے۔ ان گھروں میں آپ کی بیویاں، بچیاں بیٹیاں ذہنی اور جسمانی تشدد کا شکار ہو رہی ہیں۔ ان کے بچاؤ کے لیے آپ کی کوئی حکمت عملی نہیں۔"

"ہم ایک فون کال پر فوراً ایکشن لیتے ہیں۔"

"اب مشعل جیسی لڑکی کے لیے آپ کیا ایکشن لیں گے..... وہ بچپن سے ہراساں کی جا رہی تھی۔ لڑکیوں کو پاکستان لے جاتے ہیں اور ان کی مرضی کے خلاف شادی کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی حکومت نے آج تک کچھ نہیں کیا۔ کوئی بل پاس نہیں ہوا۔ کوئی قانون لاگو نہیں کیا گیا۔ وہاں ایسا کوئی ادارہ نہیں جو ان لڑکیوں کی مدد کے لیے بروقت پہنچ سکے۔ جو انہیں تحفظ دلا سکے۔ ان لڑکیوں کو جذباتی طور پر بلیک میل کیا جاتا ہے۔ انہیں بہلایا پھسلایا اور ڈرایا جاتا ہے۔ کیا ہم اٹھارویں صدی میں زندہ ہیں؟ اس صدی میں بھی لڑکی اپنی شادی سے انکار نہیں کر سکتی؟"

"کر سکتی ہے..... ایک عاقل بالغ لڑکی اپنی مرضی سے اپنی زندگی کا ہر فیصلہ کر سکتی ہے۔"

جرنلسٹ استہزائیہ ہنس دیا۔ "کیسے؟ ..... ثابت کریں....."

قونصلر جنرل کے پاس کئی جواب تھے اور سب حقیقت پر مبنی جواب تھے لیکن وہ یہ جواب دے کر پریس میں مزید فساد برپا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے لوگوں کی ذہنیت کو بہت اچھی طرح سے سمجھتے تھے لیکن اسے سمجھا نہیں سکتے تھے۔ کمیونٹی میں اکثریت کی ذہنیت سے وہ واقف تھے۔ بات کہیں سے بھی شروع کرتے، ہر بات میں پاکستان کی رسوائی تھی۔

تارکین وطن کی اکثریت جو یہ کہتی تھی کہ مشعل نے انہیں بدنام کر دیا، وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ بدنام مشعل نے نہیں، نسل در نسل چلتے نظام نے کیا جس کی وجہ سے اس نے اپنی زندگی ہاری۔ بختیار کے حق میں بڑھ چڑھ کر بولنے والوں نے نئی دلیلیں گھڑ لی تھیں۔ اردو اخبارت نے مشعل کی ڈیڈ باڈی کی تصویر، جذبات سے عاری عنوان کے ساتھ شائع کی تھی۔ سپاٹ خبر۔ بے تاثر تبصرہ۔ بس۔ چائے کے ہوٹلوں، دیسی مسالوں کے اسٹور اور حلال گوشت کی دکانوں پر بختیار کے حق میں بڑی تقریریں ہوئیں۔ کالج کی کینٹین اور اسکول کے پلے گراونڈ میں مشعل کی موت پر آنسو بہائے گئے۔

یہ صرف جنریشن گیپ نہیں تھا۔ یہ ایک نسل کی سوچ اور دوسری نسل کے خوف کی عکاسی تھی۔ دیسی گھروں میں آج بھی مشعل ناہنجار تھی، نافرمان تھی، بے حیا تھی۔ ان گھروں میں "اور باپ کیا کرتا" کی گونج عام سنائی دیتی تھی۔

قونصلر جنرل نے یقین دلایا تھا کہ کوئی بھی لڑکی اس سلسلے میں اپنے ماحول کو تنگ محسوس کرتی ہے تو وہ فوراً قونصلیٹ رابطہ کرے، ہم اس کی مدد کے لیے موجود ہیں۔ لیکن مدد کے لیے تو امریکا کی پولیس بھی موجود تھی۔ مدد کے لیے پورا امریکا، ساری دنیا موجود تھی، لیکن پھر بھی مشعل چلی گئی۔ ساری دنیا کا اتحاد مل کر بھی کچھ جرائم کو نہیں روک سکتا۔

☆☆☆

اپنی بیٹی کے سینے سے لپٹی گل دوبارہ نہیں اُٹھ سکی۔ موت کی ہچکی اس نے وہیں لے لی تھی، پھر ہاسپٹل میں وہ زندگی کے ساتھ جنگ کرتی رہی۔ اسے موت کو ہرا دینے کی کوئی تمنا نہیں تھی۔ مشعل کا پوسٹ مارٹم ہو گیا، اور ڈیڈ باڈی لواحقین کے حوالے کر دی گئی تو ٹھیک اسی دن گل نے خود کو زندگی سے آزاد کر دیا۔ دونوں ماں بیٹی کا جنازہ ایک ہی دن پڑھا گیا۔ دونوں تابوت ساتھ ساتھ رکھے تھے۔ دونوں کی قبریں ساتھ ساتھ بنی تھیں۔

"مجھے باندھ کر رکھ دیا ہے اس محبت نے، جانے دیں مجھے۔"

گل نے اسے بڑھ کر سینے میں بھینچ لیا تھا۔

"ایسے ہی جانے دوں..... سینے سے دل نکل گیا تو زندہ کیسے رہوں گی۔"

دل کے ٹکڑے کا دل چھلنی ہوا تو گل کا دل بھی دھڑکنا بند ہو گیا۔ گل نے اسے اکیلا نہیں جانے دیا تھا۔ جب تک اسے یقین تھا کہ مشعل زندہ ہے، وہ زندہ رہی۔ جس دن اسے مردہ ملی، اسی دن وہ بھی مر گئی۔ پولیس کسٹڈی میں بختیار کو گل کی موت کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ تلخی سے ہنس دیا۔

"بے وفا عورت..... کہتی تھی مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

بے وفا عورتیں، بے وفائی مائیں، بے وفا بیٹیاں.....

☆☆☆

زندگی کے جتنے رخ ہیں، سب ہی بھیانک ہیں۔

کمیونٹی کی مسجد میں نماز جنازہ میں شامل ہونے والوں کا ہجوم تھا۔ بڑی تعداد میں مشعل کی کلاس فیلوز، فرینڈز ٹیچرز، کاؤنٹی کے لوگ آئے تھے۔ سارہ عینی، اجالا، سب موجود تھیں۔ نیتو جیڈی اور لانا بھی تھیں۔ الماس کی سہیلی چلی گئی تھی، وہ بلک بلک کر روتی تھی۔ اجالا کی بہن جیسی چلی گئی تھی، اس کا دل غم سے پھٹا جاتا تھا۔

"میری بڑی بہن لگ رہی ہو۔"

مشعل کی بڑی بہن کو سارہ بڑی مشکل سے گاڑی تک واپس لائی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اجالا اتنے چھوٹے دل کی نکلے گی۔ ایک طرف گل گری تھی، دوسری طرف اجالا۔ گل کو ہاسپٹل لے جاتی، سائرن بجاتی گاڑی سارہ کی گاڑی سے کچھ آگے ہی تھی۔ اجالا یہ منحوس سائرن سن رہی تھی۔ آنسو اس کے گال بھگو رہے تھے۔ پچھلی سیٹ پر الماس کی گود میں سر رکھے، وہ شکاگو کے سیاہ آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ یہ دن، یہ شہر، یہ جگہ کتنی منحوس ہے۔ اور یہ سائرن..... پہلے دن سے یہ سائرن اسے سہما دیتے تھے۔ اس کا دل پھٹتا تھا۔ وہ جان گئی کہ اس شہر کی ہر شے اسے بری کیوں لگتی تھی۔ بڑے گھر، اونچی بلڈنگیں، یہ سب سنپولیے تھے۔ کاش سارے شہر میں آگ لگ جائے اور سارے سائرن ایک ساتھ بج اٹھیں۔ جس قیامت نے آنا ہے وہ ایک دم آجائے کہ پیچھے کوئی گل نہ بچے، کوئی اجالا، کوئی روشن نہ رہے۔

سارہ اسے عینی کے اپارٹمنٹ چھوڑ آئی تھی۔ گل کے جنازے تک وہ وہیں رہی تھی۔ جنازے میں آنٹی بھی آئی تھیں۔ کمیونٹی کی دوسری عورتیں بھی موجود تھیں۔ وہی ساری عورتیں جنہوں نے مشعل پر انگلیاں اٹھائی تھیں کہ دیکھ لیا پر نکالنے کا انجام، اب بھگتو۔ بچیوں کو سر جھکانے والا ہونا چاہیے، سر اٹھاؤ گے تو یہی سب ہو گا۔ وہ آنٹی جو نخوت سے کہتی رہی تھیں۔

"مر چکی ہے وہ..... اب تصویروں میں ہی زندہ رہے گی۔"

وہ آنٹی اس کی موت کے بوجھل پن کے باوجود اونچی آوازیں سنتی اور اس کی کمشدگی پر طنز کرتی تھیں۔ عینی کے گھر رکنے آنٹی نے اسے چار باتیں سنائی تھیں۔ اور جب جنازے میں وہ بلک بلک کر رو رہی تھی تو اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی، اسے گلے سے لگایا اور ٹشو سے اس کے گال صاف کیے۔ دل ہی دل میں وہ اسے کوس رہی ہوں گی کہ تمہاری ماں مر گئی ہے جو ایسے بین ڈال رہی ہو۔ کیا تھی تمہاری؟ ان دیہاتی لوگوں کو ٹسوے بہانے کے سوا آتا ہی کیا ہے۔ گلی کا کتا بھی مر جائے تو یہ سینے پیٹنے بیٹھ جاتے ہیں۔

آنکھوں پر سیاہ گلاسز چڑھائے، بالوں کی اونچی پونی بنائے، اس پر چھوٹا سا اسکارف لپیٹے آنٹی سوگوار تھیں۔ سیاہ اسکرٹ پر سیاہ شرٹ پہنے، اونچی ہیل پر چلتے، وہ مرنے والوں کے غم میں پوری پوری شریک تھیں۔

زندگی بھی منافق ہے اور انسان بھی۔

جس کا غم اس کا غم، باقی سب تماشا۔

اخبارت نے اسے دوہرا قتل قرار دیا تھا۔ گل کی موت نے اچھے اچھوں کو رلا دیا تھا۔ پھر تجزیے، باتیں، ٹاک شو، نئے قانون کی بنیاد، سارا شور بھی

digest library.com

چلا رہا۔ یہ بل پاس کرو، وہ بل پاس کرو، ہنگامہ بنا رہا۔ گھر کی کھدائی کے بعد بختیار نے اندازہ لگالیا تھا کہ بات بہت بڑھ چکی ہے اور تھمنے کا نام نہیں لے رہی۔ اس نے اس کیس کو سلانے کے لیے مشعل کی آخری تصویر کو اپنے بھائی کے ذریعے فرانس سے پولیس ڈیپارٹمنٹ پوسٹ کروایا تھا۔ ہر جرم کرنے والا خود کو ذہین سمجھتا ہے، وہ بھی خود کو یہی سمجھتا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ سب کے ذہنوں میں اچھی طرح سے پلانٹ کر چکا ہے کہ مشعل پیرس میں ہے اور وہاں کامیابی سے چھپ کر بیٹھی ہے۔ ثبوت کے طور پر اس نے تصویر کو پیرس سے امریکا بھجوادیا تاکہ یہ گرد ہمیشہ کے لیے بیٹھ جائے۔ زوم مرر سے اس نے تصویر کا اچھی طرح سے جائزہ لیا تھا۔ تصویر میں ایسا کچھ نہیں تھا جو کوئی نشان دے سکتا۔ پیچھے اندھیرا تھا، آگے ہنستی مسکراتی مشعل تھی۔

"دی لاسٹ پکچر"

آخری تصویر.....

"میں جرنلسٹ بن جاؤں گی تو اپنے پاس بہترین کیمرے رکھوں گی۔ ہر وقت اپنے ساتھ رکھوں گی۔ یونو! کسی بھی وقت کوئی کرائم سین سامنے آسکتا ہے۔ کوئی پوائنٹ مل سکتا ہے۔"

وہ اپنی زندگی میں ایک کامیاب جرنلسٹ بن چکی تھی۔ اس نے کرائم سین کی تصویر کھینچ لی تھی۔ اس نے انتہائی اہم پوائنٹ کو کیمرے کی آنکھ میں مقید کر لیا تھا۔ اس نے اپنے کیس کو کامیابی سے حل کروا کر اپنے قاتل تک پہنچا دیا تھا۔ اس تصویر نے پورا کیس حل کر دیا تھا۔ عدالت میں بختیار پر قتل کا چارج لگا تو ایک جرنلسٹ نے بختیار سے واپسی پر پوچھا تھا۔

"تمہارا ٹی وی شو دیکھ کر میں تمہاری ذہانت سے بہت متاثر ہوا تھا، اتنا ذہین ہونے پر بھی تم نے کیا گھٹیا کام کیا۔"

بختار نے سپاٹ نظر سے جرنلسٹ کی طرف دیکھا تھا۔

"اٹ واز فار آنر اونلی" یہ اس کی زبان سے پھسل گیا تھا۔

اس رات کے ٹی وی چینلز نے فلم گاڈ فادر کے مشہور ڈائیلاگ اور بختیار کے جواب کو آگے پیچھے چلا تھا۔

"اٹ واز بزنس اونلی ہتھنگ پرسنل"

گاڈ فادر میں بھی قتل تھا اور صرف بزنس کے لیے تھا۔ یہ بھی قتل نہیں آنر تھا۔ بس۔ اس میں پرسنل کیا ہے؟ اس میں محبت کا کیا لینا دینا۔ مجھے اس سے محبت تھی۔ احساس تھا۔ وہ میری اولاد ہے۔ لیکن یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہمارے دل بڑے ہیں لیکن سر اس سے زیادہ بڑے ہیں۔ اس میں پرسنل کیا ہے؟

☆☆☆

"گل کے دیور کی بیوی کا فون تھا، کہہ رہی تھی گھر سمیٹنا ہے، ہمیں بلا رہی ہے۔ میں نے انکار کر دیا۔"

الماس اجالا کو بتا رہی تھی۔ اجالا نے تابھی سے الماس کی طرف دیکھا۔ "کیا سمیٹنا ہے۔"

"سب کچھ..... گھر خالی کرنا ہے..... بچے گاؤں جا رہے ہیں۔ دیکھو سارا گھر اجڑ گیا۔"

"چلیں الماس باجی! مشعل اور گل باجی کی چیزیں سمیٹ کر آتے ہیں۔" اجالا نے منت کی۔

"مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے اجالا! نفرت ہے مجھے اس منحوس گھر سے۔"

"الماس باجی چلیں ..... گل باجی ہمارا کتنا خیال رکھتی تھیں۔ ان کی چیزوں کو سلیقے سے سمیٹ آئیں۔"

"اب چیزیں سمٹی رہیں یا بکھر جائیں ہمیں کیا کرنا ہے اجالا!" الماس آنکھوں کی نمی پونچھنے لگی۔

"میں جانا چاہتی ہوں..... آجائیں الماس باجی..... میری بات مان لیں....."

الماس کی آنکھوں کا پانی ابل پڑا۔ وہ جیب سے ٹشو نکال کر آنکھیں رگڑنے لگی۔

"مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے اجالا! میں..... مجھے گل بہت یاد آتی ہے....."

گھر کا سارا سامان گیراج اور لان میں رکھا تھا۔ اوپن آکشن پر تھا۔ لوگ آ آ کر سامان کی

تصویریں لے رہے تھے لیکن کوئی خرید نہیں رہا تھا۔ کوئی اس منحوس گھر کے منحوس سامان کو خریدنا نہیں چاہتا تھا۔ ہاں عبرت کے لیے تصویریں بنا رہے تھے کہ دیکھو کیسے آنر کے لیے گھر اجڑ گیا۔ قبریں صرف قبرستان میں نہیں ہوتیں، گھر بھی قبرستان میں بدل جاتے ہیں۔ اوپن آکشن میں ایک چیز سیل نہیں ہوئی تھی۔ یہ کمیونٹی کا گھر سے نفرت کا کھلا اظہار تھا۔ مشعل کا رائٹنگ ٹیبل بھی رکھا تھا۔ اس کی راکنگ چیئر بھی۔ اجالا یہ چیئر لینا چاہتی تھی لیکن الماس نے سختی سے منع کر دیا۔ پتا نہیں کیوں لیکن الماس کا دل لرز کر رہ گیا۔

"سارہ! تم مشعل کی رائٹنگ ٹیبل خرید سکتی ہو۔ پلیز..... تم پڑھتی ہو، تم اسے یاد رکھنا۔ جب بہت کامیاب ہو جاؤ گی تو لوگوں کو بتانا کہ یہ مشعل کی رائٹنگ ٹیبل ہے۔ اس لڑکی کی جو بہت بڑی جرنلسٹ بننا چاہتی تھی۔"

گل کے گھر سے اجالا نے سارہ کو فون کر کے کہا تھا۔ اس کی آواز میں نمی تھی۔ سارہ جانتی تھی کہ اجالا بہت حساس ہو رہی ہے۔ اس پر مشعل کی موت نے گہرا اثر چھوڑا ہے۔

"ٹھیک ہے..... میں آ رہی ہوں....."

گل کی ذاتی چیزیں کپڑے جوتے، زیورات سب کچھ دیور کی بیویوں نے سنبھال لیے تھے لیکن مشعل کی کسی چیز کو اس قابل بھی نہیں سمجھا تھا۔ اسے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔

"جو لینا ہے لے جاؤ ..... پھینک دو..... آگ لگا دو..... جو مرضی کرو....."

اجالا نے بے یقینی سے اس عورت کی طرف دیکھا تھا۔ اسی عورت کا شوہر قتل میں معاونت کرنے پر جیل میں بختیار کے ساتھ بند تھا۔ اسی نے گاڑی صاف کی تھی۔ پیرس جا کر تصویر بھیجی تھی۔ یہ عورت اپنے شوہر پر آئی مصیبت، خاندان کے اجڑنے کو مشعل پر تھوپ رہی تھی۔ مشعل، مشعل، مشعل۔ یہ وہی تھی جو خاندان کی خوشیاں کھا گئی۔ اچھا ہے گل بھی بیٹی کے ساتھ رخصت ہو گئی، ورنہ بعد میں اسے کتنا کچھ سہنا پڑتا۔ گل اور الماس نے مشعل کی الماریاں خالی کیں۔ اس کی کئی اور ڈائریاں نکلیں۔ تصویروں کا ڈھیر ملا۔ اس کی جیولری کے ڈبے۔ اس کے ہاتھ کے بینڈز جو ٹین ایجر لڑکیاں پہنتی ہیں۔ اسپورٹس ٹی شرٹس۔ والی بال پلیرز کے پوسٹرز۔ گل نے ہر چیز کو سلیقے سے رکھا ہوا تھا کہ ایک دن وہ یہ سب چیزیں اپنی بیٹی کو پہنے ہوئے دیکھے گی۔ یا اس کے حوالے کر دے گی۔

الماس اور اجالا نے مل کر ایک ایک چیز کو باکس میں پیک کیا۔ انہوں نے رابیکا کو فون کیا کہ اگر وہ یہ سامان لینا چاہتی ہے تو بتا دے ورنہ وہ چیریٹی کر دیں گے۔ رابیکا نے فوراً کہا کہ وہ یہ سامان لینے آ رہی ہے۔ مرنے والا ایک لمحے میں مر جاتا ہے، ایک دن میں قبر میں جا پہنچتا ہے لیکن اس کے پیچھے والے پل پل مرتے ہیں۔ اس کی چیزیں دیکھ کر، اس کی باتیں کر کے۔ وہ دیتے ہیں کہ سامان حیات وہیں کا وہیں رہ گیا، انہیں استعمال کرنے والا چلا گیا۔ ایک مدت تک ان کے کانوں میں اس کی آواز گونجتی ہے۔ وہ کمرے سے بول رہا ہے، وہ اوپر چھت پر ہے، وہ سیڑھیاں اتر رہا ہے۔

وہ اس کی ایک ایک چیز سمیٹ چکی تھیں۔ رابیکا کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ خالی کمرے کی خالی دیواروں میں ایک چیز تھی جو سانس لے رہی تھی۔ جس کی طرف بار بار اجالا کی آنکھیں پلٹتی تھیں۔

"دی ریڈ ونڈو" کی طرف۔

☆☆☆

زندگی اپنا بھرم قائم رکھتی ہے۔ مرنے والوں کے ساتھ مرتی نہیں۔

زندگی کی ایک خود غرضی باکمال ہے۔ موت کا بھیانک چہرہ دیکھ لینے کے بعد بھی واپس اپنی غرض پر آ جاتی ہے۔ بلیوں والی حاجی جی نے شادی کر لی تھی۔ انہیں بلایا تو نہیں تھا لیکن جب وہ گئیں تو سارا گھر پھولوں سے مہک رہا تھا۔ پھول تو روز ہی آتے

digest library.com

تھے اس بار ایک چاچا جی بھی تھے۔ دنیا بھر سے ان کے رشتے دار، بہن بھائی، بچے اور بچوں کے بچے آئے تھے۔ پول پارٹیز ہوئی تھیں۔ وہ ویک اینڈ پر ہوئی شادی کے بعد گھر بلائی گئی تھیں۔ گھر کی حالت بتا رہی تھی کہ گھر میں کافی ہنگامہ رہا ہے۔ ان کے کچھ پوتا، پوتی صحن کی دوسری طرف بنے گیسٹ ہاؤس میں رکے ہوئے تھے۔ چاچی جی نے بڑے سلیقے سے اپنے نئے شوہر کا تعارف کروایا تھا۔ وہ سر ہلا کر ہیلو کہہ کر مسکرانے لگے۔

چاچی جی کے سر پر ایک بھی بال سفید نہیں تھا، اور یہی حال چاچا جی کا تھا۔ دونوں کے نواسے نواسیاں بھی تھے، پھر بھی دونوں نے شادی کر لی۔ کیوں؟

ان کے گاؤں میں دو جوان بیوہ عورتیں تھیں۔ ایک پچیس سال اور دوسری بتیس سال کی عمر میں بیوہ ہوئی تھی۔ ساری عمر شادی نہیں کی۔ کیوں؟

یہ گوری عورتیں خود پر خوشیوں کے دروازے بند کیوں نہیں کرتیں۔ یہ بیوگی یا طلاق کی چادر اوڑھ کر کونے سے لگ کر پڑی کیوں نہیں رہتیں۔ انہیں سسکنا کیوں نہیں آتا؟ یہ آخری سانس تک خوشیوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔ جہاں کوئی نئی خوشی ملتی ہے اسے تھام لیتی ہیں۔ یہ روگ کیوں نہیں پالتیں۔

یہ جی داری ہے یا بے شرمی۔

چاچی جی نے نیلے رنگ کی لانگ میکسی پہنی تھی۔ اور جھلمل کرتی سارے گھر میں گھومتی پھر رہی تھی۔ اگلے ہفتے شوہر کے ساتھ سیاحت کے لیے جا رہی تھیں۔ وہ سامان نکال نکال کر بیڈ پر اچھالتی رہیں اور اجالا سلیقے سے بیگ میں رکھتی رہی۔ اس نے کئی بار چاچی کے چہرے پر پھیلی خوشی کو غور سے دیکھا۔ یہ شادی کسی مجبوری میں تو نہیں ہوئی گی۔ خوشی بنتی تھی۔ چاچی جی کی بلیاں اب چاچا جی کی گود میں تھیں۔ وہ ان سے لاڈ کر رہے تھے۔ گھر کے سامان میں بھی کچھ تبدیلی ہوئی تھی۔

بیڈروم کی بڑی سی کھڑکی کے عین سامنے پول چیئر پر نیم دراز چاچا جی، اور بیڈروم کے اندر بیگ تیار کرتی چاچی جی نئی زندگی کی نئی کہانی بیان کر رہے تھے۔ منظر میں کوئی خاص چیز نہیں تھی لیکن گھر کی پوری کیفیت بدل گئی تھی۔ شاید یہ چار دن کی چاندنی ہو۔ شاید یہ عمر بھر کا اندھیرا ہو۔ لیکن شاید یہ آخری وقت کا سنہری زمانہ ہو۔ کھڑکی سے چاچا جی کو دیکھتے ہوئے اجالا کو لگا کہ اندھیرا بھری زندگی میں کہکشائیں بھی ان ہی کے ہاتھ آتی ہیں جو فیصلہ کرنے کی جرات کرتے ہیں۔ وہ جو خوشیوں کی تلاش کبھی نہیں چھوڑتے۔

☆☆☆

"اجالا باجی کیسی ہو؟"

وہ ہفتے کی گروسری کے لیے جا رہی تھی کہ شفیق بھائی کی ٹیکسی قریب آ کر رک گئی۔ وہ سلام دعا لے کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"تمہاری سہیلی کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ میں آیا تھا جنازے میں۔"

اجالا خاموش رہی۔ اسے لگتا تھا گل اپنا دل اجالا کے سینے میں رکھ گئی ہے۔ وہ مشعل کے نام سے ہی تڑپ اٹھتی تھی۔

"بس جی کیا کر سکتے ہیں....." شفیق بھائی نے اسے مرر میں دیکھ کر آہ بھری۔

"آپ ٹھیک ہیں شفیق بھائی؟" اس نے موضوع بدلنا چاہا۔

"بھلا چنگا ہوں اب.....اجالا باجی میں دو تین بار آپ کے گھر کے آگے سے گزرا تھا پر بیل دینے کی ہمت نہیں ہوئی۔"

"خیریت تھی۔"

"خیریت ہے پر آپ کا دل دکھی ہے.....اجازت ہو تو بتاؤں....."

"آپ بات کرو شفیق بھائی! سب خیریت ہے۔"

"بڑی خیریت ہے....." وہ چہکنے لگا۔

"اس جمعے نکاح کر رہا ہے تمہارا بھائی۔ بہن

کے بغیر کیسے کر سکتا تھا۔ میری شادی میں آؤ گی۔"

اجالا کا دل سن ہو گیا۔ کام کے علاوہ وہ کہیں جانا نہیں چاہتی تھی۔ کسی سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔ ہر طرف شادی، شادی کی خبریں مل رہی تھی۔ ثابت ہوا، زندگی کے سلسلے چلتے رہتے ہیں، کبھی کہیں رکتے۔

"کس کے ساتھ کر رہے ہو؟" اس نے خوش ہونے کی کوشش کی۔

"اسی کے ساتھ جس کے ساتھ تم نے مجھے دیکھا تھا۔ اپنی سہیلی کو بھی لے آنا۔ آؤ گی نا....."

اس کے حلق میں نمی کا گولہ بن گیا۔ "ہاں..... کیوں نہیں..... مبارک ہو شفیق بھائی۔"

"خیر مبارکاں..... بہنوں کی دعائیں ہیں ..... اپنی دوسری سہیلیوں کو بھی لے آنا۔ کوئی رونق تو ہو شادی میں۔"

وہ ہنس دی۔ "الماس باجی کو؟"

"ہاں..... اور وہ تمہاری میم تند ہے نا..... اسے بھی لے آنا....."

اجالا ہنس دی۔ "آپ کا دعوت نامہ دے دوں گی سارہ کو۔" اس نے گہرا سانس اندر اتارا۔ کچھ الفاظ ترتیب دیے۔

"اللہ اس نکاح کو آپ کے حق میں مبارک کرے شفیق بھائی..... ماں کو بتایا ہے؟"

"نہ اجالا بہن! ابھی ماں بہن بھائی کا ذکر نہ کرنا..... ابھی یہ باتیں نہ چھیڑنا۔ بڑی مشکل سے میں نے خود کو سنبھالا ہے۔ میں اپنا خاندان بنانا چاہتا ہوں۔ بچوں کو گود میں اٹھانا چاہتا ہوں۔ دنیا کی ہر چیز کی خواہش ختم ہو گئی ہے۔ سوکھ گیا ہوں اندر سے۔ بس بیوی ہو، بچے ہوں، اور گھر جاؤں تو رات کا کھانا تیار ہو۔ میں صوفے پر پھیل کر ٹی وی لگا کر خبریں سنوں..... کرکٹ دیکھوں..... آگے پیچھے بچے دوڑتے پھریں..... شور کریں..... ہنگامہ کریں..... بس مجھے اتنا ہی چاہیے....."

اجالا نے سر ہلا دیا۔ زیادہ کی خواہش نہیں تھی اس کی، لیکن پھر بھی کیسے کیسے کرب سے گزرا تھا وہ۔

"آؤ گی.....؟"

"ضرور آؤں گی شفیق بھائی..... سب کو لے کر آؤں گی....."

وہ خوش ہو گیا۔ وہ کتنا خوش ہو چکا تھا۔

وہ گھر واپس آئی تو گوری ہمسائی لان چیئر پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ وہ قریب سے گزری تو کتاب ہٹا کر اجالا کی طرف دیکھا۔ مسکرائی اور واپس کتاب میں گم ہو گئی۔ لیکن اجالا جانتی تھی، وہ صفحوں کے پیچھے کتاب کی کہانی نہیں، اس کی کہانی پڑھ رہی ہے۔ وہ اس کے چہرے پر کندہ کل رات کی وہ تحریر پڑھ رہی ہے جسے اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

☆☆☆

رات کا قصہ، رات کی بات۔

وہ کچن سمیٹتے سمیٹتے تھک کر صوفے پر ہی سو گئی تھی۔ رات کے کسی پہر وہ خود پر جھکے سائے سے ڈر گئی۔ یہ شہریار تھا، اس نے اس کا ہاتھ دبوچا اور اسے اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا۔ اگلی صبح کچن میں اس کے ہاتھ سے برتن گرتے رہے۔ پلیٹیں ٹوٹتی رہیں۔ گلاس کرچی کرچی ہو گیا۔ سارہ شوز پہن رہی تھی، وہیں سے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"

اس نے سر ہلا دیا اور فرش پر بکھری کرچیاں سمیٹنے لگی۔ سارہ اٹھ کر اس کے پاس آئی۔

"لاؤ میں سمیٹ دوں..... تم ریسٹ کرو....."

"میں ٹھیک ہوں سارہ!"

وہ بدستور ٹوٹے ہوئے برتن سمیٹتی رہی۔ ٹوٹی ہوئی عورت، ٹوٹا ہوا گھر، ٹوٹا ہوا بھرم۔ وہ کیا کیا سمیٹے گی۔ سارہ بچی تھی، وہ نہیں جانتی تھی بند کمروں میں کتنا کچھ ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ کتابوں کی دنیا میں رہتی تھی، وہ کبھی نہیں سمجھ سکتی تھی کہ کتابیں کتنا ہی سچ لکھ دیں، حقیقت کی کڑواہٹ دکھانے میں ناکام رہتی ہیں۔

شام کو اس نے الماس سے جلدی چھٹی لے لی

نمی۔ وہ اونچی بلڈنگوں کے سائے میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ ایک اسٹور سے اس کی گوری ہمسائی نکلی، اسے ہائے کہا۔ وہ اسے دیکھ کر بھی بے خیالی میں آگے بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد اسے اپنے شانے پر ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

اجالا نے پلٹ کر دیکھا۔ اسے پہچاننے میں وقت لگا کہ یہ کون ہے۔

"کہیں چل کر بیٹھیں۔" اس نے نرمی سے کہا۔

اجالا بے تاثر انداز لیے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر سر ہلا دیا اور اس کے ساتھ چلنے لگی۔ کچھ ہی دیر میں وہ ایک کافی شاپ میں جا کر بیٹھ گئیں۔ گوری کے بڑے سے تھیلے سے کتابیں بھی جھانک رہی تھیں۔ اجالا ان کتابوں کو دیکھنے لگی۔ یہ کتابی دنیا۔ یہ نقلی دنیا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس نے پھر سوال کیا۔

اجالا نے سر ہلا دیا۔ "تھک گئی ہوں شاید....."

"کیسی تھکن ہے.....جسمانی یا ذہنی....." اس نے دھیمی آواز میں پوچھا تھا۔

اجالا نے اس گوری کی طرف دیکھا۔ وہ ایک طلاق یافتہ، دو ٹین ایجر بچوں کی ماں تھی۔ ہوم بیسڈ بزنس کرتی تھی۔ کبھی ہفتوں دکھائی نہیں دیتی تھی اور کبھی ہر وقت گھر کے برآمدے میں کرسی ڈالے پڑی ملتی تھی۔ وہ آنٹی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کے کتوں اور دونوں کے درمیان کافی گرما گرمی ہو چکی تھی۔ ہر گرما گرمی کے بعد آنٹی یہ ضرور بڑبڑاتی تھیں۔

"اس کا کتا بھی ہر وقت بھونکتا رہتا ہے اور یہ بھی۔"

وہ سارہ اور اجالا کو دیکھ کر ہاتھ ہلاتی، ہائے ہیلو کرتی تھی۔ وہ ان دونوں کو پسند کرتی تھی۔ اجالا جانتی تھی کہ اس گوری کو آج موقع مل گیا ہے کہ وہ اس کی کہانی کا وہ حصہ پڑھ سکے جو کھڑکی سے پڑھا نہیں جا سکتا۔ اس سے پوچھے کہ تم اس رات شیڈ کے نیچے کیوں کھڑی تھی۔ چھپ چھپ کر روتی کیوں ہو۔ ہر وقت کام کرتی رہتی ہو، کبھی شوہر کے ساتھ باہر نہیں جاتیں کیا بات ہے۔

"شاید میں گھر والوں کو یاد کر رہی ہوں۔"

اجالا نے جسمانی اذیت اور ذہنی کرب کی بات کو جانے دیا۔

"تمہاری ساس کہتی ہے کہ میں ایک خرانٹ عورت ہوں۔ وہ یہ تک کہتی ہے کہ بزنس میرا چلتا نہیں، جاب میں کرتی نہیں، پھر میں اتنے بڑے گھر میں کیسے رہ رہی ہوں۔ میرے بلز کون دیتا ہے۔ شروع میں ایسی باتیں سن کر مجھے بہت حیرت ہوتی تھی۔ پھر اندازہ ہوا کہ یہ تمہاری ساس کی ذہنیت ہے۔ ہم ماحول بدل سکتے ہیں، گھر جگہ زمین ہر چیز بدل سکتے ہیں لیکن لوگوں کی ذہنیت نہیں بدل سکتے۔ میرا یقین کرو میں حرافہ نہیں ہوں۔ میں پرسکون زندگی گزارنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ میں نے بہت مشکل سے خود کو جوڑ کر کھڑا کیا۔ گھر بنایا، بچوں کو سنبھالا۔ مجھ پر وہ دن بھی آتے ہیں جب میں اپنے بال نوچتی اور دیواروں سے سر ٹکراتی ہوں۔ اور میں وہ دن بھی دیکھتی ہوں جب میں ہر چیز بھاڑ میں جھونک کر اپنی صحت کا خیال رکھتی ہوں، گھومتی پھرتی اور شاپنگ کرتی ہوں۔"

اجالا اس کی بات کا مطلب سمجھ رہی تھی۔ ایک ٹوٹی ہوئی عورت دوسری ٹوٹی ہوئی عورت کے حال سے واقف تھی۔ وہ اسے اپنے گھر سے دیکھتی تھی اور کہانی کے آدھے حصے تک پہنچ جاتی تھی۔ شاید وہ اجالا کو یقین دلانا چاہتی تھی کہ تم جو کہو گی وہ میں سمجھ جاؤں گی۔ تمہیں اچھا مشورہ بھی دوں گی۔ پر کچھ کہو تو سہی۔ اجالا نے اپنی کافی ختم کی اور شکریہ ادا کر کے چلی گئی۔

☆☆☆

وہ چھوٹی تھی۔ گھر کا صحن اور برآمدہ کچا تھا۔ تائی جی اور اماں مٹی کا لیپ کر رہی تھیں۔ وہ بے خیالی میں بھاگتی ہوئی آئی تو گیلی زمین پر اس کے پیروں کے

نشان ثبت ہو گئے۔ اماں ہنس دی تھیں۔ انہوں نے اس کے پیروں کے نشان ویسے ہی رہنے دیے تھے۔

کچی زمین پر پکی محبت کے نشان۔

محبت افتادِ طبع ہے۔ ایک نظر، ایک جھلک، ایک جملے، ایک ملاقات میں ہو جائے۔ نفرت کی پوری داستان ہے۔ یہ پوری مدت لیتی ہے۔ اپنا پورا سفر طے کرتی ہے۔ نفرت پورے اہتمام کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور اسے شہریار سے نفرت ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

اس نے سارہ، الماس اور بلبل کو شفیق بھائی کی شادی کا دعوت نامہ دے دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ شفیق بھائی نے بہت درخواست کی ہے کہ سب ان کی شادی میں آئیں۔ سارہ نے سنا تو چھوٹا سا قہقہہ لگا دیا۔

"تم اتنی دوستیاں کیسے کر لیتی ہو۔ اپنا بھائی بنا لیا..... الماس کو بڑی بہن بنا لیا۔"

"رشتے بنائے بغیر ہمارا گزارہ نہیں ہوتا سارہ! بڑی خراب عادت ہے ہماری۔ تم چلو گی؟ شفیق بھائی بہت خوش ہوں گے۔"

"شفیق بھائی گرین کارڈ کے لیے شادی کر رہے ہیں؟"

"ایک خاندان کے لیے۔" اجالا نے اداسی سے کہا۔

سارہ نے سر ہلا دیا کہ ٹھیک ہے۔ جمعہ کو نکاح تھا۔ الماس نے کام سے چھٹی کی قربانی دی تھی جو عام قربانی نہیں تھی۔ وہ سب جھلمل کپڑوں میں تیار، شفیق بھائی اور ان کی ہونے والی بیوی کے لیے تحائف لے کر مسجد پہنچ گئی تھیں۔ شفیق بھائی اپنے چار دوستوں کے ساتھ کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ اجالا کی لائی فوج دیکھ کر ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"اجالا باجی! آپ نے میرا مان رکھ لیا۔ دیکھو اب لگا ہے کہ میری شادی ہے۔ بہنوں کے بغیر بھائی کی شادی نہیں سجتی۔ تمہاری بھابی اندر ہے، اس کے ساتھ ساتھ رہنا، وہ ذرا گھبرائی ہوئی ہے۔"

اجالا مسکرانے اور خوش ہونے کی بھرپور اداکاری کر رہی تھی۔ سارہ اپنے ساتھ کیمرہ لائی تھی، وہ سب کی تصویریں بنا رہی تھی۔ شفیق بھائی نے سفید شلوار سوٹ پہنا تھا، بال بنائے تھے، چہرہ چمک رہا تھا لیکن آنکھیں اداس تھیں۔ یہ ان کی زندگی کا بہت خاص دن تھا۔ لیکن وہ تنہائی محسوس کر رہے تھے۔ ان کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ بار بار آنکھیں نم ہو جاتیں، بار بار وہ سر جھٹکتے تھے۔ اتنے سال اپنے خاندان کے لیے جان مارنے پر بھی انہیں اپنی خوشیوں کے لیے اکیلے اہتمام کرنا پڑا۔ بعد میں اسی نکاح پر وہ خود غرض بھی کہلائے جانے والے تھے۔

نکاح ہو گیا تو شفیق بھائی انہیں گھر لے آئے۔ وہ لڑکی جسے شفیق بھائی لیلیٰ کہتے تھے، گھر تھا۔ لیلیٰ کی دو چھوٹی جڑواں بچیاں تھیں، اور وہ شفیق بھائی کی جان نہیں چھوڑتی تھیں۔ ان کے پیچھے پیچھے رہتی تھیں۔ شاید یہی دیکھ کر لیلیٰ نے شادی کے لیے ہامی بھر لی تھی۔ وہ اکثر لیلیٰ کو آفس ڈراپ کرتے تھے۔ سنگل ماں تھی، گھر اور بچے دیکھتی تھی۔ ایک دن ایمرجنسی میں بچی کو ہاسپٹل لے جانا پڑا تو شفیق بھائی اس کی واپسی تک پارکنگ میں کھڑے اس کا انتظار کرتے رہے۔ لیلیٰ بچی کو لے کر واپس آئی تو شفیق نے جس فکرمندی سے پوچھا کہ بچی کیسی ہے، اور پھر بڑھ کر اسے گود میں لے لیا تو لیلیٰ کے دل میں شفیق کے لیے بہت ساری جگہ بن گئی۔

طلاق یافتہ عورتوں کو شوہر مل جاتے ہیں، بیوہ کو بھی مل جاتے ہیں لیکن بچوں کو باپ نہیں ملتے۔ تحفظ نہیں ملتا۔ سنگل مائیں دوسری شادی کا فیصلہ خود کو سامنے رکھ کر نہیں کرتیں بلکہ بچوں کو سامنے رکھ کر کرتی ہیں۔ شفیق بھائی نے اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ اپنے خاندان سمیت اپنی زندگی کی پوری کہانی کھول کر رکھ دی تھی۔

رات کے لیے ڈنر کا اہتمام گھر کے لان میں تھا۔ لمبی سی میز لگی تھی۔ جا بجا لائٹوں کی لڑیاں جھول رہی تھیں۔ لیلیٰ نے اچھا انتظام کیا ہوا تھا۔ اس کی

زبیدہ زار اور کولیگ بھی تھے۔ دونوں نے مل کر کیک کاٹا اور پھر گیل ڈانس کیا۔ شفیق بھائی کا الٹا سیدھا ڈانس دیکھ کر بلبل ہنستی رہی۔ اجالا اسے کہنی مار کر چپ کرواتی رہی۔ لیکن شفیق بھائی اتنے خوش تھے کہ آج ان کی خوشی کا ستارہ سب سے زیادہ عروج پر تھا۔ وہ انسان زندگی سے کیا چاہتا تھا؟ نہ گرین کارڈ، نہ بڑا گھر، نہ زیادہ پیسہ۔ وہ ایک گھر چاہتا تھا۔ اپنا خاندان چاہتا تھا۔ بس۔ اور اسی تک پہنچنے میں اس نے بڑی لمبی مسافت کاٹی تھی۔

بچیوں نے کیک کھایا تو شفیق بھائی ٹشو سے ان کا منہ صاف کرتے رہے۔ انہیں گود میں لے کر تصویریں بنواتے رہے۔ لیلیٰ نے سرخ رنگ کی پٹواز پہنی تھی۔ پیشانی پر بندیا لگائی تھی۔ وہ خوب صورت تھی، لیکن شفیق بھائی کی ماں کو ڈائن ہی لگے گی جس نے ان کے کماؤ سپوت کو اپنے جال میں پھنسا لیا۔

☆☆☆

انسان اپنی زمین چھوڑتا ہے تاکہ زندگی میں بہتر رزق حاصل کر سکے۔ انسان نے رزق اور امن کے لیے بڑی بڑی ہجرتیں کاٹی ہیں۔ اسے رزق مل جاتا ہے، اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ امن خراب کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جیسے انسان بھوک پیاس سے مر جاتا ہے، ویسے ہی بدامنی سے بھی مر جاتا ہے۔ بھوک سے تخصی موت ہوتی ہے، بدامنی سے اجتماعی۔

سارہ نے مشعل کی رائٹنگ ٹیبل خرید لی تھی۔ اور اسے اپنے کمرے کی ٹیبل کے ساتھ بدل لیا تھا۔ ایک خواب دیکھنے والی لڑکی نے، دوسری خواب دیکھنے والی لڑکی کے سامان کو اپنی دنیا میں جگہ دی تھی۔ اس نے لکڑی کی میز پر مشعل کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات (قتل) لکھ دی تھی۔

اوپن آکشن میں گل کے گھر کا سامان نہیں بکا تھا۔ لیکن مشعل کے کالج میں مشعل کی ایک ایک چیز خرید لی گئی تھی۔ اس کی کلاس فیلوز اور کالج کے دوسرے اسٹوڈنٹس نے اس کی چھوٹی سے چھوٹی چیز خرید لی تھی۔ جس لڑکی کے سامان کو نحوت سے پھینک دینے، جلا دینے کا کہا تھا، اس کے سامان کو احترام دیا گیا تھا۔ کیسا تضاد تھا سوچ کا۔ دو معاشروں، دو کلچرز کا۔ ایک کو مرنے والے کی ہر چیز سے نفرت ہو گئی تھی۔ دوسرے کی مرنے والے کی ہر چیز سے انسیت بڑھ گئی تھی۔ مشعل کی چیزوں سے حاصل ہونے والے سارے پیسے، عورتوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی آرگنائزیشن کو ڈونیٹ کر دیے گئے تھے۔

شکاگو اسٹیٹ یونیورسٹی نے مشعل کو جرنلزم کی اعزازی ڈگری دینے کا اعلان کیا تھا۔ یہ اعزازی ڈگری اس کی فرینڈز نے جا کر وصول کی تھی۔ مشعل مر چکی تھی لیکن جرنلسٹ بن چکی تھی۔ وہ لڑکی جو اپنے خواب نہیں جی سکی تھی، وہ لوگ اس کے چند خوابوں کو تعبیر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اعزازی ڈگری ملنے کی خبر اجالا اور سارہ نے ٹی وی پر دیکھی تھی۔

"تم نے کہا تھا امریکا کو کم نہ سمجھنا، یہ جنت نہیں ہے۔ ہاں یہ جنت نہیں ہے سارہ! لیکن ان لوگوں کی ایسی باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔ انہوں نے مشعل کے خوابوں کو اہمیت دی، جو ہم اپنی بچیوں کے خوابوں کو نہیں دیتے۔ یہ بہت برے لوگ ہوں گے سارہ! لیکن کچھ کام یہ ایسے کرتے ہیں جن کے سیکھنے کے لیے ہمیں زمانے لگ جائیں گے۔ ہم ان جیسے نہیں بن سکتے۔"

ایک بڑے میڈیا گروپ نے مشعل کے جرنل کے رائٹس حاصل کر لیے تھے، اور اس مہینے کے تازہ میگزین میں مشعل کی نینو کے گاؤں پر لکھی گئی پانی کی رپورٹ شائع کی تھی۔ کور پر کونے میں مشعل کا نام جگمگا رہا تھا۔ رپورٹ کے اینڈ میں سرنیم کے بغیر مشعل کا نام لکھا تھا۔ اس لڑکی کا جو جرنلسٹ بننا چاہتی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

digestlibrary.com

مینا عمر خان

بلا عنوان

"حضرات ایک ضروری اعلان سماعت فرمائیں، ایک بچی گم ہوگئی ہے جس کی عمر تین سال ہے گلابی رنگ کی قمیض اور سفید شلوار پہنی ہوئی ہے، جن صاحب کو ملے برائے مہربانی سبحان اللہ مسجد کے پاس پہنچادیں۔"

"اللہ خیر کرے پتا نہیں کس کے دل کا ٹکڑا ہوگا، بے چاری ماں کا کیا حال ہورہا ہوگا۔" سعیدہ دکھ سے بولیں۔

"امی! امی! دادی!" زین بھاگتا ہوا آیا۔ "وہ آیان اور ذیشان ہیں نا ان کی بہن گم ہوگئی ہے۔"

"کیا؟ وہ بلاول شاہ، اس کی بیٹی گم ہوگئی ہے؟"

"ہاں وہی بلاول انکل، ان کی بیٹی گڑیا گم ہوگئی ہے، سارے بچے گڑیا کو ڈھونڈنے جارہے ہیں میں بھی جارہوں، پتا ہے ساری محلے کی عورتیں ان کے گھر جارہی ہیں وہ غزل آنٹی اتنا زیادہ رو رہی ہیں۔"

زین نے کسی نیوز کاسٹر کی طرح پھولے ہوئے سانسوں کے ساتھ خبر نشر کی اور جیسے بھاگتا ہوا آیا تھا ویسے ہی واپس بھاگ گیا۔

"خیال کرنا زین! کہیں بہت دور مت نکل جانا۔" ماں نے فکرمندی سے پکارا پھر ساس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"غزل کی ایک ہی بیٹی ہے، تین بیٹوں کے بعد پیدا ہوئی تھی بہت لاڈلی ہے اور غزل تو اس کا بہت خیال رکھتی ہے پھر کیسے بچی کھوگئی؟"

"اللہ جانتا ہے کیسے کھوگئی وہیں جاکر پتا چلے گا، محلے داری ہے، ہمیں بھی جانا چاہیے تم ایسا کرو میری چادر بھی لے آؤ۔"

"جی! امی!" نازیہ جلدی سے الماری سے چادریں نکال کر لے آئی۔ ایک ساس کو دی دوسری خود اوڑھی اور ساس کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

غزل کے گھر کے اندر عورتوں کا ہجوم تھا، سامنے چارپائی پر غزل بیٹھی تھی حال سے بے حال! اندیشوں سے گھری گلابی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں متورم چہرہ وہ صدیوں کی بیمار لگ رہی تھی آس پاس چارپائی پر عورتیں بیٹھی تھی۔

دوسری چارپائی پر غزل کی ساس بیٹھی تھیں۔

سعدیہ نے جاکر غزل کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "پریشان مت ہو، ان شاء اللہ تمہاری بیٹی مل جائے گی۔" غزل کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔

سعدیہ جاکر غزل کی ساس کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

نازیہ بھی جاکر عورتوں کے بیچ پھنس کر بیٹھ گئی۔

"اللہ معاف کرے آج کل اتنے بچے گم ہورہے ہیں۔" ایک عورت کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی۔

"گم نہیں ہورہے میرا میاں بتارہا تھا کہ یہ کوئی گروہ آیا ہوا ہے بچوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں، ان کے گردے نکال کر بیچ دیتے ہیں اور بچوں کو مار کر پھینک دیتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے بچوں کو تو چھوڑو! وہ خیام تھا نا، ارے وہ دیوانہ سا لڑکا جو گلیوں میں پھرتا تھا۔ اللہ لوک تھا وہ، اس کو بھی کسی نے نہیں چھوڑا ایک مہینہ پہلے وہ گم ہوگیا تھا گھر والے ڈھونڈ ڈھونڈ کر

ہی گئے نہیں ملا۔ ابھی کچھ دن پہلے ان کو کسی نے
ان کر کے بتایا کہ خیام کو انہوں نے جناح اسپتال
یں دیکھا ہے۔ جب گھر والوں نے جا کر دیکھا تو وہ
مرا ہوا تھا اور اس کے گردے بھی کسی نے نکال لیے
تھے۔"

"ہائے میں مر گئی۔" ایک کمزور دل کی عورت
بولی۔ "اس دیوانے کو بھی کسی نے نہ چھوڑا تو بچوں کو
کون چھوڑے گا۔"

"بہن! سچ تو یہ ہے کہ گم ہوئے بچے پھر ملتے
نہیں ہیں اور پھر لڑکی ذات۔" اس عورت نے کانوں
کو ہاتھ لگائے۔

"لڑکیوں کو تو اٹھاتے ہی اس لیے ہیں ان کو
لے جا کر کوٹھے پر بٹھا دیں۔ غلط کام کرواتے ہیں
لڑکیوں سے، پیسہ کماتے ہیں۔" وہ عورت سرگوشی میں
بول رہی تھی مگر آواز اتنی تھی کہ غزل کے کانوں تک
با آسانی پہنچ رہی تھی۔

غزل کی دبی دبی سسکیاں ہچکیوں میں بدل
گئیں۔

"یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے لڑکوں کو اٹھاتے
ہیں تو ان کے ہاتھ پاؤں توڑ کر ان سے بھیک
منگواتے ہیں اور لڑکیوں کو اٹھاتے ہیں تو اللہ معاف
کرے ان کو بیچ دیتے ہیں۔ پیسہ کماتے ہیں! پیسہ!"

"ہمارے پچھلے محلے میں میری پڑوسن کی بچی کو جنگی والے لوگ اٹھا کر لے گئے۔ وہ خانہ بدوش لوگ ہوتے ہیں ناں! چھ سال ہو گئے ہیں آج تک بچی کا کچھ پتا نہیں چلا اس کی ماں ابھی تک بچی کے کپڑے سینے سے لگا کر روتی رہتی ہے۔" ایک اور عورت بولی۔

غزل کی ہچکیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ یقیناً عورتوں کی باتوں سے اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

"آپ لوگ چپ ہو جائیں آپ کی باتیں انہیں پریشان کر رہی ہیں۔" سعدیہ نے پریشانی سے غزل کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی حالت خراب تھی ایک ماں کا دل تو ویسے بھی اولاد کے معاملے میں چڑیا جتنا نازک ہوتا ہے، ہولتا ہی رہتا ہے اور یہ بے وقوف عورتیں بجائے تسلی دلاسا دینے کے ان بے چاری مصیبت کی ماری ساس بہو کو اور پریشان کر رہی تھیں بلکہ دل دہلا رہی تھیں ان کا۔

"ہاں تو ہم کون سا غلط کہہ رہے ہیں۔ سچ کہہ رہے ہیں یہی سب کچھ ہو رہا ہے دنیا میں۔" ایک عورت تنک کر بولی۔

"مجھے پتا ہے کہ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر یہ وقت ان باتوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ آپ دعا کریں کہ بچی مل جائے آپ دل میں دعا پڑھیں۔ اللہ کا ذکر کریں "حسبنا اللہ ونعم وکیل" کا ورد کریں یا پھر درود شریف پڑھیں۔"

"ہم دل میں اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔" ایک عورت جس کے ہاتھ میں ڈیجیٹل تسبیح تھی جو ساتھ بیٹھی عورت سے مسلسل باتوں میں مصروف تھی اور ہاتھ کی انگلیاں بھی مسلسل حرکت میں تھیں جلدی سے بولی۔

"غزل بیٹا! آپ اندر کمرے میں جاؤ نفل پڑھو اللہ سے دعا کرو، وہ ضرور قبول کرے گا۔"

"نازیہ بہن کو اندر لے جاؤ۔" غزل نے ممنون نظروں سے سعدیہ کو دیکھا۔ نازیہ جلدی سے اٹھ کر آگے آئی اور غزل کو اندر لے گئی۔

"جائے نماز کہاں ہے؟" غزل اتنی پریشان تھی کہ اسے اپنے ہی گھر میں جائے نماز نہیں مل رہی تھی۔

نازیہ نے جلدی سے آگے آ کر ایک طرف پڑی جائے نماز اٹھا کر غزل کو دی۔

"بات سنو غزل!" اس سے پہلے کہ غزل نیت باندھتی نازیہ نے پکار لیا۔

"آپ تو اپنی بچی کا بہت خیال رکھتی ہو پھر کیسے کھو گئی گڑیا؟"

"اصل میں میرے سر میں صبح سے بہت درد تھا آرام نہیں آ رہا تھا۔ خالہ نے مجھے دوا دے دی کہ آرام کرو میں دوا لے کر لیٹ گئی۔ گڑیا اس وقت گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہی ہوتی ہے۔ ارسلان، شانی اور آنی تو اس وقت ظاہر ہے ٹیوشن پڑھنے جاتے ہیں۔ میں بار بار دروازے پر جا کر گڑیا کو دیکھتی ہوں مگر آج دوا لے کر لیٹی تھی تو سو گئی۔ خالہ بھی عصر کی نماز پڑھ کر قرآن پاک پڑھنے گئیں اتنے میں بلاول آ گئے انہوں نے گڑیا کا پوچھا تو خالہ نے کہا کہ گلی میں کھیل رہی ہے۔"

وہ کہنے لگے۔ "نہیں تو کوئی نہیں ہے گلی خالی پڑی ہے۔"

"بس اسی وقت نکل گئے گڑیا کو ڈھونڈنے کے لیے۔" غزل کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

"پتا نہیں۔ کہاں ہو گی میری بچی کس حال میں ہو گی کتنا رو رہی ہو گی۔ دعا کرو نازیہ! میری بچی مل جائے۔ یہ عورتیں ایسی باتیں کر رہی ہیں میرا دل دہل رہا ہے اگر میری بچی نہ ملی اگر اسے کچھ ہو گیا میں تو میں کیسے رہوں گی اپنی بچی اپنی گڑیا کے بغیر میں مر جاؤں گی۔" غزل روتے روتے نازیہ کے گلے لگ گئی۔

"غزل! کیا ہو گیا ہے آپ کو!" نازیہ اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بولی۔

"آپ تو پڑھی لکھی سمجھ دار ہیں۔ چھوڑیں، ان بے وقوف عورتوں کی باتوں کو۔ مایوسی گناہ ہے۔ کفر ہے اللہ سے اچھی امید رکھتے ہیں کچھ نہیں ہو گا گڑیا کو

ان شاء اللہ وہ ٹھیک ٹھاک آپ کو ملے گی۔"

"ان شاء اللہ..... ان شاء اللہ"

"ان شاء اللہ" غزل نے کہا اور نازیہ سے الگ ہو کر نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔

☆☆☆

"رات سر پر آ گئی ہے ابھی تک بچی کا اتا پتا نہیں ہے۔" ایک عورت سرگوشی میں بولی۔

"جو بچی دن کی روشنی میں نہ ملی، وہ رات کے اندھیرے میں کیا ملے گی۔"

اتنے میں گلی میں شور سا اٹھا بھاگتے ہوئے بچے گھر میں داخل ہوئے۔

"گڑیا مل گئی۔ گڑیا مل گئی۔" ان کے پیچھے ہی گھر میں داخل ہوا سہمی ہوئی بچی باپ سے چمٹی تھی۔

غزل بھاگتی ہوئی آ گئی اور بچی کو لے کر سینے سے لگایا۔

"میری بچی میری جان میں صدقے جاؤں۔"

وہ دیوانہ وار بچی کو چوم رہی تھی اس کا سر اس کا اس کے ہاتھ۔

"شکر ہے اللہ کا، میری بچی مل گئی ورنہ میں تو ...." وہ ہنس رہی تھی شاید رو بھی رہی تھی۔

غزل کی ساس نے بٹوے میں ہاتھ ڈالا جتنے پیسے ہاتھ آئے ارسلان کو دیے یہ جا کر بچوں میں بانٹ دو۔" پھر آگے ہو کر گڑیا کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

"مبارک ہو بلاول بھائی! آپ کی گڑیا مل گئی۔" ایک عورت بولی۔

"بہت شکریہ!" بلاول نے ممنون نظروں سے عورتوں کی طرف دیکھا۔

"آپ لوگ یہاں آئیں میری بیوی اور ماں کو حوصلہ دیا ورنہ یہ دونوں تو رو رو کر پاگل ہو جاتیں۔"

ایک تلخ مسکراہٹ نازیہ کے ہونٹوں پر آئی۔

"ہاں ہم یہی کہہ رہی تھیں کہ بچے گم ہوتے ہیں تو مل بھی جاتے ہیں وہ فلائی نہیں تھی!"

وہ اب بچوں کے کھو کر ملنے کے واقعات بیان کر رہی تھی۔ کچھ عورتیں جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں، سعدیہ نے بھی نازیہ کو اشارہ کیا دونوں ساس بہو آگے پیچھے گھر سے باہر نکل گئیں۔ "ان عورتوں کی جہالت کا علاج نہ کسی حکیم کے پاس ہے نہ کسی ڈاکٹر کے پاس۔"

سعدیہ نے کہا تو نازیہ نے تاسف سے سر ہلایا اور بوجھل دل کے ساتھ اپنے گھر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

☆☆

غزل کی ساس نے بٹوے میں ہاتھ ڈالا جتنے

خواتین ڈائجسٹ میں راحت جبیں کے قسط وار چھپنے والے خوب صورت ناولز

زرد موسم



تتلیاں پھول خوشبو



پاکستان میں کہیں بھی بذریعہ فون منگوائیں

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 021-32216361

نمرہ احمد

نمل

تئیسویں قسط

"مجھے مالا سے دور کرنے کے لیے تمہیں میری جان لینی پڑے گی، زیاد۔" بٹن دبایا اور کال کاٹ دی۔ پھر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور تیزی سے مالا کا نمبر ملانے لگا۔

"کہاں ہو تم؟"

"[illegible]"

"[illegible] مجھے اپنی لائیو لوکیشن بھیجو، میں تمہیں راستے سے پک کرلوں گا۔"

"میں نے کہا نا، ماہر..... میری [illegible]...."

"مالا، بحث نہ کیا کرو ہر دفعہ..... لائیو لوکیشن بھیجو۔"

بس ہر تین چار منٹ کے بعد کسی نہ کسی اسٹاپ پر رکتی تھی۔ ماہر کی کار متعین کردہ اسٹاپ تک آئی تو مالا نیچے اتر آئی۔ حیرت اور اچنبھے سے وہ اسے دیکھ رہی تھی جو دروازہ کھول کے تیزی سے اس کی طرف آیا تھا۔

"اندر بیٹھو۔" وہ دائیں بائیں بھی دیکھ رہا تھا۔

مالا ایک دم چونک گئی۔

"کیا کوئی خطرہ ہے؟"

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ سر کے خم سے اشارہ کیا۔ وہ چپ چاپ کار میں بیٹھ گئی۔ سیٹ بیلٹ پہنی لیکن ابھی تک ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ واپس اندر بیٹھا اور کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

"تمہیں رات دیر تک بیکری پہ نہیں رہنا چاہیے۔ وقت پہ گھر آجانا چاہیے۔"

"تم نے کہا تھا میں قید نہیں ہوں۔ اب یہ کیا ہے؟"

"میں نے پہلے بھی کہا تھا اور ایک دفعہ پھر کہہ رہا ہوں..." وہ کار سڑک پر ڈالتے ہوئے سخت لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "زیاد سلطان ایک خطرناک آدمی ہے۔ وہ اسی شہر میں ہے اور وہ کچھ بھی کرسکتا ہے۔"

"میں اس کے بیٹے کی ماں ہوں، ماہر۔ وہ مجھے نہیں مارے گا۔ اس کے پاس مجھے مارنے کے بہت سے مواقع تھے۔ مجھے زیاد سے نہیں عالیان سے خطرہ ہے۔"

ماہر نے گہری سانس لی۔ تنے اعصاب قدرے ڈھیلے ہوئے۔

"جانتا ہوں وہ تمہیں نہیں مارے گا۔ اس کی [illegible] کوئی اور ہے۔" آخری سطر وہ زیرلب بڑبڑایا۔ پھر [illegible]۔ "مارنا واحد طریقہ نہیں ہوتا انتقام لینے کا۔ وہ [illegible] سکتا ہے۔ وہ پہلے بھی کئی دفعہ بہت کچھ کرچکا ہے۔ کم [illegible] کردگی۔"

وہ گردن موڑے غور سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا اس نے پھر تمہیں کوئی دھمکی دی ہے؟"

"مجھے اپنی پرواہ نہیں ہے، مالا۔ مجھے تمہاری فکر ہے۔"

"کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا، ماہر..... اور میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔ مجھے سچ سچ بتاؤ اس نے پھر سے کچھ کیا ہے نا؟"

ماہر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "وہ یہ دھمکی کئی برس سے دے رہا ہے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔" ایکسیلیٹر پر اس کے پیر کا دباؤ بڑھ گیا تھا۔ کار

digest library.com

کی رفتار تیز تھی۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ وہ پریشان تھا لیکن بولی کچھ نہیں۔ بس کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

دل میں عجیب بے چینی سی اٹھ رہی تھی۔

بدر کو لیتے ہی اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے کیونکہ زیادہ سلطان سے کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ اس شہر میں صرف ایک شخص کی جان لینے آیا تھا۔ اور مالا اس شخص کی جان کو مزید اپنی وجہ سے خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔

☆☆☆

کبیرہ بیگم نے اسے اسی ہوٹل میں بلایا تھا جہاں ڈیڑھ ماہ قبل استنبول آنے کے بعد مالا ٹھہری تھی اور جہاں اس نے ماہر کو مدعو کیا تھا۔ اس کے ریستوران کی کرسیوں کا رنگ جامنی تھا۔ اس روز اس نے اس رنگ کو ایسے محسوس نہیں کیا تھا جیسے وہ آج کر رہی تھی۔ اس روز انہی کرسیوں پر مالا اور ماہر بیٹھے تھے اور تین دن بعد بیربل اس سے یہیں ملنے آیا تھا۔ یہ وہ ہوٹل تھا جو اس کے کلائنٹ نے اس کے لیے بک کیا تھا۔ اپنی ذاتی کمائی سے وہ ایسا ہوٹل افورڈ نہیں کر سکتی تھی اور اگر پیسے ہوتے تب بھی یہ فضول خرچی نہ کرتی۔ لیکن کبیرہ بیگم کا معیار الگ تھا۔ ان کا اسٹیٹس اور ذرائع آمدن کشمالہ مبین سے کہیں زیادہ تھے۔

وہ جب ہال میں داخل ہوئی تو کبیرہ سادان اس کو دور سے دکھائی دیں۔ جن کرسیوں پر ایک دفعہ وہ ماہر کے ساتھ بیٹھی تھی، وہ اس میز پہ موجود نہیں تھیں بلکہ ہال کے دوسرے سرے پر ایک آئینے سے ڈھکی دیوار کے ساتھ رکھے سرمئی صوفے پر براجمان تھیں۔ بوائے کٹ بال جیل سے سیٹ تھے۔ کانوں اور گردن میں ہیرے جگمگا رہے تھے اور وہ آنکھیں موبائل اسکرین پر جمائے ہوئے تھیں۔ سفید براق بلاؤز پہنے جس کے گریبان پہ جھولتے لاکٹ میں کم از کم تین کیرٹ کا ہیرا دمک رہا تھا۔

مالا جیسے جیسے ان کے قریب آتی گئی، اسے کبیرہ کے سر کے پیچھے آئینے میں اپنا عکس بھی نزدیک آتا

دکھائی دیا۔
کندھوں تک آتے بال، ہلکا میک اپ، سفید کوٹ (جو ہار ہار ڈرائی کلین ہونے کے باعث پہلے جیسا نہیں رہا تھا) اور گردن میں جھولتی فاختہ۔ گالوں پہ دو تین دانے بھی تھے اور ہاتھ پینٹ کرنے اور بار بار دھونے کے باعث مسلسل خشک ہو رہے تھے۔
ہر بڑھتے قدم کے ساتھ کبیرہ بیگم کے پرفیوم کی مہک تیز ہوتی گئی۔ وہ ان کے عین سامنے پہنچی تو انہوں نے مسکراتی آنکھیں اٹھائیں، سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا، پھر فون رکھ کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"کشمالہ!" انہوں نے اس کو یوں گلے لگایا جیسے اس پہ ڈھیروں پیار آ رہا ہو۔ جیسے ایک عرصہ وہ اس کی ماں پہ جادو نہ کروائی رہی ہوں۔ جیسے ایک زمانے میں مالا کے ایکنی زدہ چہرے کو انہوں نے نشانہ نہ بنایا ہو۔
مالا سیدھی کھڑی رہی۔ وہ خود ہی اسے گلے لگا کے الگ ہوئیں۔ مالا نے ہاتھ بھی نہیں ہلایا۔
"مجھے ایک نمائش کے لیے استنبول آنا ہی تھا۔ تمہاری بات نے مجھے تجسس میں مبتلا کر دیا۔ سوچا چانس لینے میں کیا حرج ہے۔" وہ بے نیازی بھری مسکراہٹ کے ساتھ واپس بیٹھیں اور ٹیک لگا لی۔
کبیرہ بیگم کی شخصیت میں ایک رعونت اور رعب تھا۔ اور انداز سے یوں ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں عالیان والی بات نے کچھ خاص متاثر نہیں کیا۔
"میں نے جو کہا تھا سچ کہا تھا۔" وہ جامنی کرسی کھینچ کے بیٹھی۔ دونوں کے درمیان میز پر رکھے گلدان میں آج بھی باسی گلابی پھول تھے۔
"پہلے یہ بتاؤ تم کیسی ہو؟ تم تو کینیڈا میں ہوتی تھیں۔" وہ آنکھیں چھوٹی کر کے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں کی چمک اس چیجلینگ سے مختلف نہ تھی جسے وہ خواب میں دیکھا کرتی تھی۔ شاید شیطانی چمک ایک جیسی ہوتی ہے۔
"میں اپنے بیٹے کو ڈھونڈنے استنبول آئی ہوں۔"
کبیرہ بیگم کے چہرے پر مصنوعی افسوس ابھرا۔
ہونٹ اوہ میں سکڑے۔
"اوہ ہاں۔ افسوس ہوا اس کے بارے میں سن کے۔ مجھ سے بہتر تمہارا غم کون سمجھ سکتا ہے؟ خیر تمہاری فوٹو گرافی اور سوشل میڈیا..."
"ہم اسمال ٹاک کو اسکپ کر کے کام کی بات کر لیتے ہیں، کبیرہ تائی۔" مالا مسکرا نہیں رہی تھی۔ وہ سنجیدہ تھی۔ گھٹنے ملا کے بیٹھی، ہاتھ گود میں رکھے اس کے چہرے پر کسی قسم کی اپنائیت موجود نہیں تھی۔
"میں سن رہی ہوں۔" کبیرہ بیگم کی مسکراہٹ البتہ ہونٹوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔
"میرا نہیں خیال آپ کسی نمائش کے لیے آئی ہیں۔ آپ میری کال پہ ہی آئی ہیں کیونکہ دور اندر آپ کو معلوم تھا کہ میرا دعویٰ درست ہے۔"
ان کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔
"میں نے آپ کو صرف یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ کا بیٹا عالیان زندہ ہے اور میں اس کو جانتی ہوں، بلکہ یہ بھی بتایا تھا کہ وہ سرکار یا 'ایس کے' کے نام سے اس انڈسٹری میں آپریٹ کر رہا ہے جس سے آپ شناسا ہیں۔" "مجھے بالکل نہیں معلوم کہ تم کس انڈسٹری کی..." "کبیرہ تائی، آپ اپنی زندگی میں کیا کرتی ہیں، یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اتنا مجھے یقین ہے کہ کسی نہ کسی ذریعے سے آپ سرکار کو جانتی ہیں یا پھر اس کے بارے میں معلوم کروا چکی ہیں۔ اسی لیے آپ اگلی فلائٹ لے کر یہاں میرے سامنے موجود ہیں کیونکہ آپ جانتی ہیں میں سچ بول رہی ہوں۔ سرکار عالیان ہے۔"
پہلی دفعہ کبیرہ بیگم کے چہرے پہ دراڑ سی ابھری۔ گردن میں کچھ ابھر کے معدوم ہوا۔
"پتا نہیں تم لوگ مجھے کیا سمجھتے ہو۔ اس سے پہلے وہ بھی میرے پاس مدد کے لیے آیا تھا۔" ہاتھ کو گھمایا، جیسے یاد کیا۔ "ماہر علی فرید۔" ساتھ ہی دوسرے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے میز کے قریب لے گئیں جیسے لاٹھی ٹیکنے کا اشارہ کر رہی ہوں۔ مالا کی آنکھوں میں اچھنبا ابھرا۔ پھر اسے یاد آیا۔ شاید وہ اس زمانے

میں ان سے ملا تھا جب اس کی ٹانگ ٹوٹی تھی اور وہ اسٹک استعمال کرتا تھا۔

"میں نے اس کو بھی بتایا تھا اور تمہیں بھی بتا رہی ہوں، میرا ایسے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جہاں تک بات ہے میری شادی کی، وہ..."

"آپ کی شادی جادو سے ہوئی تھی۔ وہ جادو جس کو آپ دعا سمجھتی ہیں۔ نگینہ بیگم کی والدہ نے..."

کبیرہ بیگم نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔

"نگینہ بیگم کے بارے میں تم نے بہت سی باتیں پھیلائی ہیں خاندان میں۔"

"میں نے کوئی بات نہیں پھیلائی۔ صرف سچ..."

"مجھے افسوس ہے تمہاری طلاق کا۔ تمہارے ساتھ جو ہوا اس کا۔ اور زیادہ بھلے ایک سیریل کلر ہی کیوں نہ ہو..." انہوں نے جھرجھری لی۔ "لیکن نگینہ بیگم ایک پارسا اور نیک خاتون تھیں۔ تمہیں ان پہ الزام نہیں لگانا چاہیے تھا۔"

مالا نے گہری سانس خارج کی۔ یہ صفائیوں اور وضاحتوں کا وقت نہیں تھا۔

"مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ آپ ان کے بارے میں کیا سوچتی ہیں۔ لیکن یہ سچ ہے کہ جس چیز کو آپ دعا سمجھتی ہیں وہ نگینہ بیگم اور ان کے پیر کا آپ کے ساتھ ایک کانٹریکٹ تھا، جس کے تحت آپ نے ان کو اپنا پہلا بچہ دینا تھا۔ آپ یہ سمجھتی رہیں کہ وہ پہلا بچہ آپ کی بیٹی عنایہ ہے۔ آپ اس کی شادی اسی لیے زیادہ سے کرنا چاہتی تھیں کیونکہ آپ کے نزدیک پہلا بچہ دینے کا مطلب اپنی بیٹی کی شادی نگینہ کے بیٹے سے کرنا تھی۔ لیکن..." وہ سانس لینے کو رکی۔ اسے احساس ہوا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور وہ تیز تیز بول رہی ہے۔

"لیکن وہ پہلا بچہ سادان صاحب سے شادی کے بعد ہونے والا بچہ تھا جو کہ عالیان تھا۔ اور نگینہ بیگم نے وہ بچہ موقع ملتے ہی آپ سے چھین لیا۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

دل ایک گلشن



رضیہ جمیل

چلمن



نادرہ خاتون

بندِ ادا



نسیم سحر فردیسی

دستِ کوزہ گر



فوزیہ یاسمین

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

"میں ایک دفعہ نگینہ کے گھر گئی تھی۔ وہ کچن سنک پہ کھڑی اپنے برتن دھو رہی تھی۔ تم یہ کہتی ہو کہ ایک ہاؤس وائف دراصل ایک بہت بڑی جادوگرنی تھی؟" ٹیک لگا کے بیٹھی کبیرہ بیگم انگلی پہ لاکٹ کی چین گھما رہی تھیں۔ چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"یہی تو کمال ہے اس انڈسٹری کا۔ یہاں کام کرنے والے بڑے بڑے پاور ہاؤسز ہم سب کے سامنے plain sight (سادہ نظر) میں چھپے ہیں ایسے کہ کوئی ان پہ انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا۔ خیر میں اس بارے میں بحث کرنے نہیں آئی۔ مجھے آپ کی مدد چاہیے۔"

کبیرہ بیگم کے چہرے پہ خوش گوار حیرت ابھری۔

"کہو"

"میرا غم آپ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا اور آپ کا غم مجھ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ عالیان آپ کا بیٹا ہے۔ میں اس سے مل چکی ہوں اور وہ یہ بات جانتا ہے کہ وہ آپ کا بیٹا ہے۔ لیکن میرا نہیں خیال کہ اس نے آپ کو ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ وہ نگینہ بیگم کو اپنی ماں مانتا ہے، جس کا مطلب ہے نگینہ بیگم نے آپ کے خلاف اس کی برین واشنگ کی ہے۔ ورنہ اس وقت نگینہ بیگم کہیں موجود نہیں ہیں۔ عالیان آزاد ہے لیکن وہ اپنی ماں کے پاس کیوں نہیں آیا؟"

کبیرہ بیگم کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی ابھری جسے وہ بہت مہارت سے اپنے اندر اتار گئیں۔ البتہ مالا دیکھ سکتی تھی کہ ان کا خول چٹخنے لگا ہے۔ اس کی ہمت بڑھی۔

"انہوں نے اس لڑکے کی تربیت کی ہے۔ وہ بہت اسمارٹ ہے۔ اس کی آنکھیں آپ کے جیسی ہیں۔ اس کے پاس پیسہ بھی ہے اور انفلوئنس بھی۔ اس کے باوجود وہ اپنی ماں سے ملنے نہیں آیا کیونکہ وہ آپ کو کوئی ولن سمجھتا ہے۔ یقیناً نگینہ بیگم نے اس کو آزاد کرنے سے پہلے اس کے ذہن پہ قبضہ کر لیا تھا۔"

کبیرہ بیگم اسی طرح اسے دیکھے گئیں۔ لب بھینچے۔ مسکراہٹ اب غائب ہو چکی تھی۔

"آپ مجھے جانتی ہیں۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔ میں اس سے مل چکی ہوں اور یقیناً مستقبل میں دوبارہ بھی ملوں گی۔ وہ مجھے کال بھی کرتا ہے کیونکہ وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ میرا بیٹا اس کے پاس ہے۔ میرا بیٹا..." وہ رکی۔ اور پہلی دفعہ اسے اندازہ ہوا کہ آج اپنی ماں کی سب سے بڑی دشمن کے سامنے اسے ہاتھ پھیلانا تھا۔ اس کے حلق میں آئے آنسو نیچے دھکیلے اور کرسی پر آگے کو ہوئی۔

"میرا بیٹا آپ کے بیٹے کے پاس ہے۔ پولیس اس کو نہیں ڈھونڈ سکی۔ کوئی اس کو نہیں ڈھونڈ سکا۔ صرف آپ ہیں جو کسی طرح اس تک پہنچ سکتی ہیں۔ اور میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ آپ اس کو راضی کر لیں کہ وہ میرے بیٹے کو چھوڑ دے۔ میں آپ سے ریکویسٹ کر رہی ہوں۔"

اس ہفتے میں دوسری دفعہ اس نے ایک ناپسندیدہ عورت کے سامنے درخواست کی تھی۔ حلق آنسوؤں سے بھر چکا تھا۔ انا مٹی مٹی ہو چکی تھی لیکن کیا فرق پڑتا تھا؟ اسے اپنا بچہ واپس چاہیے تھا۔

"تمہارے کہنے کے مطابق اگر میرا بیٹا زندہ ہے..." کبیرہ بیگم نے تھوک نگلا البتہ لہجہ ہموار تھا۔ "اور نگینہ اس کا ذہن میرے خلاف بھر چکی ہے، تو وہ میری بات کیوں مانے گا؟ وہ تو مجھ سے نفرت کرتا ہوگا۔" میز پر رکھا ان کا انگوٹھیوں والا ہاتھ ہلکا سا لرزا تھا۔

"وہ آپ سے جتنی نفرت کر لے، آپ اس کی ماں ہیں اور خون کی کشش کوئی نہیں ختم کر سکتا۔ اگر آپ اس سے ملیں اور اس کو اپنی طرف کی کہانی بتائیں تو وہ آپ کی بات سن لے گا کیونکہ وہ ایک چھوٹا سا لڑکا ہے۔ بائیس سال کا شاید..."

"اکیس سال تین ماہ اور اٹھارہ دن۔"

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اس اکیس سال کے لڑکے کی نفرت اتنی پختہ نہیں ہو سکتی کہ اس کی اصلی

ہاں اس کو پگھلا نہ سکے۔"

وہ اسی طرح اسے دیکھے گئیں۔ اب چہرے پہ مسکراہٹ نہیں تھی۔ صرف سوچ تھی۔ شک تھا۔

"میں آپ کو پسند نہیں کرتی، کبیرہ تائی۔ اور میں آپ کی عزت بالکل نہیں کرتی۔ میری ماں اور میری بہن کا آپ نے ہمیشہ برا چاہا ہے۔ مجھے وہ کالے کام بھی نہیں پسند جن میں آپ ملوث ہیں اور پورا خاندان جانتا ہے۔ نہ میں ایسے لوگوں میں سے ہوں جنہیں آپ سے تعلق رکھنے کا شوق ہے۔ لیکن ایک بات میں جانتی ہوں۔"

وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

"آپ سے لاکھ اختلاف کے باوجود میں جانتی ہوں کہ آپ عالیان کے لیے نگینہ بیگم سے بہتر ماں ہیں۔ وہ آپ کا بیٹا ہے اور آپ کی اس سے محبت پہ کوئی شک نہیں کر سکتا۔ آپ نے کئی برس اپنے بیٹے پہ گیواپ نہیں کیا۔ آپ کے اعمال میری نظر میں غلط ہو سکتے ہیں، لیکن آپ کی مامتا کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ اس لیے پلیز..." اس نے دونوں ہاتھ باہم پھنسا کے میز پر رکھے۔ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا۔

"میری مدد کریں۔ وہ آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا، یا میں اسے آپ سے ملوانے کی کوشش ضرور کروں گی۔ آپ میرے لیے صرف اتنا کیجیے کہ جب آپ کی اس سے ملاقات ہو تو کسی طرح اس کو راضی کر لیں کہ وہ میرا بیٹا مجھے واپس کر دے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ میری ماں، میری بہن، بلکہ ہم سب کو ناپسند کرتی ہیں اور ہمیں خوش دیکھ کے آپ کو اچھا نہیں لگتا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی مکمل طور پہ خوش نہیں ہے۔ آپ کی ہم سے نفرت اور بغض ایک طرف، میرا غم آپ کا اپنا غم ہے، اور میں جانتی ہوں کہ آپ کے اندر ایک ماں آج بھی موجود ہے جو دوسری ماں کی تکلیف سمجھ سکتی ہے۔ بس مجھے یہی کہنا تھا۔"

آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل رہے تھے۔

البتہ اس نے انہیں صاف کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کبیرہ بیگم نے آنکھیں اٹھا کے اسے جاتے دیکھا۔ ان کا چہرہ ویسا نہیں تھا جیسا مالا کے آنے سے تھا۔ کچھ تھا جو وہاں بدل چکا تھا۔ انہوں نے بس سر کو جنبش دی۔ وہ ہاں تھا، ناں، یا پتا نہیں وہ فیصلہ نہیں کر سکی۔

البتہ وہ یہ جانتی تھی کہ ان کے خول میں دراڑ پڑ چکی تھی۔

☆☆☆

فرید لار کے کچن میں اس شام لیموں کے ساتھ روسٹ ہوئے چکن کی خوشبو پھیلی تھی۔ یہ خوشبو اوون سے آ رہی تھی جس کے قریب کاؤنٹر پہ کھڑی فیضی جانم دراز کھولے چیزیں الٹا پلٹا رہی تھیں۔ چہرے پہ پریشانی تھی۔ کاؤنٹر پر دو پرس الٹے ہوئے تھے۔ پرچیاں، کارڈز، چند کرنسی نوٹ... سب کچھ سامنے بکھرا تھا۔ وہ بار بار پلٹ کے اس ڈھیر تک آتیں، ایک ایک کاغذ کو اٹھا کے دیکھتیں، پھر سر جھٹکتیں۔

ہیلو کی ٹک ٹک سنائی دی اور شاپنگ بیگز کی کھڑکھڑاہٹ۔ فیضی جانم نے چونک کے سر اٹھایا۔ سوزین راہداری سے چلتی ان کے سامنے آ رکی۔ بلو ڈرائی ہوئے بال، تیز پرفیوم اور دونوں کہنیوں پر اٹھائے شاپنگ بیگز۔

"اسے تلاش کر رہی ہیں؟" دو انگلیوں میں پکڑا ایک کارڈ ان کی طرف بڑھایا۔

فیضی جانم کے چہرے پہ ایک دم روشنی بکھری۔ تیزی سے وہ کارڈ پکڑا، پھر چونک گئیں۔

"یہ آپ کے پاس؟" نگاہیں اس کی کہنیوں سے لٹکتے بیگز پہ گئیں۔ دل کو دھکا لگا۔

"ہاں، مجھے شاپنگ پہ جانا تھا۔ کوئی اعتراض؟"

فیضی جانم نے ایک نظر کارڈ کو دیکھا، دوسری نظر سوزین پہ ڈالی۔

"یہ ماہر بے کا کارڈ ہے۔ صرف گروسری کے لیے انہوں نے مجھے ....." وہ منمنائیں۔

"میں بھی گروسری کر کے آئی ہوں۔"
"کندھے اچکا کے وہ آگے بڑھ گئی۔
فیضی عالم نے دزدیدہ نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا۔
سیفورا سے کون سی گروسری ہوتی ہے (ہونہہ!)
سوزی کمرے میں داخل ہوئی تو بیرل آرام کرسی پر خاموشی سے بیٹھا تھا۔ پیر اوٹومن پر رکھے ہوئے تھے اور وہ چھت کو دیکھ رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کے پھیکا سا مسکرایا۔ سوزی نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا، پھر بیگز ڈریسنگ ٹیبل کے دائیں بائیں زمین پر رکھے اور اس تک آئی۔ بیرل نے اوٹومن سے پیر ایک طرف سرکائے، اس کے لیے جگہ بنائی۔ وہ وہاں بیٹھی، ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔
"پریشان لگ رہے ہو۔"
"بروکر سے بات کر رہا تھا۔ کالج کے لیے اچھی آفر نہیں آ رہی۔ وہاں کے لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ ہانٹڈ ہے۔"
"یقیناً تمہارے بھائی نے مشہور کیا ہوگا۔"
"وہ کیوں مشہور کرے گا، سوزی؟ ہر چیز ماہر نہیں کرتا۔ یہ قوم...." وہ ایک دم زور سے بولا۔ پھر آواز دھیمی کی۔ "یعنی... ترکش قوم... توہم پرست ہے۔"
"کیا تم صرف اس لیے پریشان ہو؟" سوزی اپنی قوم کی شان میں تبصرہ نظر انداز کر گئی۔
بیرل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
"وہ میرا کالج نہیں ہے، سوزی۔ وہ ماہر کی چیز ہے۔ اس نے اپنی کمائی سے لی ہے۔ میں اس کو بیچ دوں لا فرم میں انویسٹمنٹ کے لیے؟" اس نے بے بسی سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ "مجھے برا لگ رہا ہے۔"
"میں جانتی ہوں تمہیں برا لگ رہا ہے۔ کیونکہ تم ایک اچھے انسان ہو۔ تم ہر وقت اپنے بھائی کا سوچتے ہو۔ لیکن کیا تم نے کبھی یہ سوچا، بیرل... کہ کیا تمہارے بھائی کو تمہارا خیال ہے؟"
بیرل نے بے اختیار دانت سے نچلا لب کاٹا۔ نگاہیں چھت پہ جمی تھیں۔
"تم مجھے جانتے ہو۔ میرا لائف سٹائل بھی۔ مجھے ان پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تم اپنے لیے کر رہے ہو۔ اپنی عزت کے لیے۔ ماہر نے تمہاری بیکری بنا بنائے بیچ دی۔ اور بالکل بھی مت کہنا کہ وہ اس کی چیز تھی۔ اتنے برس اس میں محنت تم نے کی۔ ماہر کے پاس زمین کی کمی نہیں تھی بیچنے کے لیے۔ لیکن اس نے وہی کیا جو اسے درست لگا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے بھائی کی نظر میں تمہاری عزت نہیں ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ میرے شوہر کی سب عزت کریں۔ اس کو کوئی روند... کے نہ چلا جائے۔" وہ دھیمی آواز میں آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔
بیرل لب کاٹتے ہوئے چھت کو دیکھے گیا۔
"ہماری لا فرم ان پیسوں کے بغیر بھی چل جائے گی، بیرل۔ تم اس لا فرم کے مالک ہو گے۔ میں انویسٹمنٹ کے لیے پیسے اپنی ماما سے مانگ لوں گی۔ مجھے پیسے نہیں چاہئیں۔ پیسہ تو ہاتھ کی میل ہوتا ہے۔ لیکن اگر تم یہ کالج نہیں بیچو گے تو تمہیں کیسے معلوم ہوگا کہ ماہر تمہاری دل سے عزت کرتا ہے یا نہیں؟"
بیرل نے سینے پر بازو لپیٹ لیے۔ لب کاٹتے ہوئے سر جھکا لیا۔ اب وہ اپنے پیروں کو دیکھ رہا تھا جو قینچی صورت اوٹومن پر لمبے کر کے رکھے تھے۔
"ماہر نے یہی کہا تھا نا کہ جو چیز جس کے نام ہوتی ہے، وہ اس کو بیچ سکتا ہے۔ اور اس کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کالج کو بیچ کے تم یہ ثابت کرو گے کہ تم اور ماہر برابر ہو۔ ایک عرصے تک تمہارے ابا نے تم دونوں بھائیوں میں فرق کیا ہے اور اس چیز نے تمہاری پرسنالٹی کو بہت حد تک مسخ کیا ہے۔"
بیرل نے بے اختیار کنپٹی مسلی۔ سر میں درد اٹھنے لگا تھا۔

"لیکن اگر تم اپنے بھائی کے ساتھ اپنی برابری
ثابت کرلو گے تو تم دونوں کا ریلیشن شپ مزید بہتر
ہو جائے گا۔ تم ایک دوسرے کے برابر آجاؤ گے۔ پھر
تمہیں اس سے یہ گلہ نہیں ہوگا کہ وہ تمہیں کنٹرول
کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں تمہاری اور ماہر
دونوں کی بھلائی ہے۔" پھر وہ پیچھے ہوئی اور ہلکے سے
اپنے اچکائے۔ "ورنہ میرا کیا ہے۔ مجھے یہ پیسے نہیں
چاہئیں۔ مجھے صرف اپنے شوہر کی عزت اور اس گھر
میں برابری کا مقام چاہیے، بس!"

پھر وہ مسکرائی۔ "اچھا اب اپنا موڈ ٹھیک کرو
میں دکھائی ہوں میں کون سے ڈریسز لائی ہوں ہلکہ
کے دکھاتی ہوں۔" وہ پرجوش انداز میں کہتی اٹھی
ہلکا سا مسکرا دیا۔ سر کو جنبش دی۔

☆☆☆

یہ ایسی ایک صبح تھی جب آسمان سورج نکلنے کے
بھی جامنی تھا اور فضا میں خنکی تھی۔ کیف کی عمارت
اندر ہیٹنگ سسٹم کے باعث گرمائش تھی۔ مالا
میں داخل ہوئی تو دیکھا ہاٹ پلیٹ کے سامنے
ری شبنم کچھ پکا رہی تھی۔ مالا نے اپنے پرنٹ شدہ
ز ایک طرف رکھے جن میں تازہ ادرک کی مہک
۔ اور اوپری کیبنٹ کھول کے ایک صاف مگ
۔ پھر شبنم کے قریب آئی تو وہ جو موبائل پہ لگی تھی،
کے سیدھی ہوئی۔

"مالا؟ اتنی صبح صبح؟"

"ہاں۔ مجھے ماہر سے کام تھا۔ وہ ابھی تک نہیں
؟ اور یہ کیا بنا رہی ہو؟" اس کی حیران نگاہیں ہاٹ
تک جارکیں جس پہ ننھے سے ساس پین میں کوئی
دھیمی آنچ پہ کھول رہی تھی۔ الائچی کی خوشبو
رے میں پھیلی تھی۔

"ماہر بے کی کڑک چائے۔"

کشمالہ کے ابرو ناسمجھی سے اکٹھے ہوئے۔"
سمجھی وہ صبح میں کافی پیتا ہے۔"

"گھر سے کافی پیتے ہیں اور جس وقت گھر سے
لتے ہیں، میں ان کی کڑک چائے کھولنے کے لیے
چڑھا دیتی ہوں۔ اسی لیے میں آفس سب سے پہلے
آتی ہوں۔ جب تک وہ یہاں پہنچیں گے ان کی
چائے تیار ہوگی۔ جس دن میں لیٹ آئی اس دن وہ
مجھے دروازہ دکھا دیں گے۔"

شبنم سر جھکائے موبائل پہ تیز تیز ٹن دبا رہی
تھی۔

خالی مگ پکڑے مالا نے جھرجھری لی۔

"کتنا مشکل ہے اتنا ہائی مینٹیننس باس۔"

شبنم نے مینگ کے پیچھے سے گھور کے اسے
دیکھا۔

"نہ صرف ہائی مینٹس بلکہ سائنکو پیتھ بھی۔"

مالا بے اختیار ہنس پڑی۔ شبنم کا فون تھرتھرانے
لگا تو اس نے بے چارگی سے چہرہ اٹھایا۔ "وہ مجھے کال
کر رہا ہے۔"

"کون؟ تمہارا موجودہ کرش؟"

شبنم نے سادگی سے پلکیں دو تین دفعہ
جھپکائیں۔

"تم اس سے بات کرو، میں چائے بنا دوں
گی۔"

شبنم کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت اتری۔

"تمہیں کڑک چائے بنانا آتی ہے؟"

کشمالہ نے کندھے اچکائے اور خالی مگ ایک
طرف رکھا۔

"میں اپنے گھر میں سب سے اچھی کڑک
چائے بناتی ہوں۔ مجھے میری ماں نے سکھائی تھی۔
اپنے لیے بھی بنالوں گی۔ جاؤ تم۔" اسے تسلی دے کر
اس نے ایک بڑا سا ساس پین نکالا۔ شبنم کا چہرہ کھل
اٹھا۔ ایک ہی سانس میں کئی دفعہ تھینک یو کہہ کے وہ
تیزی سے ایک طرف بھاگ گئی۔ اچھا ہے شبنم اس
شخص سے بات کرلے۔ چند دن بعد اس نے بلاک
ہی ہونا ہے۔

چائے دو مگس میں انڈیل کے اس نے دونوں کو
ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ ٹرے نہیں رکھی۔ وہ کوئی اس کی
سیکرٹری نہیں تھی۔ پھر دونوں مگ اٹھائے وہ ماہر کے

آفس تک آئی (جانتی تھی وہ آچکا ہے) اور کہنی سے ڈور ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھلا تو وہ کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ لٹکاتا دکھائی دیا۔ آہٹ پہ مڑا۔ اسے دیکھ کے مسکرایا۔ پھر دونوں مگ دیکھے تو آنکھوں میں تعجب اترا۔

"شبنم کہاں ہے؟"

"تمہیں کبھی گڈ مارننگ۔" وہ مسکرا کے آگے آئی تو وہ جلدی سے بولا۔

"صبح بخیر۔" وہ اس کے بیٹھنے سے پہلے ہی دونوں مگس جگہ پر رکھ کے اپنی کرسی سنبھال چکی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمالی اور بازو کے نیچے پکڑا کاغذ میز پر رکھ دیا۔

ماہر نے کھڑے کھڑے اپنا مگ اٹھایا۔ ایک گھونٹ بھرا۔ تاثرات نہیں بدلے مگ نیچے رکھا اور بس سادگی سے اتنا پوچھا۔

"یہ شبنم نے بنائی ہے؟"

مالا نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

"اس کی کوئی فیملی ایمرجنسی ہوگئی تھی۔ اس لیے میں بنالائی۔"

وہ گہری سانس لے کے کرسی پر بیٹھا۔ تاثرات ابھی تک نہیں بدلے تھے۔

مالا نے بغور اسے دیکھا۔ "ٹھیک بنی ہے؟"

"اٹس پرفیکٹ" وہ ہلکا سا مسکرایا تو وہ بھی مسکرا دی۔ ظاہر ہے وہ خاندان میں سب سے اچھی کڑک چائے بناتی تھی۔

"صبح صبح اپنی بیکری کو چھوڑ کے آپ نے کیف کو رونق کیوں بخشی؟" فیک لگائے ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنسائے وہ اسی مسکراہٹ سے پوچھ رہا تھا۔

"ہماری رینوویشن مکمل ہونے والی ہے اور پرسوں سے ہم بیکری کو اوپن کردیں گے۔ میں نے مینیو میں تبدیلی کی ہے اور ایک نیا پیسٹری شیف ہائر کیا ہے۔"

"اور یقیناً اس پیسٹری شیف کی تنخواہ بھی تمہارا انویسٹر دے گا۔" ماہر فرید کے طنز میں کڑواہٹ سی گھل گئی۔

"نہ صرف تنخواہیں مگر رینوویشن کا سارا خرچہ بھی وہی اٹھا رہا ہے۔"

ماہر نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کے بغور اسے دیکھا۔

"تمہیں کس نے ملوایا ہے اس انویسٹر سے؟"

"یہ آئیڈیا مالک فرید کا تھا۔"

ماہر نے اوہ کہہ کے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"آف کورس۔ میں جانتا تھا کہ یقیناً مالک نے ہی اپنے کانیکٹس استعمال کر کے کچھ کیا ہوگا۔ لیکن یاد رکھنا، اس شہر کے انویسٹرز بہت ہی..."

وہ اس شہر کے باسیوں کی شان میں کچھ غیر مہذب کہنے کے لیے مہذب ترین الفاظ تلاش کر رہا تھا جب کشمالہ نے مگ نیچے رکھا اور پرنٹ شدہ کاغذ ماہر کی طرف دھکیلے۔

وہ ٹھہر گیا۔ پھر کاغذ اٹھائے۔ ایک ایک کر کے انہیں پلٹا۔ ان پر لکھے تمام ہندسے آنکھوں سے گزارے اور واپس مالا کو دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ وہ تمام بلز ہیں جو آپ کو ادا کرنے ہیں، ماہر بے۔" وہ اسی طرح فیک لگائے بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

"میں تمہارا انویسٹر ہوں؟ میں؟" بے یقینی سے سینے پر انگلی رکھی۔

مالا نے گردن اوپر نیچے ہلائی۔

"مالک صاحب کا کہنا تھا کہ تم سے اچھا انویسٹر مجھے کبھی نہیں ملے گا کیونکہ تم نے ہی مجھے اس بیکری میں پھنسایا ہے۔"

اس کے ماتھے پر بل پڑے۔ مٹھیاں ضبط سے بھینچ لیں۔

"اور میں کیوں انویسٹمنٹ کروں گا اس بیکری میں؟"

"تم انویسٹمنٹ کیوں نہیں کرو گے؟"

"مالا!" وہ سنجیدہ تھا۔ "میں یہ بلنڈر نہیں کروں گا۔ تم مجھ سے پوچھے بغیر یہ... یہ ساری خریداری اور رینوویشن نہیں کروا سکتیں۔ ایسا دنیا میں کہاں ہوتا ہے؟"

"ایک ڈونٹ اور کافی کے بدلے اس دنیا میں کوئی کسی کو بیکری بھی نہیں دیتا، ماہر بے۔"

ماہر نے خفگی سے لب بھینچ لیے۔ چند لمحے اسے گھورتا رہا۔

"میں بالکل بھی یہ بلنڈر نہیں ادا کر رہا۔"

کشمالہ مبین نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

"سوچ لو۔ 535 لیرا میں جو بیکری مجھے ملی ہے، وہ 600 لیرا میں سوزی اور بیریل کو فروخت بھی کر سکتی ہوں۔ میرا کیا جائے گا؟ بلکہ... (انگلیوں پہ گنا) 65 لیرا کا منافع ہی ہوگا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے سادگی سے پلکیں جھپکائیں۔ "میں یہ بیکری انہیں آگے بیچ دوں؟ یا تم انویسٹمنٹ کرو گے؟"

ماہر چند لمحے خفگی سے ابرو بھینچے اسے دیکھے گیا۔

"تم مجھے مینوپلیٹ کر رہی ہو۔"

مالا نے پھر سے کندھے اچکائے۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔

"رننگ فرام دی بیسٹ"

ماہر فرید نے زیرلب کچھ بڑبڑاتے ہوئے کاغذ اٹھائے اور میز پر رکھی ایک ٹرے میں ڈال دیے۔

"یہ آخری دفعہ ہے۔ اس کے بعد تم کوئی انویسٹمنٹ مجھ سے پوچھے بغیر نہیں کرو گی۔"

"جو ضروری ہوگا وہ میں کروں گی۔ کیونکہ تمہارے برعکس مجھے یقین ہے کہ یہ بیکری چل سکتی ہے۔ اور ہاں..." اٹھتے ہوئے اس نے انگلی اٹھا کے نصیحہ کی۔ "پرافٹ آدھا آدھا۔"

ماہر نے اسی خراب موڈ سے ہاتھ کو گھمایا، جیسے اسے جانے کا اشارہ کیا ہو۔

وہ چلی گئی تو ماہر نے انٹرکام اٹھایا۔

"سوری سر، میری ایک فیملی ایمرجنسی آ گئی تھی تو..."

"اپنے فیملی ایمرجنسی سے کہو، آفس ٹائم میں تمہیں کال نہ کیا کرے کیونکہ تمہارا فوکس بٹ جاتا ہے۔"

شبنم چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔

"اور آئندہ مالا کو میری چائے مت بنانے دینا۔"

"اوہ... کیا بہت بری تھی؟"

"حد سے زیادہ۔" اس نے برے موڈ کے ساتھ ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"میری چائے کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا؟" وہ شبنم کے ڈیسک پہ کھڑی غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ شبنم نے چہرے کی مسکراہٹ برقرار رکھتے ہوئے فون آرام سے نیچے رکھا اور مسکرائی۔

"ہاں، کہہ رہے تھے، بہت اچھی بنی تھی۔"

مالا طمانیت سے مسکرا دی۔ اسی وقت کسی کی آمد کا احساس ہوا۔ کن انکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ لفٹ کے دروازے کھلے ہیں۔ ایک دراز قد وجود، شناسا پرفیوم کی مہک، لانگ بوٹس کی ٹک ٹک۔ زارا اس جانب سے آ رہی تھی۔ سفید کوٹ اس کے کندھوں پر تھا لیکن ایسے کہ بازوؤں میں پہن نہیں رکھا تھا۔ وہ ان دونوں کے قریب رکی۔

"کیسی ہو، شبنم؟" اس کے شائستگی سے پکارنے پہ شبنم بادل نخواستہ جگہ سے اٹھی۔ مسکرا کے عینک کے پیچھے سے اسے دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں، میم۔ تھینک یو۔"

"میں نے ایچ آر میں کسی سے سنا تھا کہ تمہارے بھائی کا کوئی ایکسیڈنٹ وغیرہ ہوا تھا؟" وہ نرمی سے پوچھتی شبنم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کھڑی تھی۔ رخ مکمل شبنم کی جانب تھا۔

"اس بات کو تین ہفتے گزر چکے ہیں۔ اب وہ ٹھیک ہے۔ تھینک یو۔"

زارا چند لمحے تسلی سے وہاں کھڑی شبنم سے اس

کی ساری فیملی کا حال احوال پوچھتی رہی۔ اس نے ایک دفعہ بھی مالا کو نہیں دیکھا۔ اسے اپنا آپ وہاں غیر ضروری اور بے وقعت سا لگنے لگا لیکن ایک دم سے پلٹ کے آ جانا بدتہذیبی شمار ہوتا تھا۔ وہ بادل نخواستہ تب تک کھڑی رہی جب تک زارا شبنم کا گال تھپک کے آگے ماہر کے آفس کی طرف نہ بڑھ گئی۔

"مجھے زارینہ جانم سے یہ ہائی اسکول کی مین گرلز والی حرکت کی توقع نہیں تھی۔" شبنم کو اب غصہ آ رہا تھا۔ وہ مالا کا بجھا ہوا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

"چونکہ میں ہائی اسکول میں نہیں ہوں اس لیے مجھے فرق نہیں پڑتا، شبنم۔" وہ زبردستی مسکرائی اور کندھے اچکا دیے۔ پھر اپنے ڈیسک کی طرف پلٹ آئی۔ سوچا تھا سکون سے بیٹھ کے کچھ حساب کتاب کر لے گی۔ کیونکہ بزنس میں ورکرز کی اٹھا پٹخ اور شور میں وہ کام نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن دل زارا کی اس حرکت سے عجیب سا ہو گیا تھا۔ ان کھڑکیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ ماہر کے آفس کی طرف گئی ہے اور ابھی تک باہر نہیں نکلی۔

وہ ہمیشہ اس کی زندگی میں موجود رہے گی۔ کسی سائے کی طرح۔

ماہی کی کال آ رہی تھی۔ اس نے ائیر پوڈز کانوں میں گھسائے۔

"تم اس وقت کیوں جاگ رہی ہو؟"

"نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا تمہیں کال کر لوں۔" پھر ماہی کی آواز سنجیدہ ہوئی۔ "تم ٹھیک ہو؟ تمہاری آواز بھیگی ہوئی لگ رہی ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہوں۔ آفس میں ہوں۔" ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔

"اور بیکری کا کیا بنا؟"

"اس کو سیٹ کر رہی ہوں تاکہ میرے جانے تک وہ ٹھیک سے چل پڑے۔"

"یعنی تم واپس آ گی نا، مالا؟" ماہی کی آواز میں تشویش تھی۔

"ظاہر ہے میں واپس آؤں گی۔ وین کوور میں میرا گھر ہے۔ تم ہو۔ مجھے آنا ہی ہے۔"

"تم نے ماہر کو بتایا؟ زارا کی اصلیت؟"

مالا نے نفی میں سر ہلایا گو کہ ماہی اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"کیا مجھے بتانا چاہیے تھا؟" اس نے گردن موڑ کے ماہر کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ نہ جانے وہ دونوں اس کے پیچھے کیا بات کر رہے تھے۔

"زارا جانتی ہے کہ میں اس کی حقیقت جانتی ہوں۔ اور وہ تب سے میرے ساتھ برے طریقے سے بی ہیو کر رہی ہے۔ پتا نہیں وہ مجھ سے لیا چاہتی ہے۔"

"دیکھو، مالا... میں جو بات کہوں گی وہ پریکٹیکل بھی ہو گی اور سچ بھی۔" ماہی بالکل سنجیدہ تھی۔ "زارا ماہر فرید کا مسئلہ ہے، تمہارا نہیں۔ اور میں ماہر کو بہت پسند کرتی ہوں۔ ہماری ایک ہسٹری رہی ہے۔ بہت مشکل موقعوں پہ وہ میرے کام آیا ہے۔ میں دل سے اس کی عزت کرتی ہوں۔ لیکن..."

"لیکن؟" اس کا دل جیسے ڈوبا۔ اسے ماہی سے ماہر کے بارے میں کسی "لیکن" کی توقع نہیں تھی۔

"لیکن ماہر ایک پیچیدہ انسان ہے اور اس کی زندگی میں بہت سی پیچیدگیاں ہیں۔ جب وہ تمہاری زندگی میں آیا تھا کتنے سال کے، تو اپنے ساتھ بہت سے مسئلے بھی لے کر آیا تھا۔ زارا پہلے دن سے جانتا تھا کہ ماہر فرید کون ہے اور اس نے بہت ساری پلاننگ ماہر کا مقابلہ کرنے کے لیے کی تھی۔ وہ دونوں تمہاری زندگی میں موجود کسی ان دیکھی جنگ کا حصہ تھے اور تم اس سے واقف نہیں تھیں۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ ماہر کا تمہاری زندگی میں آنا ہمیشہ پیچیدگیاں لائے گا۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ ایک وقت میں تمہیں پسند کرتا تھا لیکن اس وقت کو گزرے زمانہ بیت چکا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ تمہیں اپنی زندگی ماہر کی وجہ سے مزید پیچیدہ بنانی چاہیے۔ اب ہم جانتے ہیں کہ بدر زندہ ہے اور جلد یا بدیر وہ تمہیں مل

digestlibrary.com

جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم جتنی جلدی ممکن ہو ماہر کی زندگی سے نکل کے واپس اپنی دنیا میں آ جاؤ۔ کیونکہ تمہارے وہاں رہنے سے نہ صرف تمہاری زندگی مشکل ہوگی بلکہ ماہر کی زندگی کو بھی خطرہ ہے۔ کہیں زیادہ جیلسی میں آ کے اس کی جان لینے کی کوشش نہ کرے۔"

"اف، ماہی۔ ایسے مت کہو۔"

کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں لے کر مسل دیا تھا۔ اس نے بدقت اثبات میں سر ہلایا۔ ماہی کچھ اور بھی کہہ رہی تھی۔ لیکن اس کے ذہن میں کچھ رجسٹر نہیں ہو رہا تھا۔ فون بند کرنے کے بعد کتنی ہی دیر وہ گم صم بیٹھی لیپ ٹاپ اسکرین کو دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ شبنم اس کے پیچھے کھنکھاری تو اس نے چونک کے گردن اٹھائی۔ پھر سر جھٹکا۔ وہ تکان زدہ لگ رہی تھی۔

"قرمزی بلڈنگ والا کام کہاں تک پہنچا؟" شبنم کی نگاہیں اس کی اسکرین تک اٹھیں۔ پھر وہ چونک گئی۔ وہاں کھلی ویب سائٹ پر نظر پڑتے ہی اس نے بے اختیار مالا کو دیکھا۔

"تم اسکول دیکھ رہی ہو؟ وین کوور کے اسکولز؟"

مالا نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "سوچ رہی ہوں کہ جب بدر مجھے مل جائے گا اور ہم واپس چلے جائیں گے تو جلد یا بدیر مجھے اس کو اسکول میں داخل کرانا ہوگا۔ ابھی سے اپلائی کروں گی تو اگلے سال میں جگہ ملے گی۔ اسکولنگ بہت مہنگی ہے اور مجھے اس کے لیے پیسے اکٹھے کرنے ہیں۔"

شبنم نے اسکرین کو دیکھا پھر اسے۔ پھر اسکرین کو۔

"مالا..." وہ دھیرے سے اپنی کرسی اس کے قریب کھینچ لائی اور جب بولی تو اس کی آواز سرگوشی کی مانند تھی۔

"تم اپنے بیٹے کے ملتے ہی یہاں سے چلی جاؤ گی؟"

مالا نے اسے دیکھے بنا اثبات میں سر ہلایا۔

"اور ماہر بے؟"

"میرا اس سے کانٹریکٹ صرف دو مہینے کا تھا۔ دو مہینے ختم ہونے والے ہیں۔ اس کے بعد میں تب تک یہاں رہوں گی جب تک مجھے میرا بیٹا نہیں مل جاتا۔ ملے گا تو چلی جاؤں گی۔ یہی پلان تھا۔ ماہر نے ویسے بھی لندن چلے جانا تھا۔"

"لیکن ماہر اور زارا کی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔ اب وہ لندن کیوں جائے گا؟ ویسے بھی قرمزی عمارت کا بہت کام پڑا ہے۔ میرا نہیں خیال وہ اگلے چند مہینے اس شہر سے نکل سکے گا۔ تم کیا واقعی چلی جاؤ گی؟ ماہر کو چھوڑ کے؟"

اس نے بے بسی سے چہرہ اٹھایا۔ آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"شبنم... میرے پاس اس شہر میں رکنے کے لیے کوئی وجہ نہیں ہے۔ میں یہاں سے جانے کے لیے ہی تو آئی تھی۔"

شبنم کا چہرہ بجھ گیا۔ اس نے منہ بسور کے مالا کو دیکھا۔

"دو ماہ پہلے نہ تم ایسی تھیں نہ ماہر بے۔ وہ بدل گئے ہیں۔ تمہارے آنے سے۔ ان کے گرد ہر چیز بدل گئی ہے۔ ایسا پہلے تب ہوا تھا جب وہ لاہور گئے تھے۔ اور واپس آتے ہی اس آفس میں پودے رکھوا دیے تھے۔"

"پودے؟"

"ہاں، یار۔ چھوڑو اس بات کو۔ ہم آفس والے دن کے کئی گھنٹے ان کے ساتھ گزارتے ہیں، مالا۔ ہمیں سب نظر آ رہا ہے۔ تمہیں کیوں نظر نہیں آتا؟"

اس نے بہت ضبط سے آنسو اندر اتارے۔ چند گہرے سانس لیے اور جب بولی تو اس کی آواز سنجیدہ تھی۔

"میں نے کہا نا، شبنم... میرے پاس اس شہر میں رکنے کے لیے کوئی وجہ نہیں ہے۔ نہ ہی میرے اندر

اتنی توانائی ہے کہ میں اپنی زندگی کے فیصلے کسی دوسرے انسان کے لیے کروں۔ میرے یہاں آنے سے صرف ماہر کی زندگی ہی پیچیدہ نہیں ہوئی، بلکہ میری بھی ہوجائے گی۔"

"لیکن، مالا..."

وہ کن انکھیوں سے دیکھ سکتی تھی کہ ماہر کے آفس کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ اور زارا آپس میں بات کرتے ہوئے باہر نکل رہے تھے۔ وہ بار بار گھڑی کو دیکھتا موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے چہرہ موڑا ،جیسے مالا کو تلاش کرنے کے لیے دائیں بائیں دیکھا ۔وہ تیزی سے واپس گھوم گئی۔ ایسے کہ اگر وہ دیکھتا بھی تو اسے مالا کے سر کی پشت دکھائی دیتی۔

"لیکن، مالا..."

ان کے لفٹ میں سوار ہونے کے بعد شبنم نے دھیمی آواز میں دوبارہ کہنے کی کوشش کی۔ لیکن تب تک وہ اٹھ کے اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

"ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے، شبنم۔ چھوڑو، جانے دو۔" وہ شبنم کو دیکھے بنا چیزیں سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ پلکوں پہ آنسو پھر سے آ ٹکے تھے۔

وہ ہمیشہ اس کی زندگی میں رہے گی۔ وہ اس کی کزن تھی۔ اس کی فیملی۔ وہ کبھی اس کی زندگی سے نہیں نکلے گی۔ دو ماہ ختم ہوتے ہی وہ بلت والے اپارٹمنٹ میں واپس چلی جائے گی۔ بدر ملے یا نہیں، وہ ماہر کی زندگی میں مزید نہیں رہے گی۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا۔

☆☆☆

دوپہر کا سورج شہر پہ روشن تھا لیکن بادل اس کو کھل کے چمکنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ ایک پارک کے کنارے روش پہ ہڈی والا نوجوان چلتا جارہا تھا۔ کانوں میں ایئرپوڈز تھے اور وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کچھ گنگنا رہا تھا جب اس کے پسندیدہ میوزک میں خلل پڑا۔ Siri نے کان میں اعلان کیا کہ اسے کبیرہ سادان کی طرف سے ایک نیا پیغام موصول ہوا ہے۔ وہ بیچ روش کے ٹھہر گیا۔ ماتھے پہ بل پڑے ۔جیب سے موبائل نکالا اور اسکرین روشن کی۔ پورٹل پہ کبیرہ سادان کا میسج جگمگا رہا تھا۔

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟ صرف ایک دفعہ۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں اور ان باتوں پہ یقین کرنا چاہتی ہوں جو کشمالہ نے مجھے کہی ہیں۔"

عالیان کے ماتھے پہ پڑے بلوں میں اضافہ ہوا۔ اس روز سے کبیرہ سادان اسے کئی میسج بھیج چکی تھیں۔ اس نے کسی کا جواب نہیں دیا تھا۔ اس پورٹل پہ وہ اسے کال کرسکتی تھیں لیکن صرف تب جب ان لائن ہوتا۔ اس کے پاس کبیرہ کا نمبر موجود تھا لیکن ابھی تک اس نے انہیں کال کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ مالا نے اسے برا پھنسایا تھا۔

وہ ایک درخت تلے رکا، تنے سے ٹیک لگائی اور کچھ سوچ کے اپنی فون بک کھولی۔ کبیرہ سادان کا نمبر واٹس ایپ پہ ملایا اور فون جیب میں ڈال دیا۔ کانوں میں لگے ایئرپوڈ پہ گھنٹی جاتے ہوئے سنائی دینے لگی۔ تیسری ہی گھنٹی پہ بے قرار سا ہیلو سنائی دیا۔ وہ شاید کسی غیر شناسا نمبر سے آنے والی کال کی منتظر تھیں۔ عالیان چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔

کبیرہ کا دوسرا ہیلو چوکنا سا تھا۔ جیسے وہ امید اور خوف کے درمیان ہیں۔

"کشمالہ مبین نے آپ سے جھوٹ بولا ہے۔ میں آپ کا کھویا ہوا بیٹا نہیں ہوں۔ آپ یہاں صرف اپنا وقت ضائع کررہی ہیں۔"

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟" وہ جیسے اسے سن ہی نہیں رہی تھیں۔ بے قراری سے بولیں تو عالیان کے ابرو بھنچ گئے۔

"اپنا وقت ضائع کرنے کے ساتھ آپ مجھے انوائٹے (پریشان) بھی کررہی ہیں۔ میں آج سے آپ کو اپنے کلائنٹ ٹیبل (گاہک) سے فائر کرتا ہوں۔ اب آپ میری کلائنٹ نہیں رہیں۔ اس لیے نہ مجھے کال کریں نہ مجھ سے کوئی توقع رکھیں۔ میں آپ کو نہیں جانتا، نہ میرا آپ سے کوئی تعلق ہے۔"

فون نیچے کیا اور کبیرہ کا نمبر پورٹل پہ بلاک کر دیا۔ اب وہ اسے کال نہیں کر سکیں گی نہ اس سے کسی قسم کا رابطہ کر سکیں گی۔ اسے قدرے سکون محسوس ہوا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ پھر سے روش پہ چلنے لگا اور سماعت میں میوزک گونجتا گیا۔ اس موسیقی کی دھن میں بہت سی آوازیں شامل تھیں۔ یادوں کا ایک سمندر تھا جس کے دروازے میں سوراخ تھے۔ اور ہر سوراخ سے جھانکنے پہ ایک نیا منظر دکھائی دیتا تھا۔

وہ چھوٹا سا لڑکا ایک سنگل بیڈ پر بیٹھا تھا اور نگینہ اس کے بالوں میں برش پھیر رہی تھیں۔ ساتھ ہی محبت سے اس کو کچھ کہہ رہی تھیں.....

وہ دونوں ایک کمرے میں چٹائی پر بیٹھے تھے اور نگینہ چھری سے سیب کاٹ کاٹ کے اس کی پلیٹ میں رکھ رہی تھیں.....

وہ ایک اندھیر درختوں والی سنسان جگہ پہ تنہا بیٹھا تھا۔ اسے خوف بھی آ رہا تھا اور چہرے پہ پسینہ تھا۔ ساتھ کسی کی قبر تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور وہ پڑھنا شروع کیا جو نگینہ نے بتایا تھا۔ دھیرے دھیرے اس کا خوف جاتا رہا.....

وہ وہیل چیئر پہ تھیں، اور کچھ کہہ رہی تھیں۔ اور وہ لڑکا جس کا قد اب دراز ہو چکا تھا، ان کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے ادب سے سن رہا تھا.....

"میری ماں ایک ہی تھی، کبیرہ سادان! اور اسے زیادسلطان نے مار دیا تھا۔ تم اب مجھے claim (کلیم) نہیں کر سکتیں۔" وہ موسیقی سنتے ہوئے تیز تیز چلتا خود سے بڑبڑا رہا تھا۔

☆☆☆

زارا کا ارادہ کیف سے اپنا باقی ماندہ سامان لینے کا تھا لیکن مالا کو دیکھ کے اس نے ارادہ بدل دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ مالا اسے اور ماہر کو ایک ساتھ باہر نکلتے دیکھے۔ سو وہ ماہر کے ساتھ ہسپتال آ گئی۔ کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھی دوا کو قطرہ قطرہ مالک فرید کے اندر انجیکٹ ہوتے دیکھتی رہی۔ پھر ماہر سے اجازت طلب کر کے واپس کیف کی طرف روانہ ہو گئی۔ ہسپتال کیف سے زیادہ دور نہ تھا۔ چند منٹ کی ڈرائیو تھی۔ ماہر نے البتہ کہا تھا کہ وہ لنچ بریک تک وہیں رہے گا۔ وہ مالک کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

"بیربل نہیں آیا؟" سورج کی روشنی میں نہائے ڈائننگ روم میں بیٹھے ماہر نے گردن موڑ کے پیچھے کھڑے عمار کو دیکھا جو فوراً قریب چلا آیا۔

"وہ تب آتا ہے جب آپ یہاں نہیں ہوتے۔" عمار جھجکا۔ پھر اضافہ کیا۔ "وہ مجھ سے پہلے کنفرم کر لیتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ نرمی سے کہہ کے سامنے دیکھنے لگا۔ عمار بھی کین کی کرسی کھینچ کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

اب خاموشی تھی، کسی مصنوعی چشمے کے گرتے پانیوں کی آواز اور مشینوں کی مدھم ہپ ہپ۔ وہ دونوں کتنی ہی دیر بیٹھے مالک فرید کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بھتیجے اور وفادار ملازم کی جانب سے کروٹ موڑ لی۔ شاید انہیں ان لوگوں کا کسی تماشے کی طرح ان کو دیکھنا پسند نہیں تھا۔

"مالک صاحب دن میں کئی دفعہ میری بے عزتی کرتے ہیں۔"

"کتنی دفعہ؟"

"جب تندرست تھے تو پانچ دفعہ۔ بیماری کے بعد دو دفعہ۔"

ماہر کے ہونٹوں پہ اداس سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے رخ عمار کی جانب موڑ لیا جو شیشے کی دیوار کو دیکھتے ہوئے بولتا جا رہا تھا۔

"شروع شروع میں، میں سوچتا تھا کہ اتنے تلخ باس کے ساتھ کون گزارا کر سکتا ہے۔ پہلے لگتا تھا شاید انہیں کوئی ڈپریشن ہے۔ پھر سمجھ میں آئی کہ یہ تو ان کی شخصیت ہے۔ کوکونٹ جیسی۔"

ماہر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا، گال تلے انگلیاں رکھے، دلچسپی سے اسے سنے گیا۔

"اب میں ان کی پانچ وقت کی بے عزتی کو مس کرتا ہوں۔ جس دن صرف ایک دفعہ ڈانٹیں تو جان

لیتا ہوں کہ آج وہ بالکل ٹھیک نہیں ہیں۔"

"ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں، عمار۔ مالک ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اس ہال میں پندرہ مریض ہیں، ماہر بے۔ آدھوں کو اصل دوا لگی ہے اور آدھوں کو placebo لگایا جا رہا ہے۔" عمار نے اپ کے ماہر کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بے بسی بھی تھی اور دبا دبا غصہ بھی۔

ماہر خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"ہم نے مالک صاحب کی زندگی کو ففٹی ففٹی کے چانس پہ چھوڑ دیا ہے، ہمیں چانس نہیں لینا چاہیے تھا۔ ہمیں کچھ کرنا چاہیے تھا۔ یہ کلینیکل ٹرائل ان کی آخری امید تھی۔"

"کیا میں تمہیں چیزیں چانس پہ چھوڑنے والا انسان لگتا ہوں، عمار؟"

عمار ایک لمحے کے لیے سانس نہ لے سکا۔ چوک کے دور مالک کو لگے آئی وی بیگ کو دیکھا۔ پھر ساتھ سے گزرتے نرسز کو۔

اگلے ہی پل جیسے ذہن نے سارا معاملہ بھانپ لیا۔

"واقعی؟" وہ قدرے جوش سے اونچا سا بولا۔ پھر دائیں بائیں دیکھا اور آواز دھیمی کی۔ چہرہ ماہر کے قریب کیا۔ "کیا آپ نے ہینڈل کر لیا؟" جوش سے اس کی آواز کپکپائی۔

"آف کورس۔" ماہر نے سر کو جنبش دی۔

عمار کے چہرے پہ سرخی سی دوڑ گئی۔ مٹھیاں بھینچ لیں جیسے وہ بدقت ضبط کر رہا تھا۔

"شاید دوا اثر کر جائے۔" پھر اس کے چہرے پر کچھ بجھا۔ "یا شاید اثر نہ کرے۔"

"دونوں صورتوں میں، ہم نے کسی چیز کو چانس پہ نہیں چھوڑا، عمار۔ ہم اتنی آسانی سے مالک کو مرنے نہیں دیں گے۔"

شیشے کی دیوار کو دیکھتے ہوئے عمار نے سر ہلایا۔ اس کی پلکوں کے کنارے بھیگ گئے تھے۔

"اور اگر مالک زندگی ہار گیا تو یاد رکھنا، زارا کے پاس ایک سیکرٹری پہلے سے موجود ہے۔"

عمار نے چونک کے گردن موڑی۔ تا سمجھی سے بھنویں اکٹھی کیں۔

"یعنی؟"

"تمہیں مالک کا کوئی حریف صرف اس صورت میں جاب دے گا کہ تم اسے مالک کے کاروباری راز بتاؤ۔ اور تم ایسا نہیں کرو گے۔ یوں مالک کے مرنے کے بعد تم جاب لیس ہو جاؤ گے۔"

عمار آنکھوں میں الجھن لیے اسے دیکھے گیا۔

"اس لیے میں تمہیں گارنٹی دے رہا ہوں کہ مالک کے اس دنیا سے جانے کے بعد بھی میرے پاس تمہارے لیے ہمیشہ جگہ ہو گی۔ تم ہماری ٹیکی کا حصہ ہو۔ تم ہمیشہ ہمارے لیے کام کرو گے۔"

عمار نے ممنونیت سے سر کو خم دیا۔ لیکن وہ ابھی تک ماہر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کئی برس سے ماہر فرید کو جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا یہ تمہید تھی۔

"اور؟" ماہر کی خاموشی پہ عمار پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

جواب میں ماہر نے کرسی کا رخ موڑ دیا یوں کہ وہ اب عمار کے عین سامنے تھا۔ نگاہیں اس نے ایک پل کے لیے بھی نہیں ہٹ رہی تھیں۔

"اب تم مجھے بتاؤ گے... کہ مالا مالک سے ملنے کیوں آئی تھی؟"

عمار نے گہری سانس لی۔

"یہ بات مجھ سے زارا نے بھی پوچھی تھی کہ کیا وہ آئی تھی؟ مالک صاحب نے اس کو بھی بتانے سے منع کیا تھا لیکن وہ پہلے سے جانتی تھیں کہ مالا آئی تھی۔"

"اور دونوں کے درمیان کیا بات ہوئی؟" اس نے مالا سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مالک سے اس بارے میں نہیں پوچھے گا۔ اور اسے مالک سے پوچھنا بھی نہیں تھا۔ اس کے سایے سے پوچھنا تھا۔

"سچ کہوں تو میں خود بھی نہیں جانتا کہ وہ کیوں آئی تھی۔ میں گھر کے اندر تھا۔ کھڑکیاں ساؤنڈ پروف ہیں۔ وہ دونوں لان میں بیٹھے چند منٹ باتیں کرتے

رہے۔ ''عمار آنکھیں چھوٹی کیے جیسے یاد کر کر کے بتا رہا تھا۔ کن اکھیوں سے وہ مالک کا آئی وی بیگ دیکھ سکتا تھا جس میں اصل دوا لگائی جا رہی تھی۔

''وہ تھوڑی دیر ہی بیٹھی مگر کرسی کے کنارے پر... جیسے بھاگنے کو تیار ہو... جیسے کسی بات سے خوف زدہ ہو۔''

''کیا کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا؟''

''نہیں... یعنی.... جیسے مالک صاحب سے خوف زدہ ہو۔ اس لیے اس نے جلدی جلدی اپنی بات کہی۔ مالک صاحب زیادہ نہیں بولے۔ بس اس کو سنتے رہے۔ پھر وہ تیزی سے اندر کی طرف آئی۔ مجھے دیکھا بھی نہیں مڑ کے۔ جیسے ڈر گئی ہو اور تقریباً بھاگتے ہوئے گھر سے نکل گئی۔ بس یہی ہوا تھا۔ مالک بے نے مجھے نہیں بتایا کہ وہ کیوں آئی تھی۔''

اس نے ماہر کو وہی بتایا جو وہ جانتا تھا۔ جو اس نے زارا کو بھی بتایا تھا۔

''اس کے بعد کیا ہوا؟'' ماہر غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''بعد میں؟'' عمار نے چونک کے اسے دیکھا۔

''بعد میں یعنی؟''

''مالا کی بات سننے کے بعد مالک نے پہلا کام کیا کیا تھا؟''

عمار بالکل ٹھہر گیا۔

''انہوں نے مجھے بلایا تھا۔ وہ...'' وہ رک گیا۔ اس کی زبان ہکلا گئی۔ ماہر بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہا تھا۔ عمار نے ایک نظر شیشے کی دیوار کو دیکھا، اس آئی وی بیگ کو اور پھر ماہر کو۔

''ماہر بے...''

''بولتے رہو، عمار۔ میں نے کہا نا، تم ہمیشہ ہماری فیملی کے ساتھ رہو گے۔''

عمار نے قدرے تامل سے الفاظ جوڑے۔

''وہ مجھ سے اس رقم کے بارے میں پوچھ رہے تھے جو زارا ہر مہینے نکلوا رہی ہے۔''

ماہر ایک دم سیدھا ہوا، ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ آنکھوں میں نا سمجھی تھی۔

''کون سی رقم؟''

''زارا کمپنی اکاؤنٹس سے ہر مہینے ایک مخصوص رقم پچھلے چند ماہ سے نکلوا رہی ہیں۔ مجھے سی ایف او نے انفارم کیا تھا سو میں نے مالک صاحب کو دو تین دفعہ آگاہ کیا کیونکہ مجھے فنانشل رپورٹس بھی دیکھنی ہوتی ہیں۔ آڈٹ کے دوران سی ایف او نے زارا سے پوچھا بھی تھا کہ وہ رقم کہاں گئی۔''

''اور؟''

''انہوں نے کہا کہ اس رقم سے انہوں نے بیگز لیے تھے۔ ان کے پاس تمام رسیدیں تھیں۔ یہ ان کا پرسنل expense (خرچہ) تھا اور آپ سب کزنز ایسے expenses (خرچ) کرتے ہیں سو یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی۔''

''پھر تم نے یہ بات بار بار مالک کو کیوں بتائی؟ زارا پیسے لے سکتی ہے، اس میں کیا مسئلہ ہے؟''

''کیونکہ....'' وہ رکا۔ خشک لبوں پر زبان پھیری۔ ''کیونکہ وہ اکثر ملک سے جاتے ہوئے اپنے اپارٹمنٹ کی چابیاں مجھے دے جاتی ہیں۔ سیکیورٹی کے لیے۔''

''اور؟''

''اور وہ بیگز ان کے اپارٹمنٹ میں نہیں تھے۔ انہوں نے ہمیں تمام رسیدیں دکھائی تھیں لیکن بیگز کہاں گئے؟ وہ بہت قیمتی بیگز ہیں۔ ہزاروں پاؤنڈز کے۔ ان کے اپارٹمنٹ میں صرف ان کے آٹھ بیگز ہیں جن کی حفاظت کے لیے وہ مجھے ہمیشہ کہتی ہیں۔ مگر نئے بیگز میں نے کبھی نہیں دیکھے۔''

ماہر کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ عالیان نے مالا کو کچھ بتایا تھا جو اس نے مالک کو بتایا۔ زارا کمپنی سے پیسے لے رہی ہے، یہ بات عالیان کو کیسے معلوم ہوئی؟ اور اگر ہوئی بھی تو یہ ایسی بات نہیں تھی کہ مالا اسے یوں چھپاتی۔ یا مالک سے کہنے سے ڈرتی۔

''کتنی رقم تھی؟''

عمار نے رقم بتائی۔ پھر جھجکا۔ ”مجھے حیرت ہے کہ آپ نے ابھی تک نوٹس نہیں کیا۔“

”نہیں مجھے بھی بی ایف او نے کہا تھا لیکن ...وہ اس کے پرسنل ایکپنس تھے۔ وہ کر سکتی ہے یہ۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں تھی۔“ وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔ ”یہ معاملہ کب سے شروع ہوا تھا؟“

”آپ کی منگنی سے چند مہینے پہلے سے۔ وہ رقم ہمیشہ ایک راؤنڈ فگر ہوتا ہے۔ ایک ہی اماؤنٹ ہر مہینے، ایک ہی تاریخ پہ۔ اور وہ کیش لیتی ہیں۔ ایسے جیسے کسی چیز کی قسط ادا کرنی ہو، یا...“ عمار رک گیا۔

”یا جیسے کسی کو ری ٹیمنٹر —— پہ ہائر کر رکھا ہو۔“ ماہر بڑبڑایا۔ پر سوچ نگاہیں سن روم کے سرسبز گملوں پہ جمی تھیں۔ قریبی کاؤچ پہ ایک بوڑھے میاں بیوی آ کے بیٹھ چکے تھے۔ ان کی کم سن بچی یہاں داخل تھی۔

”مالا اور مالک کی ملاقات کے بعد مزید کیا ہوا؟“

عمار نے کندھے اچکائے۔ ”کچھ غیر معمولی نہیں ہوا۔ بس اس رات زارا آئی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ مالک صاحب کی اس سے کیا بات ہوئی تھی لیکن وہ واپس جاتے ہوئے رو رہی تھی۔ شاید ان کی آپس میں کوئی لڑائی...“ وہ رک گیا۔ کہتے کہتے چونکا۔ جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

”اور ہاں... مالک صاحب نے مجھ سے عالیان کے بارے میں پوچھا تھا۔“

ماہر نے گردن اتنی تیزی سے موڑی کہ ہڈی کے چٹخنے کی آواز آئی۔

”عالیان؟“

”جی۔ مالا کے جانے کے بعد مالک صاحب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا میں کسی عالیان کو جانتا ہوں۔ دراصل عالیان ایک بچہ تھا جو کھو گیا تھا اور....“

”میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔ تم اسے کیسے جانتے ہو؟“

”زارا اسے ڈھونڈ رہی تھی نا۔ چند ماہ پہلے ہی زارا نے مجھ سے عالیان کو تلاش کرنے کے لیے کہا تھا۔ میں نے بہت تلاش کیا۔ ایک پرائیویٹ ڈیٹیکٹو بھی ہائر کیا، لیکن بہت سا پیسہ خرچ کرنے کے بعد بھی وہ نہیں ملا۔ پھر زارا نے خود ہی مجھے اسے تلاش کرنے سے روک دیا۔“

سن روم میں اب خاموشی تھی۔ ارد گرد لوگوں کے ہونٹ ہلتے ہوئے دکھائی دیتے تھے لیکن عمار کے سوا سب کی آوازیں بند ہو چکی تھیں۔

”وہ رقم زارا نے عالیان کی تلاش ختم کرنے کے بعد نکلوانی شروع کی تھی؟ یا پہلے؟“

عمار کے ابرو سوچنے والے انداز میں اکٹھے ہوئے۔ ایک لمحے کے لیے دماغ میں حساب کیا۔

”بعد میں۔ بالکل۔ میں کلیئر ہوا۔ بعد میں۔“ پھر اس نے شیشے کی دیوار کو دیکھا اور دوبارہ ماہر کو۔

”ماہر بے، یہ باتیں کوئی اتنا بڑا راز نہیں تھیں جو میں آپ کو نہ بتاتا۔ ان کو بتانے کا مقصد مالک صاحب سے بددیانتی...“ وہ کچھ کہہ رہا تھا اپنی صفائی میں، اپنی اخلاقیات کے بارے میں۔ لیکن ماہر نہیں سن رہا تھا۔

وہ دھیرے سے کھڑا ہوا، ہاتھ سے اس کا کندھا تھپکا اور آگے بڑھ گیا۔ عمار بھی ساتھ ہی اٹھا۔ وہ پیچھے سے اسے پکار رہا تھا لیکن ماہر نہیں سن رہا تھا۔ وہ چلتا جا رہا تھا۔

سن روم کے سارے پودے ایک دم سے سیاہ ہو گئے تھے۔ سورج کی روشنی کوئلے کی سیاہی میں بدل گئی تھی۔ اس کا اٹھتا ہر قدم خلا میں پڑ رہا تھا۔ ذہن شل تھا۔ آنکھیں جھپک رہی تھیں یا نہیں، اس کو نہیں معلوم۔ بس وہ چلتا رہا تھا۔

کاریڈور کے اختتام پر ریسپشن تھی۔

اس کے اختتام پر ایک سنہرا دن۔

اس کے اختتام پر پارکنگ لاٹ۔

اس کے کہیں وسط میں اس کی کار۔

ایک ایک مرحلہ عبور کرنا دشوار تھا۔
اس کا سانس تیز ہو چکا تھا۔
کار میں بیٹھتے ہی اس نے اسٹارٹ کا بٹن دبایا لیکن آج انجن کے حرکت کرنے کی آواز نہ آئی۔ ساری آوازیں دم توڑ چکی تھیں۔
"کال شبنم۔" دو الفاظ میں کار کو حکم دیا اور اسے سڑک پر ڈال دیا۔ پارکنگ لاٹ کے کسی کونے سے اردگرد تیزی سے اس کی جانب بھاگا تھا، لیکن ماہر نے ڈرائیور کا انتظار نہیں کیا۔ وہ ڈرائیور کو دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔ چونکہ دوسری چابی اس کے پاس تھی، سو کار آگے بڑھ چکی تھی۔
اسپیکرز پہ رنگ ٹون سنائی دی اور پھر شبنم کی آواز۔
"جی، ماہر بے؟"
"زارا کہاں ہے؟" اسے اپنی آواز میں غراہٹ محسوس ہوئی۔
"وہ.... وہ اپنے آفس میں ہیں۔ اپنا سامان اکٹھا کر رہی ہیں۔ کیا میں انہیں کال پہ بلاؤں؟" اس کی آواز نے شبنم کو ایک دم پریشان کر دیا تھا۔
"نہیں، بالکل نہیں۔ اس کو میرے آنے تک وہاں روکے رکھو۔" کپکپاتی انگلی سے اس نے بٹن دبا دیا۔ کال کٹ گئی۔ اب سامنے سڑک تھی اور اس پر بہتا ٹریفک۔ اور اس کے درمیان تیزی سے زگ زیگ کر کے کار نکالتا ماہر فرید۔ قریب سے گزرتی گاڑیوں کے ہارن، لوگوں کی اونچی اونچی آوازیں، اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کبھی دائیں اور کبھی بائیں کار موڑتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

ہسپتال سے کیف کی عمارت کا سفر کتنا لمبا تھا اسے یاد نہیں۔ درمیان میں کتنی دفعہ اسے ہارن پڑے اور کتنے لوگ کار کے آگے آتے آتے بچے۔ وہ گنتی نہیں رکھ پایا۔ دماغ پہ سرخ دھواں سا چڑھا تھا۔
ایسا دھواں جو اس وقت غالب آتا تھا جب گھوڑے کے مجسمے کے اندر رہنے والا ذی روح اس کے دماغ پہ قبضہ کر لیتا تھا۔
برسوں بعد اسے اپنے اندر وہ ماہر فرید نظر آیا تھا جو کسی کا سر دیوار پر دے مار سکتا تھا۔ جو اپنی ہائیک کو فٹ پاتھ پر چڑھا کے خود کو بھی ختم کر سکتا تھا۔
کار کیف کی عمارت کے باہر روکی اور دروازہ ٹھاہ بند کر کے وہ باہر نکلا۔ اسے اندر داخل ہوتے دیکھ کے ریسپشنسٹ تیزی سے اٹھی۔
"زارا اوپر ہے؟" وہ غرایا تھا۔
ریسپشنسٹ نے گھبرا کے جلدی سے سر اثبات میں ہلایا۔
ماہر لفٹ کے قریب گیا۔ پھر رکا۔ دیوار پر سرخ رنگ کا فائر الارم لگا تھا۔ اس نے تیزی سے ساتھ رکھی ننھی کلہاڑی اتاری اور اسے فائر الارم کے شیشے پر دے مارا۔ کرچیاں سی نیچے گریں۔ شیشہ ٹوٹ گیا اور الارم نمایاں ہوا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے زور سے الارم کھینچ دیا۔
عمارت میں زور زور کا بگل بجنے لگا۔ وہ مڑا تو ریسپشنسٹ ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھی۔
"بلڈنگ خالی کراؤ۔ فائر ڈرل ـــــ"
پھر وہ لفٹ کے بجائے سیڑھیوں کی جانب لپکا۔ تیزی سے زینے پھلانگے۔ آدھے رستے میں ہی انسانوں کا سمندر اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ ماہر دیوار کے ساتھ ہو گیا مگر زینے چڑھتا گیا۔ فائر الارم مسلسل بج رہا تھا اور لوگ کام چھوڑ کے اپنی چیزیں سنبھالتے حیران پریشان سے نیچے کی طرف دوڑ رہے تھے۔
جب تک وہ ہال میں پہنچا، آدھے سے زیادہ ہال خالی ہو چکا تھا۔ کوئی پوچھ رہا تھا کہ آگ کہاں لگی ہے اور کوئی پوچھ رہا تھا کہ کیا یہ ڈرل ہے۔
"باہر نکلو سب
...!آؤٹ...!آؤٹ...!" ماہر نے اونچی آواز میں دروازے کی جانب اشارہ کیا تھا۔
اور پھر اس نے زارا کو دیکھا۔
دور ہال کے دوسرے سرے پہ ...وہ اپنا بیگ

اور باکس اٹھائے تیزی سے شیشے کے پنجرے سے باہر نکل رہی تھی۔ ماہر پہ نگاہ پڑی۔ ماہر نے دور سے اسے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ تھم جاؤ۔ زارا وہیں رک گئی۔

وہ دونوں ہال کے دو مخالف سروں پہ کھڑے تھے۔ ان کے درمیان بہت سے کیبن زاور بہت سے گھبرائے ہوئے لوگ تھے جو جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹ کے باہر کو بھاگ رہے تھے۔

زارا باکس لیے پتھر بنی کھڑی تھی۔ اس کی نگاہیں ماہر کے چہرے پہ جمی تھیں۔

وہ بچپن سے اسے جانتی تھی۔ اور وہ اس چہرے کو بھی جانتی تھی۔

باکس اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ ہلکی سی دھپ سے قدموں کے قریب زمین بوس ہوا۔ وہ ماہر کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا پا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی آگ عمارت میں نہیں لگی۔ اس کی زندگی میں لگی ہے۔ وہ اس چہرے کو پہچانتی تھی۔ ان آنکھوں کے زخمی پن کو بھی۔

وہ جان گیا ہے۔ وہ سب کچھ جان گیا ہے۔

اس کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہل سکی۔

ایک ایک کر کے ہر شخص نیچے بھاگ گیا۔ ہال خاموش ہو گیا۔ فائلز اور کاغذ زمین پر بکھرے رہ گئے۔ کسی کا والٹ گرا تو کسی کا کپ۔

مگر اب ہر طرف خاموشی تھی۔

تب وہ آگے آیا۔ قدم قدم چلتا۔ زارا سے نگاہ ہٹائے بغیر۔ وہ اس کے قریب آ رہا تھا۔ ٹائی ڈھیلی تھی اور گرم کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔ وہ کوٹ ہسپتال میں بھول آیا تھا۔ اس وقت کچھ بھی اہم نہیں تھا۔ کچھ تھا تو بس ماہر کے چہرے پہ ایک تاثر۔

زخمی تاثر۔ غصہ۔ صدمہ۔

وہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ زارا کے آفس کے دروازے تک آ رکا۔ پھر انگلی سے اشارہ کیا۔

"اندر۔"

کسی معمول کی طرح زارا پلٹی۔ دروازہ کھولا۔ ایک ایک قدم بھاری ہو رہا تھا۔ وہ میز تک آئی۔ پھر ماہر کی طرف گھومی۔ وہ اپنے چہرے پر گیلا پن محسوس کر سکتی۔ نہ جانے پانی کہاں سے نکل رہا تھا؟ آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت میں؟ یا دل سے رستے خون کی طرح؟

"بیٹھو!" وہ سرخ چہرے کے ساتھ بہت ضبط سے بولا تھا۔

زارا دھیرے سے کرسی پر بیٹھی۔ یہ وہ کرسی تھی جس پر اس کے مہمان بیٹھتے تھے۔ وہ گھٹنے ملا کے کسی مجرم کی طرح اس کرسی پر بیٹھی۔ کپکپاتے ہاتھ گود میں رکھے۔ سر جھکا ہوا تھا۔

ماہر نہیں بیٹھا۔ وہ شیشے کی دیوار کے ساتھ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ زارا نے لرزتی ہوئی گیلی پلکیں اٹھائیں۔

"اس نے بتایا ہے نا؟ مالا نے؟" اس کی آواز زخمی شیرنی کے جیسی تھی۔

ماہر فرید کے دونوں ابرو بے یقینی سے اٹھے۔

"وہ بھی جانتی تھی؟ کمال ہے!" اس نے زور سے شیشے کی دیوار پر ہاتھ مارا۔

"میں ایکسپلین کر سکتی ہوں۔" اس کی آواز کپکپائی۔ بہت سے بہانے، بہت سی توجیہات ہونٹوں تک آئیں، لیکن ماہر کا چہرہ، اس کی سرخ رنگت، اس کی آنکھوں کا طیش، کچھ بھی اسے بولنے نہیں دے رہا تھا۔

"تم عالیان کی کلائنٹ تھیں؟" وہ غرایا تھا۔ غصے سے۔ بے یقینی سے۔

"عالیان نے مجھے ٹریپ کیا تھا۔ اس نے میرے ساتھ کچھ کیا جس کی وجہ سے..." وہ آنسوؤں کے درمیان بولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں ساری عمر ان جادوگروں کے خلاف لڑتا رہا اور تم... میری کزن... میری فیملی... تم بھی اس کی کلائنٹ نکلیں، زارا۔" وہ چاہنے کے باوجود اپنی آواز کو نیچے نہ رکھ سکا۔

"میں کیا کرتی؟" وہ بے اختیار رونے لگی تھی۔ "میں تھک گئی تھی تمہاری اٹینشن کے لیے... تمہارے پیچھے بھاگ بھاگ کے۔ مجھے صرف محبت چاہیے تھی۔ تمہاری محبت۔"

روتے روتے اس کی آواز اونچی ہونے لگی۔

"تم ہمیشہ سے جانتے تھے کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ میں اتنے برس انتظار کرتی رہی کہ تم میرے پاس آؤ گے۔ کیا تمہیں میرا انتظار دکھائی نہیں دیتا تھا؟ کیا تمہیں میری محبت کبھی دکھائی نہیں دی؟ تم ہمیشہ اس موضوع کو بدل دیتے تھے۔ تم ہمیشہ مجھے اوائیڈ کرتے تھے۔ میں نے تم سے کئی دفعہ اس بارے میں بات کرنے کی کوشش کی، لیکن تم نے مجھے جواب نہیں دیا۔"

"تو ریسپانس بھی ایک ریسپانس ہوتا ہے، زارا۔" وہ زور سے چلایا تھا۔ "میں نے تمہیں کئی دفعہ بتایا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ تم... تم..." ماہر نے بے یقینی سے ماتھے کو چھوا۔ "تم کیا جادوگر کے پاس چلی گئیں؟ میرے لیے؟"

"میں کیا کرتی؟ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسا کچھ ہوگا۔ اس نے مجھے امید دلائی تھی... کہ میں ایک.... ایک اچھا کام کر رہی ہوں۔ میں کسی کو ہرٹ نہیں کر رہی۔ مجھے... مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اپنے بابا کو ہرٹ کروں گی۔ مجھے لگا وہ کوئی وظیفہ کرے گا۔ کوئی... کوئی دعا وغیرہ۔ مجھے نہیں معلوم تھا میں جادو کر رہی ہوں۔ آئی ایم سوری۔ آئی ایم سوسوری!"

ماہر ایک ہاتھ بالوں میں پھنسائے نفی میں سر ہلاتا کمرے میں دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ چہرہ سرخ تھا اور پسینے سے اس کے بال بھیگ چکے تھے۔ "یعنی مالک کی بیماری بھی عالیان کے جادو کا نتیجہ تھی؟ اوہ خدایا!"

"آئی ایم سوسوری، ماہر۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ دوبارہ ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے اس غلطی کو فکس کرنا چاہا۔ میں نے تمہیں اسی لیے اس رشتے سے آزاد کر دیا۔"

وہ رکا۔ سرخ پڑتی آنکھوں اسے دیکھا۔

"تم نے یہ میرے لیے نہیں کیا۔ مالک کو معلوم ہو گیا تھا۔ یقیناً اسی نے تم پہ زور ڈالا ہوگا۔ ان بلیو ایبل زارا ان بلیو ایبل۔"

زارا نے بے اختیار کانوں پر ہاتھ رکھ لیے حالانکہ ماہر کی آواز اتنی اونچی نہ تھی۔

"آئی ایم سوسوری۔ آئی ایم سوسوری۔ میں ایسی نہیں ہوں۔ آئی ایم سوسوری۔" وہ بار بار ایک ہی چیز کسی منتر کی طرح بڑبڑا رہی تھی۔

وہ نفی میں سر ہلاتا دائیں بائیں چکر کاٹتا رہا۔ کسی پنڈولم کی طرح۔ اور وہ آئی ایم سوسوری بولتی گئی۔ شاید وہ مان جائے۔ شاید وہ اسے معاف کر دے۔ شاید وہ دوبارہ اس کی طرف ان نظروں سے نہ دیکھے۔ اس سے منگنی ٹوٹنے کا غم اتنا بڑا نہیں تھا جتنا اس کی زخمی آنکھوں میں دیکھنا تھا۔

"میں اتنے دن تمہاری ہر بات مانتا رہا کیونکہ میں گلٹی تھا۔ مجھے لگتا تھا میں نے تمہارا دل دکھایا ہے۔ مگر وہ سب کچھ ایک دھوکہ تھا۔ ایک الوژن۔ تم، زارا... تم میری فیملی تھیں۔ میں ساری عمر جن جادوگروں سے لڑتا رہا، تم بھی ان کی چوکھٹ پر جا بیٹھیں۔"

زارا نے گیلی آنکھیں اٹھائیں۔ پلکیں جھپکیں۔ دھندلا منظر واضح ہوا۔ ماہر فرید اسے زخمی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ یہ نگاہیں ساری عمر نہیں بھلا سکتی تھی۔

"آئی ایم سوری۔ میں کیا کروں کہ سب ٹھیک ہو جائے؟ تم مجھے بتاؤ۔ میں کروں گی۔ جو تم کہو گے۔ آئی ایم سوسوری۔ وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا ابھی بھی مگر میں اس کی بلیک میلنگ میں نہیں آئی۔"

ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔ زارا کی زبان کو بریک لگا۔ اب وہ گھوم کے میز کے پیچھے گیا۔ زارا کی خالی پاور سیٹ تک۔ وہاں رکھا ایک نوٹ پیڈ اٹھایا۔ زور سے قلم ہولڈر میں سے کھینچا اور میز کے سامنے آیا۔ قلم اور نوٹ پیڈ اس کی گود میں پٹخ کے

digest library.com

رلھا۔

"لکھو!"

زارا نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ پھر چہرہ نوٹ پیڈ پہ جھکایا۔ دو آنسو ٹپک کے کاغذ پر گرے اور گیلے داغ چھوڑ گئے۔

"کیا لکھوں؟"

"ہر اس جگہ کا نام جہاں تم اس سے ملی ہو۔ اس شہر میں۔ لکھو۔"

زارا قلم ہاتھ میں لیے چند لمحے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ آنسو ٹھوڑی سے ٹپک ٹپک کے کاغذ کو بھگو رہے تھے۔

"زارا، اگر تم چاہتی ہو کہ ہم ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے قابل رہ جائیں تو وہ لکھو جو میں کہہ رہا ہوں۔ ورنہ یہاں سے چلی جاؤ۔"

زارا نے چہرہ جھکایا۔ بائیں ہاتھ سے آنکھیں صاف کیں۔ بھیگا کاغذ پھاڑ کے پھینکا اور صاف کاغذ پر قلم کی نوک رکھی۔

اس نے فیصلہ کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں لیا تھا۔

وہ دائیں ہاتھ سے لکھتی گئی اور بائیں سے بار بار آئے آنسو صاف کرتی گئی۔ چند قطرے پھر بھی اس کاغذ پر جا گرے لیکن وہ اس کے لکھے الفاظ کو بھگو نہیں سکے۔ ایک فہرست سی بنتی گئی۔ آخر میں اس نے قلم اور نوٹ پیڈ ماہر کی طرف بڑھا دیا۔

"میں نے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ یہ وہ تمام جگہیں ہیں جہاں اس شہر میں، میں اس سے ملی ہوں۔"

ماہر نے کاغذ نوچ کے پھاڑا، اونچا کر کے دیکھا، ان تمام جگہوں پہ ایک نگاہ دوڑائی۔ پھر کاغذ نیچے کیا تو دیکھا، وہ امید اور خوف کے درمیان بھیگے چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم اسے نہیں بتاؤ گی کہ تم یہ سب مجھے بتا چکی ہو۔"

زارا کی آنکھوں میں زخمی پن ابھرا۔

"ماہر، میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ وہ خود فون کر کے مجھے بلیک میل..."

ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے بولنے سے روک دیا۔

"مجھے تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں ہے لیکن..." اس نے انگلی اٹھا کے تنبیہ کی۔ "اگر اس کشمالہ کے بارے میں تم نے اسے بتا دیا تو میں جان جاؤں گا۔ اور تم ساری عمر بیربل اور میری شکل نہیں دیکھو گی، نہ ہی فرید ہولڈنگ کی۔" کاغذ مٹھی میں دبائے وہ پلٹا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ فائر الارم ابھی تک زیر زور سے بج رہا تھا۔ زارینہ فرید اسی طرح نڈھال سی کرسی پر بیٹھی رہ گئی تھی۔ اس کا ذہن اس وقت سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ لیکن ایک خیال کسی سانپ کی طرح اندر پھنکار رہا تھا۔

کشمالہ... یہ سب کشمالہ مبین نے کیا تھا۔

اس کی زندگی کو آگ کشمالہ مبین نے لگائی تھی۔

☆☆☆

پولیس کمشنر چنگیز کے آفس کی کھڑکی آج بھی کھلی تھی لیکن اس کے باوجود فضا میں باسی سگریٹوں اور سستے کولون کی مہک کم نہ ہو سکی تھی۔ اس آفس میں اس وقت کوئی بھی کرسی پر نہیں بیٹھا تھا۔ ماہر دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ بار بار نفی میں سر ہلاتا، دانت سے نچلا لب کاٹتا۔ چنگیز دیوار کے ساتھ کھڑا بڑی اسکرین پر پنسل سے دائرے لگا رہا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی لسٹ سے رک رک کے پڑھتے ہوئے وہ ایک ایک دائرے کا اضافہ کرتا گیا۔

اسکرین پہ شہر کا نقشہ بنا تھا۔ اس کا ماتحت آفیسر دوسرے کونے میں مؤدب سا ٹیبلٹ پکڑے کھڑا تھا۔ آخری دائرہ لگا کے چنگیز نے دو انگلیوں سے دیوار گیر اسکرین کو زوم کیا۔ پھر پلٹ کے ماہر کو دیکھا جو اسی طرح دائیں بائیں بے چینی سے چل رہا تھا۔

"کیا گارنٹی ہے کہ ان جگہوں پہ عالیان کو دیکھا گیا ہے؟"

ماہر نے رک کے اسے دیکھا۔

"اپنے سورس کا نام نہیں بتا سکتا لیکن وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان جگہوں پہ وہ اپنے کلائنٹ سے ملتا رہا ہے۔"

چنگیز نے ماتحت کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ سر کو ادب سے خم دیے الٹے قدموں باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہوا اور فضا میں خاموشی اور سگریٹ کی مہک باقی رہ گئی تو چنگیز اس کے سامنے آیا۔ پینسل رکھ کے اب وہ جیب سے ایک تازہ پیکٹ نکال رہا تھا۔

"میں نے زیاد کے بارے میں بھی پتا کروایا تھا۔"

پنڈولم کی طرح چکر کاٹتے ماہر کے قدم رک گئے۔ تیزی سے مڑ کے اسے دیکھا۔

"پھر؟"

"انٹیلی جنس کمیونٹی میں کام کرنے والے ایک آفیسر نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ زیاد واقعی ان کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ وہ کانفیڈنشل انفارمنٹ ہے۔ کب، کہاں اور کس نوعیت کا کام، یہ وہ نہیں بتا سکتا۔ لیکن اس سے زیاد کی کہانی کی تصدیق ہوتی ہے۔ شاید وہ واقعی بدل گیا ہو اور اب اپنی زندگی کو درست راستے پر لانے کی کوشش کر رہا ہو۔"

ماہر فرید کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

"وہ نہیں بدل سکتا۔ مگر خیر.... کون سا آفیسر ہے یہ؟"

"ہے ایک آفت نما آفیسر۔" چنگیز بات گول کرنے کے انداز میں پلٹ گیا۔

"آفت علاؤالدین؟ ہے نا؟ میں اسے جانتا ہوں۔ اس کا بیٹا میرے جم میں جاتا ہے۔" وہ سمجھ کے سر جھٹکتا اسکرین کی طرف چلتا آیا۔ قریب آنے پہ اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے اور شرٹ پہ پڑنے لگی۔

"تمہیں واقعی یقین ہے کہ عالیان ان جگہوں پہ تمہارے سورس سے ملتا رہا ہے؟"

چنگیز اس کے کندھے کے ساتھ کھڑا اسکرین سلگا رہا تھا۔ نیلی روشنی ماہر کی سفید شرٹ کو نیلا اور چنگیز کی سیاہ ویسٹ کو ہیر مئی دکھا رہی تھی۔

"اگر وہ واقعی ہی ان جگہوں پر اپنے کلائنٹ سے ملتا ہے تو نوٹ کرو..." چنگیز نے بازو لمبا کر کے اسکرین پہ نادیدہ دائرہ کھینچا۔ "یہ تمام جگہیں پانچ کلومیٹر کے radius میں آتی ہیں۔ ایک دائرے کی صورت میں۔"

"میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔ وہ اپنے کلائنٹ سے صرف اسی علاقے میں ملتا ہے۔ مگر کیوں؟"

"کیا وہ کلائنٹ اسی علاقے میں رہتا ہے؟ شاید عالیان اس کی آسانی چاہتا ہو۔"

"نہیں، میرا سورس یہاں سے بہت دور رہتی ہے... رہتا ہے۔"

"ہوں، انٹرسٹنگ۔ یعنی ہمارا جادوگر اپنی آسانی کے لیے اس علاقے کا انتخاب کرتا ہے۔ شاید وہ یہیں رہتا ہے۔"

"اور اس کے پاس کار نہیں ہے۔" ماہر اسکرین کو دیکھ کے بڑبڑایا۔ "یہ تمام جگہیں ایک دوسرے سے پانچ سے دس منٹ کی ڈرائیو پہ ہیں اور وہ پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتا ہے۔ ایک بس میں بیٹھتا ہے اور اگلی سے اتر جاتا ہے۔"

"پبلک ٹرانسپورٹ سے وہ شہر کے دوسرے کنارے پر بھی جا سکتا ہے، ماہر۔ اسے اپنے رہائشی علاقے میں ہی کلائنٹ کو بلانے کی کیا ضرورت ہے؟"

اور یہیں آ کے اس کا ذہن پھنس گیا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتی نظروں سے اسکرین کو دیکھے گیا۔

"کیونکہ اسے واپس پہنچنے کی جلدی ہوتی ہے۔" پھر وہ چونکا۔ "یعنی وہ اس علاقے میں رہتا نہیں ہے۔ وہ یہاں...."

"وہ یہاں کام کرتا ہے۔" چنگیز جوش سے بولا۔ ماہر کے چہرے پہ پہلے دفعہ مسکراہٹ ابھری۔

"اس کی کوئی ڈے جاب ہے۔ اپنا کور قائم

رکھنے کے لیے۔"

"اتنے بڑے جادوگر کو جاب کی کیا ضرورت ہے؟"

"آج کل ایسے جادوگر عموماً" پیلس سائٹ — میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے کہ کوئی ان پہ شک نہ کر سکے۔ وہ یقیناً کہیں جاب کرتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کہاں؟"

چنگیز نے اسکرین کو انگلیوں کی چٹکی سے زوم کیا۔ اس دائرے کے وسط میں ایک عمارت کا نام واضح دکھائی دے رہا تھا۔

"یہ ایک کوورکنگ اسپیس جو اس علاقے کے بالکل وسط میں ہے۔ اور یہ تمام جگہیں جہاں وہ کلائنٹ سے ملتا رہا ہے، اس کوورکنگ اسپیس سے دس منٹ کی واک پہ ہیں۔ وہ یقیناً یہاں کام کرتا ہے۔ اس کوورکنگ اسپیس میں۔"

"کوورکنگ اسپیسز میں عموماً فری لانسرز کام کرتے ہیں، چنگیز۔ اپنا اسٹارٹ اپ رن کرنے والے۔"

"یعنی؟"

"اگر وہ اپنے لیے کام کرتا ہے تو اسے واپس پہنچنے کی جلدی کیوں ہوتی ہے؟" ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ کسی اور کے لیے جاب کرتا ہے۔ اگر میں ایسا جادوگر ہوتا تو ایسی جگہ کا انتخاب کرتا جو خاموش ہو۔ پرسکون ہو۔ جہاں روشنیوں سے زیادہ اندھیرے ہوں۔ جہاں میں یکسوئی سے نادیدہ کام کر سکوں۔ جیسے کہ..." اس نے انگلی نقشے کے وسط میں رکھی۔

چنگیز نے اس کی انگلی کے تعاقب میں دیکھا۔

"لائبریری۔"

"لائبریری۔" چنگیز کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے ماتحت کو اونچی آواز سے پکار رہا تھا۔

"مجھے اس لائبریری میں کام کرنے والے تمام ایمپلائز کی فہرست چاہیے۔ ساتھ ہی میں بیک اپ کے ساتھ اس لائبریری کی طرف جا رہا ہوں۔ اگر وہ واقعی یہاں کام کرتا ہے تو اسے بھاگنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔"

ماہر ابھی تک اسکرین پہ بنے نقشے میں لائبریری کے آئی کون کو دیکھ رہا تھا۔

یہ وہی لائبریری تھی جہاں اکثر ہلال جایا کرتی تھی۔

اس کے اندر کچھ مضطرب سا کروٹیں بدلنے لگا۔

☆☆☆

لائبریری کا وہ کونا ہمیشہ کی طرح نیم تاریک اور پرسکون تھا۔ میز پر لیپ ٹاپ رکھے، کانوں میں ہیڈ فونز لگائے بیٹھا عالیان لیپ ٹاپ کی کیز دبا رہا تھا جب کسی احساس کے تحت اس نے چہرہ اٹھایا۔

سامنے سے چند باوردی پولیس اہلکار چلتے آ رہے تھے۔ زرد رنگت اور بھورے بالوں والی لائبریرین ان کے ساتھ تھی۔ عالیان کی سمت میں بازو لمبا کر کے اس نے اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اس کی جانب لپکے۔ سب سے آگے سادہ لباس والا پولیس کمشنر چنگیز تھا۔

عالیان سادان نے پہلے دائیں کان سے ایئر پوڈ نکالا۔ پھر بائیں کان سے۔ پھر انہیں ان کی ڈبی میں ڈالا۔ لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کی اور ٹیک لگا کے تسلی سے انہیں آتے دیکھتا رہا۔

وہ اس کے قریب آئے۔ دو اہلکاروں نے اپنے اسلحے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا جیسے الرٹ ہوں۔ اور سیاہ ویسٹ والا پولیس کمشنر اسے گھورتا ہوا عین اس کے سر پہ پہنچا اور اپنا چمکتا ہوا بیج لہرایا۔

"عالیان سادان یا پھر..." چنگیز نے اس کی گردن میں جھولتے لائبریری کے کارڈ کو دیکھا جس پر اس کا نام عالیان خان درج تھا۔ "آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا۔"

"کس سلسلے میں؟" کرسی پر بیٹھے نوجوان نے اطمینان سے پوچھا۔

"یہ بات ہم پولیس اسٹیشن چل کے کریں

ے۔"

"تو آپ مجھے کال کر دیتے، پولیس کمشنر صاحب۔" عالیان کی آنکھیں اس کے بیج پہ دوڑیں۔ پھر واپس اس کی آنکھوں تک آئیں۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"میں خود آجاتا۔ اتنی بھاری نفری لے کر یہاں آنے میں ٹیکس پیئرز کا کتنا پیسہ خرچ ہوا ہوگا۔ اور پولیس کارز سے پھیلتی آلودگی۔ چچ چچ۔" وہ افسوس سے سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر لیپ ٹاپ اور ایئر پوڈز کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا انہیں بھی آپ ساتھ لے کر جائیں گے، یا یہ میں لائبریری میں رکھ سکتا ہوں؟"

چنگیز نے اسے گھورتے ہوئے ابرو سے اپنے ماتحت کو اشارہ کیا۔ اس نے تمام چیزیں اپنے قبضے میں لے لیں۔ عالیان نے کندھے اچکائے اور سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

"آفٹر یو"

اور میز کے پیچھے سے نکل کے ان کے ساتھ چلنے لگا۔ اس کی گردن اٹھی ہوئی اور کندھے بالکل سیدھے تھے۔

چنگیز جس جوش کے ساتھ لائبریری میں داخل ہوا تھا اور اپنے مطلوبہ شخص کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پہ جو فاتحانہ چمک آئی تھی، اب وہ مدھم ہو چکی تھی۔

کچھ تھا اس نوجوان میں جو اسے بے بس محسوس کروا رہا تھا۔

☆☆☆

"پولیس نے عالیان کو گرفتار کر لیا ہے۔ وہ لاک اپ میں ہے۔ میں پولیس اسٹیشن میں ہوں۔ اردل تمہیں یہاں لے آئے گا۔"

وہ کچن میں کھڑی سنک صاف کر رہی تھی جب اسے ماہر کا آڈیو پیغام ملا۔ ڈٹرجنٹ کی بوتل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اسپنج گر گیا۔ دستانے کہاں پھینکے، اسے یاد نہیں۔ بدقت اس نے جوتے پہنے، کوٹ اٹھایا، پرس کندھے پر اڑسا اور باہر کو بھاگی۔ ماہر کا ڈرائیور نیچے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

چنگیز نے اسے شیشے کی یک رویہ اسکرین کے پیچھے سے عالیان کو دیکھنے کا موقع دیا تھا۔

وہ ایک نیم تاریک کمرے میں کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ پاؤں لمبے کر کے میز کے نیچے سے دوسری کرسی پر جما رکھے تھے اور دائیں بائیں گردن گھماتا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ آئینہ یک رخ تھا۔ عالیان انہیں نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ اس کو ٹھیک ٹھیک دیکھ سکتے تھے۔

"یہی ہے۔" مالا نے دیکھتے ہی اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ایسے کہ ابھی سینہ توڑ کے باہر آجائے گا۔

"یہ وہی نوجوان ہے جو مجھ سے ملا تھا۔ اسی کے پاس میرا بیٹا ہے۔" اس نے بے چینی سے چنگیز کی طرف چہرہ موڑا۔

"اب کیا ہوگا؟"

"ہمارے پاس کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے اس نوجوان کو گرفتار رکھنے کی۔" چنگیز مالا کی طرح پرجوش نہیں تھا۔ اس کا انداز قدرے دھیما تھا۔

"میں زیادہ سے زیادہ اس کو چوبیس گھنٹے کے لیے لاک اپ میں رکھ سکتا ہوں۔ اس کے بعد مجھے اس کو چارج کرنا پڑے گا یا چھوڑ دینا ہوگا۔"

"وجہ کیسے نہیں ہے؟ اس نے میرے سامنے اعتراف کیا تھا کہ..."

"اس اعتراف کا کوئی ثبوت نہیں ہے، کشمالہ خانم۔ میوزیم کے سی سی ٹی وی فوٹیج میں عالیان کا چہرہ ٹھیک سے دکھائی بھی نہیں دے رہا۔ اور اس کا وہاں آپ سے ملنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ اس نے واقعی آپ کو وہی باتیں کہی تھیں جن کا آپ دعویٰ کر رہی ہیں۔"

مالا نے سینے پر بازو لپیٹ لیے اور ناگواری سے لب بھینچے چنگیز کو دیکھے گئی۔

"ہم نے اس لڑکے کے تمام ڈاکومنٹس چیک کیے ہیں۔ اس کا نام عالیان خان ہے۔ اس کے تمام

کاغذات پورے ہیں۔ یہ ایک لائبریری میں کام کرتا ہے۔ آن لائن کلاسز لے رہا ہے۔ اس کے لیپ ٹاپ اور موبائل سے بھی کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی جو اس کا اس کیس سے تعلق ظاہر کرے۔ سوائے..." وہ ٹھہرا۔

مالا کا سانس رکا۔

"سوائے اس کے کہ اس نے اپنے انسٹاگرام سے بیربل فرید کو کئی دفعہ اسٹاک کیا ہے۔"

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر واپس چہرہ موڑ کے شیشے کی دیوار کے پار نظر آتے عالیان کو دیکھے گیا۔

"لیکن وہ پورٹل ....وہ ڈارک ویب ....وہ طریقے جن سے وہ مجھے کال کرتا ہے ....وہ نمبرز ....؟"

"اس کے پاس سے جو فون اور لیپ ٹاپ برآمد ہوا ہے وہ کلین ہے۔ یا تو اسے پہلے سے معلوم تھا کہ ہم اس کی تلاش میں آرہے ہیں، اور اس نے ہمارے آنے سے پہلے ہی اپنا اصل لیپ ٹاپ اور فون کہیں چھپا دیا تھا۔"

مالا نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

ماہر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا خاموشی سے ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھے گیا۔ اس نے ابھی تک کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ اس نے ایک خاکی رنگ کا گرم کوٹ پہن رکھا تھا جو اس نے اردل سے کہہ کے گھر سے منگوایا تھا۔

"ہم نے اس کے بتائے گئے ایڈریس پہ موجود اس کے گھر کا بھی جائزہ لیا ہے۔ وہ ایک کمرے کے فلیٹ میں بہت کسمپرسی کی حالت میں رہتا ہے۔ اس کے فلیٹ سے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اس کے اور بدر کے درمیان تعلق ظاہر کرے۔ یا اس کے جادوگر ہونے کو ثابت کرے۔"

"لیکن اس نے میری آنکھوں میں دیکھ کے کہا تھا کہ میرا بیٹا اس کے پاس ہے۔"

"اور یہ ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس صرف چوبیس گھنٹے ہیں جن میں سے پانچ گھنٹے گزر چکے ہیں۔" چنگیز نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور چہرہ اٹھایا تو اس پہ قدرے مایوسی تھی۔ "میرے آفیسرز کافی دیر اس کے ساتھ مغزماری کر چکے ہیں۔ لیکن یہ لڑکا بہت ڈھیٹ ہے۔ ہر چیز سے انکاری ہے۔ اور ہم کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ اس کے پاس سے یہ چیزیں ملی ہیں۔ ائیر پوڈز۔ والٹ۔ بینک کارڈ۔ گرسی۔ اور..." چنگیز ٹھہرا۔ ایک پلاسٹک کا پیکٹ اٹھا کے ان کے سامنے رکھا۔ ماہر دیوار چھوڑ کے ان کے قریب آیا۔

"اور یہ شیشے کی نلی۔" چنگیز نے قدرے تعجب سے پیکٹ میں موجود نلی نکالی۔ مالا کی آنکھوں میں الجھنا ابھرا۔

"کیا یہ چیز جادو وغیرہ میں استعمال ہوتی ہے؟"

"یہ گلاس اسٹرا ہے، کومسار ہے۔" ماہر کے ہونٹوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ چنگیز نے تعجب سے اسے دیکھا پھر نلی کو۔

"کوئی نارمل انسان جیب میں گلاس اسٹرا لے کر کیوں گھومے گا؟"

ماہر نے جواب دینے کے بجائے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس سے ملتی جلتی ایک شیشے کی نلی نکال کے چنگیز کے سامنے کی۔

چنگیز کے چہرے پہ بدمزگی پھیلی۔

"ایک پلاسٹک اسٹرا سے ماحول کو کتنا ہی نقصان پہنچ سکتا ہے؟ ہونہہ۔" اس نے نلی واپس پیکٹ میں ڈال دی۔ "ایک تو یہ انوائرمینٹلسٹ ——— اس کی سمجھ سے باہر تھے۔ گلاس اسٹرا لے کر گھر سے نکلتے۔ پلاسٹک کے کپ میں کولڈ کافی یا ڈرنک لیتے مگر پلاسٹک کا اسٹرا استعمال کرنے سے انکار کر دیتے۔ ہونہہ۔ بھرے پیٹ کے مسئلے۔"

"کیا میں اس سے بات کر سکتی ہوں؟" وہ بے

دنیا سے پوچھ رہی تھی۔

"بی مائی گیسٹ" چنگیز نے شانے اچکا دیے۔ اب جیسے اکتانے لگا تھا۔ جب سے یہ نوجوان بنگلے میں آیا تھا سارے ماحول کی فضا عجیب سی ہو گئی تھی۔

چنگیز کے جانے کے بعد وہ ماہر کی طرف مڑی۔

"پولیس کو کیسے معلوم ہوا کہ عالیان کہاں ہے؟" اس کی بات ابھی درمیان میں تھی کہ ماہر پورا اس کی طرف گھویا۔

"تم جانتی تھیں زارا کے بارے میں؟ اور تم نے مجھے نہیں بتایا؟"

مالا چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔

"زارا نے اس کی لوکیشن بتائی ہے؟" اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"میں کچھ اور پوچھ رہا ہوں، مالا۔" اس کے چہرے پہ زخمی پن تھا۔

"یہ میرا راز نہیں تھا۔"

"لیکن اگر تم اس راز کو پہلے کھول دیتیں تو ہم اس کے پاس پہلے پہنچ جاتے۔ اب تک شاید وہ تمام ثبوت مٹا چکا ہو۔" ماہر نے خفگی سے چہرہ موڑ لیا۔

"تم مجھے زارا والے معاملے کے لیے موردالزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ میرے حق میں اس کا راز کھول دینا بہتر تھا۔ لیکن اگر میں نے اپنی بہتری نہیں چنی تو تمہیں سمجھ جانا چاہیے کہ میں ایسا کیوں کر رہی تھی۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ کم از کم آج کے دن وہ ماہر فرید سے کسی قسم کی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس وقت اس کا سب سے بڑا مسئلہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

☆☆☆

نیم روشن کمرے کی چھت سے ایک بلب جھول رہا تھا۔ میز کے گرد تین کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک طرف عالیان بیٹھا تھا، ٹیک لگائے چمکتی آنکھوں سے مسکراتا ہوا۔ دوسری جانب وہ دونوں تھے۔ ماہر ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ بالکل خاموش۔ اس کی نگاہ ایک لمحے کے لیے بھی عالیان سے نہیں ہٹی تھی۔ اور مالا کہنیاں میز پہ جمائے آگے کو ہوئی بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کھیل ختم ہو چکا ہے، عالیان۔ تم پولیس کی کسٹڈی میں ہو۔ کیا تم اب بھی نہیں بتاؤ گے کہ میرا بیٹا کہاں ہے؟"

"اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں ضرور بتاتا۔ کیا ہوا تمہارے بیٹے کو؟" وہ قدرے حیرانی اور ہمدردی سے پوچھنے لگا۔ ایک گال تلے تین انگلیاں رکھے وہ بالکل پرسکون بیٹھا تھا۔

"تم صرف ایک راز کھولنے کے بدلے بدر کو میرے حوالے کرنے پہ راضی تھے۔ تمہیں بدر سے کچھ بھی نہیں چاہیے سوائے ایک شرارت اور بوس برپا کرنے کے۔ پھر کیوں نہیں بتا دیتے ہو کہ وہ کہاں ہے؟ میری تکلیف کیوں نہیں ختم کر سکتے تم؟" اس کی آواز اونچی ہونے لگی۔

"میں کر دیتا، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کہاں ہے۔ میں نہ کبھی تمہارے بیٹے سے ملا ہوں نہ تم سے۔"

"ہمارے پاس سی سی ٹی وی فوٹیج ہے۔ میوزیم میں جب تم مجھ سے ملے تھے۔"

"ایسے تو دن میں میں بہت سے لوگوں سے ٹکراتا ہوں۔ شاید ایک خوبصورت لڑکی دیکھ کے میں نے رک کے بات کر لی ہو۔ لیکن اتنی سی ملاقات میں کہاں کسی کا چہرہ یاد رہتا ہے۔" وہ اسی ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔

مالا نے مٹھیاں ضبط سے بھینچ لیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس نوجوان کی گردن دبوچ لے۔

"تمہیں کیا چاہیے؟ میں کیا کروں کہ تم مجھے میرے بیٹے کا پتہ بتا دو گے؟"

عالیان نے جواب نہیں دیا۔ اسی طرح مسکراتے ہوئے اسے دیکھے گیا۔

"میں پولیس میں کوئی شکایت نہیں کروں گی۔ کسی قسم کا کیس نہیں کروں گی۔ اپنے بیٹے کو لے کے میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ مجھے کسی قانونی معاملے کا حصہ نہیں بننا۔ تمہارا کیا جاتا ہے؟ مجھے میرا بیٹا دو اور اپنی زندگی گزارو۔" اس کے لہجے میں منت در آئی اور آنکھوں میں آنسو۔

"مجھے تمہاری حالت دیکھ کے بہت دکھ ہو رہا ہے، کشمالہ۔ لیکن میں کیا کروں؟ میں تمہارے بیٹے کو نہیں جانتا۔"

مالا بے بسی سے پیچھے ہوئی۔ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر گردن موڑ کے شکایتی نظروں سے ماہر کو دیکھا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ (تم بھی اس تفتیش میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہو۔) وہ تادیبی نظروں سے اسے کہہ رہی تھی۔

ماہر نے واپس اس نوجوان جادوگر کو دیکھا۔

"تم بیرل کو کیوں اسٹاک کر رہے تھے؟" کھنکھار کے بولا۔

عالیان ہلکا سا ہنسا اور شانے اچکا دیے۔ "وہ مشہور ہے۔ دلچسپ ریلیز بناتا ہے۔ میں اسے فالو کرتا ہوں۔ اس کے کپڑے پہننے کا اسٹائل مجھے پسند ہے۔" وہ رکا۔ پھر جیسے یاد کر کے بتایا۔ "اس کے انسٹاگرام پر میں نے آپ کو بھی دیکھا تھا، ماہر بے۔ ایک دفعہ اس نے ایک ریل شیئر کی تھی۔ اپنے اپارٹمنٹ کے کچن میں کھڑا وہ آپ کے لیے سمودی بنا رہا تھا۔ میں نے اس کی ریسپی سے وہی سمودی بنانے کی کوشش کی لیکن ..." عالیان کے چہرے پہ مایوسی پھیلی۔ "اس کا ذائقہ اتنا اچھا نہیں تھا جتنا بیرل فرید نے بڑھا چڑھا کے بیان کیا تھا۔ کسی کو انسٹاگرام پہ اسٹاک کرنا جرم ہے کیا؟"

مالا بے چینی سے مزید آگے ہوئی۔

"تمہیں کیا چاہیے میرے بیٹے کے بدلے میں؟ بتاؤ... نام لو کسی بھی چیز کا اور میں وہ کروں گی۔"

"کیا تم مجھے یونیورسٹی میں اچھے گریڈز دلوا سکتی ہو؟" عالیان نے ابرو اٹھایا۔ چمکتی آنکھوں میں چیلنج تھا۔

مالا کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ پیچھے ہوئی۔ وہ ذہنی طور پہ تھک چکی تھی اور وہ شخص ٹس سے مس ہی نہیں ہو رہا تھا۔

کمرے سے باہر آتے ہوئے ماہر اسی طرح خاموش تھا۔ دروازہ بند ہوا اور وہ دونوں راہداری میں تنہا رہ گئے تو وہ اس کی طرف گھومی۔

"تم نے اس سے کیوں کچھ نہیں پوچھا؟ کیا معلوم وہ تمہیں کچھ بتا دیتا۔" اسے اس وقت ماہر پہ غصہ آ رہا تھا۔

"وہ کچھ نہیں بتائے گا۔ وہ بہت ڈھیٹ ہے۔" ماہر فرید نے کندھے اچکائے۔

مالا نے کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور اس پر بٹن دبانے لگی۔

"ہمیں نہیں بتائے گا لیکن کوئی ہے جس کے سامنے شاید وہ اتنی ڈھٹائی نہ دکھا سکے۔"

☆☆☆

ہوٹل کی لابی سے اسٹیشن تک کا سفر..... پھر اسٹیشن کے داخلی دروازے سے اس نیم روشن تفتیشی کمرے تک کا سفر..... اس سارے سفر میں کبیرہ ساون سے پیر نہیں اٹھائے جا رہے تھے۔

برسوں سے عالیان کے نام کے ساتھ وہ ایک ہی بات سنتی آ رہی تھیں۔

"وہ مر چکا ہوگا۔"

"کھوئے ہوئے بچے کہیں نہیں ملتے۔"

"اس کی لاش مل چکی ہے۔ تم اس کو کیوں تلاش کر رہی ہو؟"

"کبیرہ کو اس کی اکڑ اور غرور کی سزا ملی ہے۔ ایک ہی بیٹا تھا۔ وہ بھی مر گیا۔"

کئی برس تک وہ اس فون کال کا انتظار کرتی رہی تھیں جو ان کو موصول ہوگی اور کوئی شخص بھاری آواز میں کہے گا کہ تمہارا بچہ ہمارے پاس ہے، ہمیں اتنے کروڑ تاوان کے طور پہ ادا کرو اور اپنے بچے کو لے جاؤ۔ اور پھر وہ اپنی ساری جمع پونجی بیچ کے اس تاوان

کی رقم کو ادا کر دیں گی اور اپنے چھوٹے سے بیٹے کو گھر لے آئیں گی۔

آج برسوں بعد انہیں وہ کال موصول ہوئی تھی اور اس لڑکی کی طرف سے جو ان کی دشمن کی بیٹی تھی۔ دشمنی یک طرفہ تھی اور کئی برس سے کبیرہ بیگم نے اسے تنہا ہی نبھایا تھا۔

وہ جانتی تھیں کہ اس فون کال کے بعد بھی یہ دشمنی ختم نہیں ہو جائے گی۔ کشمالہ حور جہاں کی بیٹی ہی رہے گی جس کو وہ سخت ناپسند کرتی تھیں۔ اور ماہ بینہ اس کی بہن ہی رہے گی جس کی ہر نعمت سے ان کو حسد محسوس ہوتا تھا۔ جس کی ہنستی بستی زندگی دیکھ کے انہیں اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا تھا۔

آج کا دن گزر جانے کے بعد بھی وہ دشمنی، حسد اور ناپسندیدگی اسی طرح برقرار رہنی تھی جیسی آج سے پہلے تھی۔

لیکن آج کے دن کسی شے سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

بس آج کے دن کے لیے کبیرہ بیگم نے اپنے عناد پہ پوز کا بٹن دبا دیا تھا۔

آج ساری کائنات رک گئی تھی کیونکہ آج انہوں نے ٹھنڈا ڈور ناب گھمایا اور دروازہ دھکیلا...

آج ان کی تلاش ختم ہوئی تھی۔

دروازے سے کرسی تک کا سفر صدیوں کا تھا۔

ان کے قدم بھاری تھے اور ان کی بصارت بار بار دھندلا رہی تھیں۔

میز کے پار بیٹھا نوجوان وہ چھوٹا سا بچہ نہیں تھا جس کے بال انہوں نے آخری دفعہ برش کیے تھے۔ اس کی شرٹ کا کالر بند کیا تھا۔ اس کے چہرے پر رگڑ کے لوشن لگایا تھا جس سے وہ ہمیشہ چڑتا تھا اور منہ پیچھے کر لیتا تھا۔

وہ بچہ کہیں نہیں تھا۔

اس کی جگہ ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ سنہرے الجھے بالوں والا۔ کہنیاں میز پہ جمائے، سر ان پہ گرائے۔

آہٹ پہ اس نے چہرہ اٹھایا۔ اس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہ ابھرا۔

سیاہ پینٹس اور ہم رنگ کوٹ میں ملبوس کبیرہ سادان اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

عالیان پیچھے ہوا، ٹیک لگائی، ٹانگ پر ٹانگ جمائی، اور فرصت سے ان کا جائزہ لیا۔

سیاہ بوائے کٹ بالوں والی خوبصورت خاتون جو مختلف طریقوں سے اپنی بڑھتی عمر کو روکنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کانوں میں دمکتے نگینے، انگلیوں میں چمکتے ہیرے، کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی۔ عالیان کی نگاہیں واپس ان کے چہرے تک اٹھیں۔

ان کی آنکھیں ضبط سے گلابی پڑ رہی تھیں۔ وہ اسی طرح انہیں دیکھے گیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔ وہ ایک پل کے لیے بھی اس پر سے نگاہ نہیں ہٹا رہی تھیں۔ وہ بس اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

اس نوجوان کو پہچاننا ان کے لیے مشکل نہ تھا۔ وہ ایک لمحے میں پہچان سکتی تھیں کہ یہ وہی بچہ تھا جو انہوں نے کھویا تھا۔ بھلے اس کا قد چھ فٹ سے اونچا ہو گیا ہو، بھلے اس کے بالوں کا رنگ ڈائی ہو کے بدل گیا ہو، بھلے اس کے چہرے پہ ان کے لیے کوئی شناسائی یا اپنائیت نہ ہو، لیکن وہ اس کو پہچانتی تھیں۔ وہ بھرے مجمع میں بھی اس کو پہچان سکتی تھیں۔

وہ سادان اور ان کی صورت کا مکسچر تھا۔ وہ انہی کا بیٹا تھا۔

انہیں کسی ڈی این اے، کسی بلڈ ٹیسٹ کی ضرورت نہ تھی۔

"کیسے ہو؟" ان کے ہونٹ کپکپائے۔ آنکھیں بدستور اس پہ جمی تھیں۔

نوجوان نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"چند گھنٹے گزر چکے ہیں، چند گھنٹے رہ گئے ہیں۔ یہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ مجھے حراست میں نہیں رکھ سکتے۔" اس کی آواز میں کوئی تاثر نہ تھا۔ آنکھوں میں البتہ بے زاری تھی۔

"کیا تم نے مجھے پہچانا؟"

"اوہ پلیز... کیا ہم یہ فارمیلیٹیز ختم کر سکتے ہیں؟ میں جانتا ہوں کہ آپ کبیرہ سادان ہیں۔ ایک عرصہ میں نگینہ خاتون کے ساتھ رہا ہوں اور انہوں نے مجھے آپ کے بارے میں سب بتا دیا تھا۔ لیکن..."

عالیان نے چہرہ شیشے کی دیوار کی طرف اٹھایا جس کے پار پولیس افسران کھڑے تھے اور آواز بلند کی۔

"لیکن کسی اور ملک میں اغوا ہو کے رہنا اور کسی جادوگر کی پرورش میں بڑے ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔ اس لیے تم لوگ مجھے اس کے اوپر حراست میں نہیں رکھ سکتے۔"

پھر چہرہ واپس کبیرہ بیگن کی طرف موڑا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں جانتا ہوں آپ میری بائیولوجیکل مدر ہیں اور میں آپ کے چہرے سے واقف ہوں۔ لیکن مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔ میں محنت کر کے اپنا گزر خود بھی سکتا ہوں۔"

وہ جیسے اس کو سن نہیں رہی تھیں۔ بس اسے دیکھ رہی تھیں۔ آنکھوں سے اس کا ایک ایک نقش اپنے اندر جذب کر رہی تھیں۔

"کیسے ہو؟" انہوں نے دوبارہ پوچھا۔ عالیان ایک لمحے کے لیے ٹھہرا۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

"میں پولیس کی اس کارروائی کی وجہ نہیں جانتا۔ سنا ہے آپ کی کسی رشتہ دار نے مجھے اپنے بچے کے اغوا کے جرم میں پھنسانے کی کوشش کی ہے۔ شاید اسی لیے آپ کو بھی یہاں بلایا ہے تاکہ آپ میرے اوپر کچھ پریشر ڈال سکیں۔ حالانکہ..."

"کیسے ہو، عالیان؟"

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ آنکھیں کبیرہ بیگم پہ جمی تھیں۔ آواز مدھم ہوئی۔

"ٹھیک ہوں۔"

شیشے کی دیوار کے پار کھڑے چنگیز نے بے اختیار ساتھ موجود مالا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی عالیان کے چہرے کے بدلتے تاثرات پہ چونکی تھی۔ پھر اس کے چہرے پہ امید ابھر آئی۔ خوف سے لپٹی امید۔

"کیا اس کے بعد تم کبھی مجھ سے ملنا چاہو گے؟" آنسو ان کی پلکوں پہ ٹھہرے تھے اور عالیان بس انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میرے اور آپ کے درمیان کوئی اٹیچمنٹ نہیں ہے۔ میری یہاں ایک زندگی ہے، پڑھائی ہے، جاب ہے۔ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔"

"لیکن مجھے تمہاری موجودگی چاہیے اپنی زندگی میں۔ کیا تم میرے لیے وقت نکال سکو گے؟" آنسو ان کے چہرے پہ پھسل رہے تھے۔ میک اپ کی تہیں ہلکی ہلکی پگھلنے لگیں۔

وہ بس انہیں دیکھتا رہا۔ وہ اس کے چہرے کو نہیں پڑھ پا رہی تھیں۔

"تمہیں یہاں سے (آنکھوں سے اطراف میں دیکھا۔ پھر واپس عالیان کو) میں نکلوا لوں گی۔ میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوگا، عالیان؟ کیا تم میری زندگی کا حصہ بننا چاہو گے؟ وہ آگے کو ہوئیں، بہت امید سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ چپ رہا۔ البتہ ان کی آنکھوں سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

"میں تم سے زیادہ کچھ نہیں مانگوں گی۔ جانتی ہوں تمہاری ایک زندگی ہے۔ جیسے عنایہ کی ایک زندگی ہے۔ جیسے ہر شخص اپنی زندگی میں مصروف ہے۔ لیکن کیا مہینے میں ایک دفعہ، [illegible] ہفتے کے ایک اچھا سا ڈنر کر سکیں گے؟ کیا کبھی میں تمہارا ہاتھ پکڑ سکوں گی؟ کبھی میرا دل گھبرائے تو میں تمہیں کال کر سکوں گی؟"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

digest library.com

صائمہ علی



"ماما آج بریانی نہیں بنائی۔"

رمشا نے گھر میں گھستے ہی جب یہ سوال کیا تو میرا دل چاہا اپنا سر پیٹ لوں ہفتے کے چار دن چکن کھا کر بھی جمعہ کے دن بریانی کا ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔ جیسے جمعہ کا کوئی مخصوص وظیفہ بریانی کے چاولوں پر ہی پڑھنا ہوتا ہے۔

"نہیں بیٹے! آج کڑھی بنائی ہے۔ میں نے انتہائی پیار سے جواب دیا۔

"مگر ماما میں تو آج آپ کی طرف اسی لیے آئی تھی کہ میرا آپ کے ہاتھ کی بریانی کھانے کا دل چاہ رہا تھا۔"

ہماری بیٹی رمشا کی ابھی چھ ماہ پہلے ہی شادی ہوئی تھی۔ ایک نجی دفتر میں اچھے عہدے پر کام کرتی تھی۔ مگر ذاتی زندگی میں ذرا جو بڑی ہو جائے۔

"اب تو کھانا بن گیا ہے۔ آپ اتوار کو حسن کے ساتھ آنا میں بریانی بنالوں گی۔" میں نے بظاہر مسکرا کے جواب دیا۔

"ماما! میرے جانے کے بعد اب آپ لوگ جمعہ کو بریانی نہیں بناتے؟ میں اتنے شوق سے آئی تھی۔" پھر گلہ کیا گیا۔

"اچھا چلو میں کچے گوشت کی بریانی بنالیتی ہوں۔ رات تک تیار ہو جائے گی۔" آخر میں نے ہامی بھر لی۔ ایک تو یہ اولاد کی محبت بھی چین نہیں لینے دیتی۔

بازار سے تازہ چکن اور دہی منگوایا۔ چکن کو بریانی مسالے اور دہی کے ساتھ میرینیٹ کیا اور میں کمر سیدھی کرنے کو رمشا کے پاس سی لیٹ گئی۔

اب ہم ماں بیٹی کا باتوں کا ٹائم تھا۔ اس کے پاس اپنے آفس کی اتنی باتیں ہوتی ہیں کہ دو گھنٹے گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔

ایک ایک کر کے یونیورسٹی والے بچے بھی واپس آنے لگے۔ چھ بجے ہمارے صاحب بھی آفس سے آگئے۔

ہم نے چاول دو کنی ابال کر میرینیٹ کیے ہوئے گوشت پر بچھائے اور دم پر لگا دیا۔ ڈیڑھ گھنٹے تک اب یہ بریانی دم پر تیار ہو جانی تھی۔

مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ ہماری چھوٹی بہن کا فون آ گیا کہ "آپا آپ سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے۔ میں اور بچے آ رہے ہیں۔" سب خوش ہی ہو گئے۔ رمشا کو دیکھ کر خالہ جان بہت خوش ہوئیں۔

بریانی کی خوشبو آنے لگی تو سب نے مل کر کھانا لگایا۔ کڑھی بھی گرم کر لی گئی اور سب بچوں کی پسندیدہ بریانی تو تھی ہی۔ لو جی بقول بچیوں کے بریانی پارٹی ہو گئی۔

ثابت ہوا بچوں کی فرمائش مان کر کبھی کبھی فائدہ ہو جاتا ہے۔ بقول رمشا کریڈٹ تو مجھے جاتا ہے کہ اگر میں ضد نہ کرتی تو آپ کو خالہ کے لیے کھانا باہر سے منگوانا پڑتا۔ مطلب چار سے پانچ ہزار کا فالتو خرچ ہوتا۔

مگر ہمارے خیال میں کریڈٹ ماں کی ممتا کو جاتا ہے آپ سب کا کیا خیال ہے۔



جویریہ مریم

خوفِ خدا



"نوشی کے ابا! ذرا آج آپا سے بات کروادو میری، بہت دن ہوئے، نہ ملے نہ آواز سنی ہے ایک دوسرے کی۔" رحمت بی بی ٹھٹھرتے ہاتھوں کو رگڑتے کے پوچھتی، کوئلوں کی دہکتی انگیٹھی کے پاس آ بیٹھی تھیں۔ وہ باہر تل سے وضو کر کے آئی تھیں۔ ان کی عادت تھی باوضو رہنے کی۔

"بات تو میں کروادوں تمہاری۔ مگر میں جب تمہیں تمہاری بہنوں کا نمبر ملا کے دینے کی غلطی کرتا ہوں پھر دو، تین گھنٹوں تک خود کو کوستا رہتا ہوں۔ تم سارے جہاں کی باتیں اور قصے چھیڑ کر بیٹھ جاتی ہو۔ اور میں ان کے بند ہونے کے انتظار میں سوکھتا رہتا ہوں۔" عبدالرحمٰن نے کھرے انداز میں کہا تھا۔

"آئے ہائے نوشی کے ابا! اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے خیر سے....." رحمت بی بی نے کھسیا کر کہا تھا۔

"ایسی ہی بات ہے نیک بخت! میں صبح کا نوکری پہ گیا۔ شام کو لوٹتا ہوں۔ اور تم مجھے وقت دینے کے بجائے موبائل کان سے لگا کر اپنے مرے سال پرانے رشتے داروں کے قصے لے کر بیٹھ جاتی ہو۔ تمہارے ان رشتے داروں کی ہڈیوں کا بھی سرمہ بن گیا ہوگا کب کا قبروں میں۔" عبدالرحمٰن نے سلگ کے دل کے جلے پھپھولے پھوڑے تھے۔

"آئے ہائے نوشی کے ابا تم بھی ناں۔" رحمت بی بی کھسیانی سی ہنس کر بولی تھیں۔

"ٹھنڈ کی اخیر ہوگئی ہے آج تو۔" حیدر چادر کی بکل مارے ٹھٹھرتا، کانپتا رسوئی میں داخل ہوا تھا۔

"تو صحیح کہہ رہا پتر! بس اللہ کی مرضی ہے۔ ہم غریبوں کو تو نہ سردی راس، نہ گرمی راس، مرے امیروں کے ہیں، جو گرمیوں میں اے سی میں پڑے رہتے ہیں اور سردیوں میں بلی اور ہیٹروں کی جان سے چمٹے رہتے ہیں۔"

عبدالرحمٰن نے اس کے لیے جگہ چھوڑتے کہا تھا۔

"بس اللہ کی تقسیم ہے نوشی کے ابا! بہتری اسی میں ہے کہ اس کی رضا میں راضی رہا جائے۔ کسی کو دے کر آزماتا ہے کسی سے لے کر آزماتا ہے۔"

رحمت بی بی نے شکر سے لبریز لہجے میں کہا تھا۔

"کبھی تو تم شکر کی بات کر جاتی ہو نیک بخت! سولہ آنا درست کہا ہے تم نے۔" عبدالرحمٰن نے حقہ گڑاگڑا کر کہا تھا۔

"ابا! قسم آپ کی، بہت سردی ہے میرے سے کام نہیں ہوتا اب کھیتوں میں۔ مالک بہت کام لیتے ہیں۔ ذرا جو رحم ہو ان کے دلوں میں۔" حیدر جیسے گرلایا تھا۔

"کھیتوں میں کام نہ کرو گے تو کیا افسری کرو گے، دو جماعتیں پڑھ کر کتنا دماغ کھپایا تھا کہ چار جماعتیں اور پڑھ لو۔ پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آجاتے ہیں، مجھے پہلے دن سے پتا تھا کہ تم محنت نہیں کر پاؤ گے۔ اس لیے روتا تھا کہ پڑھ لو..... مر لو۔" عبدالرحمٰن نے غصے سے کہا تھا۔

"اچھا چھوڑو، اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ تم مجھے آپا کا نمبر ملا کے دے دو۔ آواز سننے کو کان ترس گئے ہیں۔"

رحمت بی بی نے دوبارہ جیسے یاد دہانی کروائی

digest library.com

نمی۔

"لو تم جب تک اپنی آپا کو دنیا جہاں کے قصے نہ سنا لو گی تب تک چین نہیں آئے گا۔۔"

عبدالرحمٰن نے بٹنوں والے موبائل میں نمبر ملا کے رحمت کو پکڑایا تھا۔

"قسم ہے آپا! جو کبھی آپ کو بھی خیال آجائے میرا۔"

رحمت کے گلے شکوے اور باتیں شروع ہو چکی تھیں۔ عبدالرحمٰن نے بے زاری سے سنا تھا اور حقہ گڑگڑانے لگا۔

"آپا! ہماری ایسی قسمت کہاں کہ ہمیں گیس کی سہولت مل جائے۔ تمہاری تو موجیں ہیں۔ ہم تو دھوئیں میں آنکھیں پھوڑتے ہیں۔ خیر شکر ہے اللہ کا جیسے رکھے۔ اس کی مرضی۔"

"واہ شکوہ کر کے شکر کر رہی ہو۔" عبدالرحمٰن نے ٹوکا تھا۔

"اللہ میری توبہ معاف کردے سوہنے مالک۔ بس غلطی سے زبان پھسل گئی تھی۔ جو قسمت تو نے لکھ دی ہم اس پہ راضی ہیں مالک!۔"

رحمت نے ندامت و شرمندگی میں گھر کر صدق دل سے معافی مانگی تھی۔

عبدالرحمٰن دھیرے سے ہنسا تھا۔

حیدر نے چولہے پر پتیلی میں قہوے کے لیے پانی رکھ دیا تھا۔

دو ہی اولادیں تھیں رحمت بی بی اور عبدالرحمٰن کی۔ نوشی اور حیدر۔ نوشی حیدر سے چار سال بڑی تھی اس کی شادی کر دی تھی انہوں نے سال پہلے، حیدر ایک نمبر کا کاہل نکلا تھا۔ عبدالرحمٰن زبردستی اسے کسی محنت مزدوری کے کام پہ ڈالتا تھا، وہ بمشکل مہینہ پورا کرتا اور پھر ویلا نکما پھرتا رہتا تھا گلی کوچوں میں۔

☆☆☆

"اماں! میں اپنے سسرال والوں کی بے حسی اور تلخ رویوں سے تھک گئی ہوں۔ ایسے برتاؤ کرتے ہیں میرے ساتھ وہ لوگ، جیسے وہ سب انسان! ہیں اور میں ایک ان کے درمیان جانور ہوں۔ میں نے ان سے بدلہ لینے کا طریقہ سوچ لیا ہے، آپ اور ابا میری نند کا رشتہ مانگنے جائیں حیدر کے لیے بس پھر جب وہ ہی رویہ میری نند کو ملے گا تو وہ لوگ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے میرے ساتھ۔"

نوشی آتے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی۔ رحمت بی بی چونک سی گئی تھیں اس کی باتیں سن کر۔

"اماں! بس انکار نہیں سنوں گی۔ جتنی جلدی ہو سکے آپ لوگ یہ کام کریں۔ اور اس بات کا مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ رشتہ فوراً قبول کر لیں گے۔ کیونکہ ایک نمبر کی جاہل، گنوار، پھوہڑ آمنہ کے لیے کوئی رشتہ ہی نہیں مل رہا سالوں سال ہو گئے رشتہ ہی ڈھونڈتے۔"

"اچھا تو پریشان نہ ہو میں تیرے ابا سے بات کر لیتی ہوں۔" رحمت بی بی نے اسے دلاسہ دیا تھا۔

☆☆☆

آمنہ کو اس سادہ سے کچے پکے گھر میں بیاہ کر آئے بھی کئی ماہ ہو گئے تھے۔ مگر جس سب کے لیے نوشی نے یہ رشتہ کروایا تھا وہ کچھ ہو کے نہیں دے رہا تھا۔

حیرت انگیز طور پہ حیدر نے نہایت فکر مندی سے کمانا شروع کر دیا تھا اور اماں، ابا آمنہ کو بیٹی، بیٹی کہتے نہ تھکتے تھے اور تو اور ایک نمبر کی کاہل آمنہ بھی بھاگ کے اماں، ابا کے سارے کام کرتی اور گھر کو صاف ستھرا رکھتی تھی۔

"اماں! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں نے اس گھر میں جہنم زندگی گزاری ہے اور میرے گھر میں آ کر آمنہ جنت جیسی زندگی گزار رہی ہے۔" نوشی ضبط کھو کر چیخ پڑی تھی۔ رسوئی کی طرف آتی آمنہ کے قدم باہر ہی ٹھہر گئے تھے۔

"نوشی! کیا ہو گیا ہے۔ پتر! ہوش سے کام لے۔ آمنہ تیری ایک اکلوتی بھرجائی ہے۔ تیرا میکہ ہے۔ ہم آج مرے کل دوسرا دن پھر تو اس گھر میں آئے گی تو آمنہ ہی ہو گی تیرا سارا کچھ۔"

رحمت بی بی نے پیار سے سمجھایا تھا۔

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

ذرد موسم



راحت جبیں



مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - [illegible] کراچی۔ فون نمبر: 32735021

"بالکل بالکل سولہ آنے ٹھیک بات کی ہے۔ بیری ماں نے۔" چولھے کے قریب بیٹھے ابا نے کہا تھا۔ ساتھ ہی حیدر بیٹھا ہوا تھا۔

"پر جو زندگی میں نے اس منحوس کے گھر میں گزاری ہے۔ تکلیفیں برداشت کی ہیں ان کا حساب کون کرے گا۔ یہ میرے گھر میں عیش کر رہی ہے اور میں اس کے گھر اذیت کاٹتی رہی ہوں۔"

"نوشی پتر، ہم نے پہلے یہ ہی سوچا تھا کہ آمنہ کو احساس دلائیں گے تاکہ وہ بھی اپنے گھر جا کر بتائے تو تیرے سسرال والوں کو پتا چلے کچھ، پر جمعے کو بیان میں مولوی صاحب نے بتایا کہ اس طرح بہو کے ساتھ غلط طریقہ اختیار کرنا اللہ کو ناراض کر دیتا ہے پتر اور اللہ اس کی پکڑ کرتا ہے پھر ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ آمنہ بیٹی کے ساتھ برا برتاؤ کریں۔ پھر مولوی صاحب نے یہ بھی بتایا کہ سوہنے پیغمبر کا فرمان ہے کہ بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا رہتا ہے اور قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے اس کی گھر والی کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اگر اس نے برا برتاؤ کیا ہوا تو وہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا پتر۔

بس پھر میں نے یہ ساری باتیں حیدر اور تیری ماں کو سمجھا دیں۔ پتر، زندگی تو وہ ہے جو گزر گئی ہے۔ ساری زندگی یہ ہی کوشش رہی ہے کہ رب سوہنے کی ذات راضی رہے۔ اب اخیر میں آ کے اس کو ناراض کر دیں تو کیا منہ لے کر قبروں میں جائیں گے۔ کسی کی بچی پہ ناحق ظلم کریں گے تو کیڑے پڑ جائیں گے ہماری قبروں میں۔ ہم خوف خدا رکھنے والے سادہ لوگ ہیں پتر۔ ہم کسی کا بدلہ کسی سے نہیں لے سکتے۔"

ابا کہتے چلے گئے تھے۔ حیدر اور اماں کے چہروں پہ سکون بکھرا ہوا تھا، جبکہ نوشی کے چہرے پہ شرمندگی تھی اور باہر کھڑی آمنہ پر جیسے کسی نے ٹھنڈے پانی کے مٹکے انڈیل دیے تھے۔ وہ بہتی آنکھوں سے رسوئی میں داخل ہوئی تھی۔

"میں بہت بری ہوں نوشی بھابھی! آپ نے بالکل ٹھیک سوچا تھا میرے بارے میں کیونکہ میرے گھر والوں نے بہت برا کیا ہے آپ کے ساتھ، میں اس قابل نہیں تھی کہ مجھے اتنے اچھے لوگ ملتے۔ لیکن اللہ گواہ ہے۔ ان سب کو اپنے ساتھ اچھا پایا تو میں نے عہد کر لیا تھا کہ میں بھی ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہوں گی اور آپ کے لیے بھی اچھی بن جاؤں گی۔

ان سب کے رویوں نے مجھے شرمندہ کر دیا تھا۔ میں آج ہی گھر جاؤں گی اور سب کو سمجھاؤں گی .....اور مولوی صاحب نے جو باتیں ابا کو بتائیں نہ گھر میں سب کو بتاؤں گی۔ اور ان سب کو شرم دلاؤں گی کہ جس کے ساتھ اس گھر میں سب نے اتنا برا سلوک کیا اس کے ہی گھر میں میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جاتا ہے اور میری اوقات سے زیادہ مجھے عزت دی جاتی ہے۔ اگر چاہتے تو اپنی بیٹی کے ساتھ ہوئے کا بدلہ مجھ سے لے لیتے۔ لیکن انہوں نے میرے ساتھ ایسا نہیں کیا کیونکہ یہ تم لوگوں کی طرح کم ظرف نہیں ہیں۔"

آمنہ نے ندامت و شرمندگی سے روتے ہوئے کہا تھا، حیدر نے آمنہ کو فخر سے دیکھا تھا اور اماں ابا نرمی سے مسکرا دیے تھے، ابا نے اٹھ کے آمنہ کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"اللہ تجھے خوش رکھے بیٹا!"

نوشی خاموش سی کھڑی تھی۔ کتنا اچھا طریقہ اپنایا تھا اماں ابا نے اور وہ کون سا طریقہ اختیار کر رہی تھی۔ اس طرح تو اسے میکے میں سکون بھی نہ ملتا جہاں آمنہ کے ساتھ غلط رویے رکھے جاتے تو وہ کیوں پھر اس کے ساتھ اچھا رویہ رکھتی، اب تو وہ بہت خیال رکھتی تھی نوشی کا۔

"حیدر! مجھے اماں کے گھر لے چلیں۔"

آمنہ چادر اوڑھ کے آ گئی تھی۔ حیدر مسکراتے ہوئے کھڑا ہوا تھا اور نوشی کے دل دماغ میں سکون اترتا چلا گیا تھا یہی کیفیت اماں، ابا کی تھی۔

☆☆



تجھ کو خوش کرنے کی خاطر سب گوارا کر لیا
اپنی ہر خواہش سے ہی ہم نے کنارا کر لیا

جب نہ کر سکے مقدر کی سیاہی کو بیاں
تب تمہاری زلف کو ہی استعارہ کر لیا

جب بھی کوئی کام بگڑا اپنی نااہلی سے بھی
تھوپ کے قسمت کے سر پھر استخارہ کر لیا

اس قدر محتاط ہیں اب وہ سرِ محفل کہ بس
گاہ دیکھا چھپ کے اور گاہے اشارہ کر لیا

وقت کی چکّی میں ہم تو پس گئے تم رہ گئے
خاک بن کر راہ کی خود کو تمہارا کر لیا

عشق نے مارا ہوا تھا آپ کو پہلے سے ہی
پھر وہی کارِ جنوں کیونکر دوبارہ کر لیا

نعمان محمود

سانس لینا بھی کیسی عادت ہے
جیے جانا بھی کیا روایت ہے
کوئی آہٹ نہیں بدن میں کہیں
کوئی سایہ نہیں ہے آنکھوں میں
پاؤں بے حس ہیں چلتے چلے جاتے ہیں
اک سفر ہے جو بہتا رہتا ہے
کتنے برسوں سے، کتنی صدیوں سے
جیے جاتے ہیں، جیے جاتے ہیں
عادتیں بھی عجیب ہوتی ہیں

گلزار

شگفتہ جاہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر پڑے تو اس کو اچھی طرح پوری (اس کھانے یا پانی میں) ڈبودے پھر نکال کر پھینک دے۔"

تحقیق: اس کے ایک پر میں شفا ہے اور دوسرے پر میں بیماری ہے (وہ پہلے بیماری والا پر ڈبوتی ہے۔)

(صحیح بخاری شریف)

دلچسپ و عجیب

امریکی شہری جوناتھن لی رچرڈ، یہ دنیا کا عجیب و غریب انسان تھا یہ دنیا میں سب سے زیادہ مقدمات لڑنے والا شخص کہلاتا ہے۔

اس نے سب سے پہلا مقدمہ، اپنی ماں کے خلاف درج کروایا کہ ماں نے اس کی تربیت اچھی نہیں کی ہے یہ کیس جیت گیا اور 20 ہزار ڈالر معاوضہ اسے ملے۔

اس نے اپنے دوستوں، اپنے اساتذہ، اپنے ہمسایہ، اپنے رشتہ دار، اپنی منگیتر، پولیس افسران، ججز، مشہور کمپنیوں حتی کہ جارج بش پر بھی مقدمات کیے۔ مختلف عدالتوں میں اس کی طرف سے داخل کیے گئے مقدمات کی تعداد 2600 ہوگئی، اس کا نام گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈز میں شامل کیا گیا، اس نے گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈز مالکان کے خلاف مقدمہ کیا کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی ذاتی زندگی سے متعلق مواد کیوں شائع کر دیا گیا۔

مختلف مقدمات میں یہ ہرجانوں اور معاوضوں کی صورت میں آٹھ لاکھ پچاس ہزار ڈالر جیت گیا۔

اسے ایک ٹی وی ٹاک شو میں بلایا گیا اس نے انتہائی دکھ اور رنج کے عالم میں میزبان سے سوال کیا کہ "کیا وجہ ہے اتنی شہرت کے باوجود میں تنہا زندگی گزار رہا ہوں کوئی مجھ سے پیار کرنے والا نہیں ہے۔"

ٹی وی میزبان اس سوال پر ہنس پڑے اور کافی دیر تک ہنستے رہے، یہ ٹاک شو چھوڑ کر اٹھا اور ٹی وی چینل کے خلاف کیس کر دیا پچاس ہزار ڈالر ادھر سے جیت لیے۔

ترکیب

ایک بندہ بہاولپور سے چھوٹا سا کارٹن اٹھائے ہوئے ملتان جانے کے لیے ٹیکسی میں سوار ہوا۔

راستے میں اس نے جیب سے موبائل نکالا اور دوست کو کال ملا کر بات کرتے ہوئے کہا:

"سارا سونا پچاس لاکھ میں بکا ہے۔ اور میں پیسے لے کر جلدی ہی واپس پہنچ رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے کچھ سننے کے بعد مزید جواب دیا کہ "نہیں نہیں پیسے میں نے ایک کارٹن میں ڈال کر رکھے ہوئے ہیں، کسی کو شک نہیں پڑے گا اور خیر ہوگی۔"

ملتان پہنچ کر اس نے ٹیکسی والے سے، ایک دکان پر یہ کہہ کر رکنے کو کہا۔ "ذرا اپنے موبائل میں بیلنس ڈلوالوں۔ تم ایک منٹ ٹھہرو، میں ابھی آیا۔"

ٹیکسی والا جو اس بندے کے مکالمے کو سن کر گنگ ہوا بیٹھا تھا اس کے اتر کر دکان میں داخل ہوتے ہی ٹیکسی بھگا کر رفو چکر ہوگیا۔

اس بندے نے دکان سے پانی کی ایک بوتل خریدی، دکان دار کو پیسے دیتے ہوئے پوچھا۔

"بھائی، آپ کے پاس کوئی چھوٹا خالی کارٹن

پروپوزل

ایک لڑکا ایک لڑکی سے کہتا ہے۔
لڑکا: آئی لو یو اینڈ آئی وانٹ ٹو میری یو۔
لڑکی :اے بھائی اردو میں بات کرو مجھے انگریزی نہیں آتی۔
لڑکا: باجی دعا کریں کہ بارش ہو جائے۔

دیس دیس کی کہاوتیں

☆جب آپ کا کتا آپ پر ہی بھونکنا شروع کر دے تو سمجھ لیں کہ کوئی دوسرا اسے آپ سے بہتر کھانا دے رہا ہے۔(یونانی کہاوت)
☆بھیڑ کو باپ نہیں صرف گھاس یاد آتی ہے۔ (روسی کہاوت)
☆اندھوں کے لیڈر بھی اندھے ہوا کرتے ہیں۔(جرمن کہاوت)
☆اندھیرے پر لعنت بھیجنے سے شمع روشن کرنا بہتر ہے۔(چینی کہاوت)

الجھن

"کیا تم موت کے بعد زندگی پر یقین رکھتے ہو؟"
ڈائریکٹر جنرل نے اپنے ٹائپسٹ سے پوچھا۔
"جی ہاں جناب!" مارک نے جواب دیا۔
"اگر یہ بات ہے تو میری الجھن رفع ہو گئی۔" ڈائریکٹر جنرل نے کہا۔
"کل تم اپنے دادا کی تدفین پر گئے۔تمہارے جانے کے دو گھنٹے بعد تمہارے دادا عالم بالا جاتے ہوئے تم سے ملنے آئے تھے۔"

احتیاط

صاحب بضد تھے کہ گاڑی خود چلائیں گے۔ ڈرائیور کو انہوں نے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔راستے میں کئی بار صاحب اونگھ گئے ایک بار تو انہوں نے ڈرائیونگ کرتے کرتے اپنا سر اسٹیرنگ وہیل پر تقریباً ٹکا ہی دیا۔ ڈرائیور نے ڈرتے ڈرتے صاحب کا کندھا ہلایا اور بولا۔
"سر! آپ بے شک اچھی ڈرائیونگ کر رہے ہیں لیکن وہ بدتمیز درخت بہت تیزی سے ہماری طرف چلا آ رہا ہے۔"

دو عربی اشعار کا ترجمہ

تم ہر بار کڑوا پانی پینے سے انکار کرو گے تو پیاسے رہ جاؤ گے۔اور کتنے لوگ ہیں جنہیں صاف پانی ملتا ہے۔
تم ہر کام میں اپنے رفیق پر نکتہ چینی کرو گے، اسے ڈانٹ پلاؤ گے تو یاد رکھو، ایک وقت ایسا آئے گا جب تمہاری ڈانٹ برداشت کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔

ہم ہیں پاکستانی

☆پاکستانی با آسانی شناخت ہو سکتے ہیں کیونکہ: وہ ہر کھانا لہسن اور پیاز میں پکاتے ہیں۔
☆گفٹ پیپرز کو دوبارہ استعمال کرتے ہیں۔
☆گیٹ پر رخصت ہونے سے پہلے آدھا گھنٹہ ضرور بات کرتے ہیں۔
☆بچا ہوا کھانا فریج میں ضرور رکھتے ہیں۔
☆کھانا پکاتے ہوئے کبھی بھی پیمانہ ناپ کر آئل استعمال نہیں کرتے بس اندازے سے ڈالے جاتے ہیں۔
☆بغیر ڈاکٹر کی تجویز کے دوائیں استعمال کرتے ہیں۔
☆بیڈ شیٹ یا صوفے کو صاف رکھنے کے لیے کوئی چادر اس کے اوپر ڈال دیتے ہیں۔
☆ہمیشہ کہتے ہیں گندا کپڑا دینا کوئی چیز صاف کرنی ہے۔

☆☆

امت الصبور

خاتون کی ڈائری

حمدہ خان کی ڈائری سے

ابھی کچھ دن پہلے یہ غزل نظروں سے گزری اور اس نامعلوم شاعر کی یہ غزل اپنی ڈائری میں محفوظ کرلی اور اب آپ کی نذر،

ہم سے آیا نہ گیا، آپ سے بلایا نہ گیا
سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا

ہائے آداب محبت کوئی سمجھائے انہیں
روٹھنا ایسے کہ ہم سے منایا نہ گیا

لوٹ آنا تو ممکن ہے مگر یاد رہے
جو نگاہوں سے گرا پھر اٹھایا نہ گیا

راستہ عشق ویسے ہی تھا پر خار بہت
اور کچھ آپ سے بھی نبھایا نہ گیا

روحیلہ خان کی ڈائری سے

عمیر نجمی ابھرتے ہوئے شاعر ہیں۔ان کی یہ غزل آپ سب کو یقیناً پسند آئے گی۔سادہ لفظوں میں ان کا انداز بیان بہت منفرد ہے۔

بچھڑ گئے تو یہ دل عمر بھر لگے گا نہیں
لگے گا، لگنے لگا ہے، مگر لگے گا نہیں!

نہیں لگے گا اسے دیکھ کر، مگر خوش ہے
میں خوش نہیں ہوں مگر، دیکھ کر لگے گا نہیں

جنوں کا حجم زیادہ، تمہارا ظرف ہے کم
ذرا سا گملا ہے، اس میں شجر لگے گا نہیں

ہمارے دل کو ابھی مستقل پتا نہ بتا
ہمیں پتا ہے ترا دل ادھر لگے گا نہیں

زینب ظفر زریں کی ڈائری سے

میری ڈائری میں محفوظ سلیم کوثر کی یہ غزل ہمیشہ ہی میری پسندیدہ غزلوں میں شامل رہی ہے۔خصوصاً اس کا دوسرا شعر مجھے بہت پسند ہے

کتنے عجیب لوگ تھے جن کے یہ مشغلے رہے
میرے بھی ساتھ ساتھ تھے، غیر سے بھی ملے رہے

تو بھی نہ مل سکا ہمیں، عمر بھی رائیگاں رہی
تجھ سے، خیر عشق تھا خود سے بڑے گلے رہے

دیکھ لے! دل نامراد تیرا گواہ بن گیا
ورنہ میرے خلاف تو میرے ہی فیصلے رہے

تجھ سے ملے، بچھڑ گئے، تجھ سے بچھڑ کر مل گئے
ایسی بھی قربتیں رہیں، ایسے بھی فاصلے رہے

عمرانہ بٹ کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر یہ خوب صورت غزل آپ سب کی نذر،

کیا نبھا سکتا وہ مدتوں کے ساتھ
بدل گیا جو بدلتی رتوں کے ساتھ

گہرے پانیوں سے تو بچ کر نکل آئے ہم
ڈوب گیا سفینہ مگر ساحلوں کے ساتھ

ہے شہر میں نفرتوں کی آگ سی پھیلی
اور کھیلتے ہیں لوگ لفظوں کے ساتھ

اک دل شکستہ اور اک تیرا خیال
گزاری ہے، زندگی کن عذابوں کے ساتھ

ہم کہ ٹھہرے دشت وفا کے وہ مسافر
کہ جن کا یقین ٹوٹ جائے پہنچ کر منزلوں کے ساتھ

ناعمہ احمد

کی ڈائری سے

مجھے اپنی ڈائری میں اعتبار ساجد کی یہ نظم "مت اس خواب کے پیچھے بھاگو" بہت پسند ہے۔

بھولی لڑکی!
مت اس خواب کے پیچھے بھاگو
پتھر بن کر رہ جاؤ گی
تیز بہت ہے وقت کا دھارا
تم بھی اس میں بہہ جاؤ گی
یہ نشتر جیسی رسوائی
بولو کیسے سہہ پاؤ گی
کیا بچوں جیسی باتوں سے
تم سب کو بہلا سکتی ہو
کیا تم اپنے من کی منطق
دنیا کو سمجھا سکتی ہو؟
خوابوں میں باتیں کر کے
کیا تعبیریں پا سکتی ہو؟
باپ کی شفقت ماں کی ممتا
کیا سچ مچ ٹھکرا سکتی ہو؟
جس گھر میں پروان چڑھیں تم
اس کو چھوڑ کے آ سکتی ہو؟
ایسی باتیں ناممکن ہیں
بس تم اپنی تنہائی میں
ہجر کے گیت ہی گا سکتی ہو۔

شمع خان

کی ڈائری سے

شبنم شکیل کی یہ غزل میری ڈائری میں تحریر ہے جو میری ایک عزیز سہیلی نے مجھے لکھ کر دی تھی۔ ایک بڑا نام اور کیا خوب انداز ہے۔

بے وجہ تحفظ کی ضرورت بھی نہیں ہے
ایسی میرے اندر کوئی عورت بھی نہیں ہے

ہاں، ان کو بھلا ڈالیں گے اک عمر پڑی ہے
اس کام میں ایسی کوئی عجلت بھی نہیں ہے

کس منہ سے گلہ ایسی نگاہوں سے کہ جن میں
پہچان کی اب کوئی علامت بھی نہیں ہے

میری بھی تو ماضی کی بہت سی ہیں کتابیں
پر ان کو پلٹنے کی تو فرصت بھی نہیں ہے

کچھ تم سے گلہ اور کچھ اپنے سے کہ مجھ کو
ہر حال میں خوش رہنے کی عادت بھی نہیں ہے

الماس اکرم

کی ڈائری سے

باقی احمد پوری کی یہ غزل مجھے بہت پسند ہے جو میری ڈائری میں لکھی ہے۔ آج بھی مجھے بار بار پڑھنے پر مجبور کرتی ہے۔

عمر گزری تو یہ خیال آیا
کتنے دکھ تھے کہاں سنبھال آیا

اس سے پہلے کہ خاک ہو جاتا
میں زمانے پہ خاک ڈال آیا

سنگ تھا تو کوئی دراڑ نہ تھی
آئینہ بن گیا تو بال آیا

پہلے تو ٹھیک ہی گزرتی تھی
جب عروج آیا، تب زوال آیا

ایک لمحے نے روک رکھا ہے
سالہا سال سے نہ سال آیا

پھر میرا وار دیکھنا باقی
میری عزت کا جب سوال آیا

☆☆

خالدہ جیلانی



رخسانہ .....لیاری
غم سے بہل رہے ہیں آپ، آپ بہت عجیب ہیں
درد میں ڈھل رہے ہیں آپ، آپ بہت عجیب ہیں

رابعہ.....کراچی
بچھڑنے والے نے وقت رخصت کچھ اس نظر سے پلٹ کے دیکھا
کہ جیسے وہ بھی یہ کہہ رہا ہو تم اپنے گھر کا خیال رکھنا
دیار الفت میں اجنبی کو، سفر ہے درپیش ظلمتوں کا
کہیں وہ راہوں میں کھو نہ جائے، ذرا دریچہ اجال رکھنا

سمیہ ردا.....ایبٹ آباد
نگاہیں در پہ لگی ہیں، اداس بیٹھے ہیں
کسی کے آنے کی، ہم لے کے آس بیٹھے ہیں
نظر اٹھا کے کوئی ہم کو دیکھتا ہی نہیں
اگرچہ بزم میں سب روشناس بیٹھے ہیں

ارم اکرام.....کراچی
رسوں کے بعد اس نے جو آواز دی
ذمو ں کی کیا بساط تھی، سانسیں بھی رک گئیں

سحر احمد.....کراچی
س کی عادت ہے کہ پتھر سے بھی باتیں کر لے
س کے آنے میں محبت کا تقاضا کم ہے
وب صورت نظر آتا ے سر شام فراق
ال تو کہتا ہے کہ وہ گھر سے نکلتا کم ہے

ماریہ نذیر.....بھاگٹانوالہ
کہاں لے کے پھرے گی میری تقدیر کا بوجھ
بری پلکوں پہ شب ہجر پہ تارا رکھ دے

رضوانہ وقاص.....ہری پور
ٹ کر یہ بھی بکھر جاتی ہیں اک لمحے میں
کو امیدیں بھی گھروندوں کی طرح ہوتی ہیں

سونیا امیر.....پنڈی

کر رہا ہوں جب سے اپنی ذات کے اندر سفر
کیا بتاؤں کھل رہے ہیں حیرتوں کے کتنے در
مدتیں گزریں کوئی ٹھہرا تھا آ کر ایک پل
آج تک مہکا ہوا ہے خوشبوؤں سے میرا گھر

سلمیٰ خان.....اسلام آباد
وہ خواب ہی میں آجاتا مجھ سے ملنے کو
مری دعاؤں میں اتنا تو بس اثر ہوتا

ثوبیہ نقیل.....کراچی
اس کو معلوم ہے اس دام میں پھنس جائے گا دل
ایک لٹ جان کے رکھتی ہے وہ لٹکائی ہوئی

افشاں .....لاہور
جو ترے عیب بتاتا ہے اسے مت کھونا
اب کہاں ملتے ہیں آئینہ دکھانے والے

سندس.....پشاور
سارا جگ تو دیکھے مجھ کو
میں کملا بس تجھ کو دیکھوں

گڑیا.....سرجانی
وہ جو افسانہ غم سن کے ہنسا کرتے تھے
اتنا روئے ہیں کہ سب آنکھ کا کاجل نکلا

حوریہ امجد.....لانڈھی
سہانے خواب چکنا چور ہوجائیں
تری نظروں سے جو ہم دور ہوجائیں
ملا ہے جو ہمیں تیری طرف سے
خدانخواستہ ہم نہ کہیں مغرور ہوجائیں

سبین سلطان.....کشمور
عشق میں وہ علم ریاضی ہے کہ جس میں فارس
دو سے ایک نکالیں تو صفر بچتا ہے

لبنیٰ بٹ.....گلشن جدید
تمہیں پاکر بھی مشکل میں تھے
تمہیں کھوکر بھی پچھتائے بہت
ان آتے جاتے لمحوں میں
میرے دل کو تم یاد آئے بہت

☆☆

بقیہ ہمارے نام

بھائی جعفر (میم بلقیس کے میاں) ہر ماہ کے شروع میں نور پور جائیں تو میرا یہ کام کرنا نہیں بھولتے، میرے شوہر صاحب کو تو ان کا کاروبار صبح سے شام تک جکڑے رکھتا ہے۔ اب کچھ تبصرہ ہو جائے ماہ اپریل کے خواتین شمارے پر..... مدیر نے کہنی سنی میں ان خواتین رائٹرز کے کردار کو سراہا جنہوں نے خواتین ڈائجسٹ کو کامیاب کرنے میں اپنا حصہ ڈالا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بہت سارے پس پردہ لوگ تھے جنہیں خواتین کے ذریعے سے کیوں پر اپنے ہنر کے رنگ بکھیرنے کا موقع ملا اور اس سے انہوں نے اپنا نام بنایا ہے اگر خواتین ڈائجسٹ کا کردار نہ ہوتا تو ان رائٹرز کے لکھنے کا ہنر بھی گمشدہ خزانے کی طرح گمنام رہتا۔

''فروزاں ہیں چراغ'' میں رائٹر بہنوں کی خواتین سے محبت کھل کر جگمگا رہی تھی مجھے شازیہ الطاف کے یہ الفاظ بہت بھلے لگے جو انہوں نے اپنے تحریروں کے بارے میں لکھے سمجھیں لوگوں کی بھیڑ میں اپنا دل رکھ دیا۔

اس مرتبہ غصن الزیتون عیشہ حسین کی تحریر یتیم خانہ میں پلنے والے ایمان اور مائرہ کے کرداروں کے گرد گھوم رہی تھی۔ عشرہ مومن نے ''ہجرت'' کو ایک اچھوتے رنگ میں لکھا جب ہمارے معاشرے میں بیٹی کو والدین جائیداد میں حصہ دے دیں تو لڑکی کے بھائیوں اور بھابیوں کے اکثر مزاج ہی بدل جاتے ہیں جبکہ وہ اس کا شرعی حق ہوتا ہے۔

''عید چوڑیاں اور لنگی'' میں حمیرا شفیع یہ بتانے میں کامیاب رہیں کہ محبت پیار اور سکون مال و دولت اور سونے کے زیورات سے مشروط نہیں ہوتا۔ ''یتیم'' میں دعا ایوب نے الفاظ کے خوب صورت جال کو ایسے بنا کے میں تحریر مکمل پڑھے بغیر اس سے نہ نکل سکی۔ نادیہ جہانگیر کا افسانہ ''توکل'' بھی بہترین تحریر تھی جوان لوگوں کی عکاس ہے جو سفید پوشی کا بھرم رکھتے ہوئے اپنا پیٹ کاٹ کر اپنی بیٹیوں کو عید کے قیمتی تحائف بھیجتے ہیں کہ سسرال میں ان کا سر نہ جھکے اس سے عید کے موقع پر بہت ساری خوشیوں کے ساتھ کئی مسائل بھی جنم لے لیتے ہیں جب کہ میرا خیال ہے اس سوچ کو بدلنے کی اشد ضرورت ہے۔ اتنی سی شکایت۔

آسیہ رئیس کی زبردست تحریر کافی عرصے بعد پڑھنے کو ملی، فریدہ سیفی نے اپنے ناولٹ میں جبران جیسے کردار کو پیش کیا جو خشک مزاج اور احساس سے عاری ہے ایسے لوگ رشتوں کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔ باقی مستقل سلسلے بھی زبردست جا رہے ہیں۔

ج: پیاری نصرت! ہماری طرف سے جعفر بھائی کا شکریہ ادا کر دیں کہ انہوں نے بروقت آپ کو شعاع فراہم کیا اور آپ اتنا اچھا تبصرہ کر سکیں۔ آپ کا افسانہ مل گیا ہے۔ قابلِ غور کی لسٹ میں ہے۔

حمیرا شفیع کے افسانے کا نام عید، چوڑیاں اور کنگن تھا۔ سہو الگی شائع ہو گیا۔

ناہید اسماعیل..... کراچی

پیلے رنگوں سے جھلملاتا ٹائٹل رسالے کا نام اور سال مہینہ بھی پیلے رنگ کی روشنائی میں ڈوبا خوشگوار تاثر چھوڑ رہا ہے بھی کہانی تنی کے سچے اور متاثر کن الفاظ سے ہم پوری طرح متفق ہیں۔ ادارے سے وابستہ جو پیاری ہستیاں ہم سے جدا ہو گئیں، ہمیشہ ہماری دعاؤں میں رہتی ہیں۔

اگلے صفحات فروزاں چراغوں سے جھلملا رہے تھے۔ بچی سروے بہت پیارا بہت خوب صورت لگا۔ میرے خیال میں سالگرہ نمبر کا اسپیشل سروے کم از کم بھی تین سے چار ماہ کی اقساط میں چلنا چاہیے تھا ویسے بھی رائٹرز کے سروے زیادہ سے زیادہ ہونے چاہئیں۔ تمام رائٹرز کے جوابات نے لطف اندوز کیا۔ بہت اچھا لگا جب فرحت اشتیاق نے بڑی دیانت داری سے کہا پرانی رائٹرز کی تحریروں نے بحیثیت رائٹر انہیں گروم کیا ہوگا۔ تو ہمیں یاد آیا واقعی فرحت کا انداز تحریر بالکل ہما کوکب جیسا ہوا کرتا تھا البتہ موضوعات کی بات کریں تو ہما کوکب بخاری نے بہت میچور موضوعات چنے عام ڈگر سے ہٹ کر مشکل اور منفرد۔ آج بھی انہیں پڑھنے کی بے حد خواہش ہے۔

شنو آپی (شاہین رشید) ہمیں تو انٹرویوز کا سلسلہ بے حد پسند ہے اور ہم نا صرف اس پر تبصرہ کرتے ہیں بلکہ ہماری شدید خواہش ہے کہ ہم آپ کا بھی انٹرویو پڑھیں۔

ابتدائی خطوط میں ہم نے دو تین سوالات بھی بھیجے تھے آپ کے انٹرویو کی فرمائش بھی کی لیکن اب تک پوری نہیں ہوئی۔ ہماری دیرینہ فرمائش ہے کہ ادارے کے سربراہان اور تمام اراکین کا انٹرویو کیا جائے۔

زارا اور ارم کے انگنا میں پھول کھلنے لگے۔ فرخ کم از کم ثانیہ سے بہتر نکلا کہ بدلہ لینے کے بعد اس میں غلطی کا احساس جاگا۔ جبکہ ثانیہ اپنی نیت اور گری ہوئی حرکتوں کے سبب کسی رعایت کی مستحق نہیں لیکن آثار بتا رہے ہیں

کہ عبید اور اس کی فیملی یقیناً اسے معاف کردیں گے۔

مالا کے صفحات کھولے تو جیسے دنیا مافیہا سے بے خبر ہو گئے نمرہ آپ کو کن الفاظ میں سراہیں سچ میں کمال کردیا:

پردیس کی مشعل، آہ ہمارے بدترین خدشات سچ ثابت ہو گئے۔ بختیار نے بیٹی کو کس قدر درندگی و بربریت سے قتل کروادیا اس منظر نے دل کو لرزا دیا۔ محصن الزجون، عنوان اور ابتدائی منظر سے ایسا لگا اسٹوری عام ڈگر سے ہٹ کر ہوگی ہمارا اندازہ درست ثابت نہیں ہوا مگر بیوہ حسین کے خوب صورت انداز نے تحریر کو خاص ضرور بنادیا۔

اتنی سی شکایت ہے مختلف موضوع جس پر شاید پہلے لکھا نہیں گیا اور اس اہم ٹاپک پر آسیہ رئیس کے قلم کی گرفت بڑی خوب صورتی سے بجی رہی حقیقی زندگی میں بھی غاصب لوگ خود کو ہمیشہ بے قصور اور معصوم بلکہ مظلوم بھی سمجھتے نظر آتی ہیں۔

فریدہ سیفی کی کاوش خاصی اچھی رہی۔ پریتم کا انداز تحریر اچھا ہے، برا یہ لگا کہ دعا نے یاسر کو انکار کرنا تھا تو درست طریقہ اپناتی مگر اس نے یہ جانتے ہوئے بھی یاسر ہارٹ پیشنٹ ہے اس قدر تلخ اور سخت جملے بولے کہ اس کی جان ہی لے لی پھر اسی جان کو بچانے کے لیے نکاح کے بعد محترمہ رحم دل بنی ہاسپٹل پہنچ گئیں اس وقت کسی مجبوری نے پاؤں نہیں روکے یعنی کہ حد ہوگئی۔

ہجرت موضوع کے اعتبار سے اچھا لیکن کہانی کچھ تشنہ سی لگی۔ عشرہ مومن یقیناً ایک اچھا اضافہ ثابت ہوں گی۔ نادیہ جہانگیر کی تحریر میں بھی ساس تھوڑی سخت گیر تھیں لیکن وہ اچھی انسان بھی تھیں سو فوراً ایک غلط رسم کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ آسانیاں تقسیم کرنا ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنا، خوشیاں بانٹنا زندگی کو سہل بنادیتا ہے عید چوڑیاں اور کنگن میں حمیرا شفیع بڑے ہلکے پھلکے انداز میں سمجھا گئیں۔

سدرہ سحر عمران کا باورچی خانہ اور ان کا مختلف انداز پسند آیا اس پر بڑی صاف گوئی سے اپنی خصوصیات بتانا مسکرانے پر مجبور کرگیا۔ موسم کے پکوان کی تمام ڈشز اصرار کررہی ہیں کہ ہمیں ضرور بنایا جائے۔ بیوٹی بکس کے مشورے ہمیشہ مفید ہوتے ہیں اعتل آپی سے گزارش ہے اسکن الرجی سے متعلق بھی گھریلو علاج بتایئے۔ نظمیں غزلیں میں ٹاپ پر ناصر کاظمی کی غزل ہے۔ فرزانہ کھرل کی شاعری اچھی ہے لیکن پلیز ہم ان کا نام ناول کی فہرست میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ڈائری تینوں بہنوں کی بہت اچھی لگی نفسیاتی الجھنیں میں مہر رانی کی عقل پر ماتم کرنے کو دل کیا۔ اللہ انہیں ہدایت دے عدنان بھائی نے قطعی اور دو ٹوک جواب سے بہترین رہنمائی کی کاش محترمہ عمل بھی کرلیں۔

بہنوں کی محفل کے چمکتے دمکتے رنگ نگاہوں کو خیرہ کررہے ہیں۔ صدف ناصر اور فرخندہ سلیم ماشاءاللہ کیا بات ہے ان دونوں کے تبصرے کی۔ لیکن خیر میں نے بھی خیالوں میں فرضی کالر کھڑے کرلیے ہیں بھئی دونوں بتا چکی ہیں کہ میری شاگرد ہیں ہاہاہا اور شاگردوں کی کامیابی دل کو گارڈن کرتی ہے اور آپی میں نے صدف فرخندہ اور سعدیہ جاوید کو شکریہ کا پیغام بھی دیا تھا لیکن وہ ایڈٹ ہوگیا۔ اب اس پر شاعر بھیا سے معذرت کرتے ہوئے یہی کہیں گے کہ ہم نہ ہوں گے تو کون ستائے گا تمہیں۔ یہ بری بات ہے ہر بات کا ٹانکہ کرو۔

اللت، زہرا، ہراج، طیبہ، عائشہ کا تبصرہ اچھا اور ان کا معصومانہ جملہ کہ نمرہ نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گیا۔

ج: پیاری ناہید! آپ کا تبصرہ تو ہمیشہ ہی اچھا ہوتا ہے لیکن اس ماہ بہت اچھا ہے۔ لگتا ہے کہ آپ نے اس ماہ بہت دل لگا کر پرچا پڑھا ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ سروے میں حصہ لینا چاہتی ہیں یقیناً آپ سروے کے جواب بھی بہت اچھے لکھیں گی اور افسوس کہ آپ نے ہمیں پہلے نہیں بتایا۔ ہم آپ کو فون کے ذریعے سوالات سینڈ کردیتے ہیں ——— آئندہ سروے کے سوالات آپ کو جلد مل جائیں گے۔

گوشی جمال..... منڈی بزمان

لیجیے! میں نے چپ کے قفل توڑ ڈالے۔ بہن صدف ناصر آپ کی پیار بھری دھونس نے مجھے دوبارہ قلم اٹھانے پر آمادہ کیا اور دوبارہ سے خطوط کی محفل میں حاضری لگوادی۔ بہنوں، فرخندہ سلیم، زرینہ خانم لغاری آپ کا شکریہ۔ فرزانہ امین آپ مجھے خواتین کے حوالے سے اچھا خاصا جانتی ہیں خوش گوار حیرت ہوئی۔ صفیہ مہر، فوزیہ ثمر بٹ، ماہ رخ بلند، صائمہ مشتاق، اقصیٰ شہزاد اور بھی بہت سی پیاری پیاری قارئین بہنیں ہیں جنہوں نے مجھے یاد کیا ان سب کا شکریہ۔

بہن صدف ناصر! آپ نے میری دکان داری کا احوال پوچھا ہے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے عید پر ٹکا کے روزی

کمائی۔عید کے سردے میری شمولیت کے بغیر گزار گئے۔ عید الفطر تو گئی۔عید قربان پہ حاضری یقینی ہے۔ادارہ جی ہن ہتھ ہولا رکھ۔ہاہاہاہا

پچھلے دو ماہ کے پرچوں کی کہانیاں ویسے کی ویسے پڑی ہیں دل اداس رہا۔میں بچپن سے بہت حساس ہوں کچھ زندگی میں حالات و واقعات بھی اتنے خوش گوار مرتب نہیں ہوئے۔ بہت اچھی سے روشناس قارئین بہنوں نے کیا۔ادارہ نے بہت رہنمائی دی۔حوصلہ افزائی سلسلے دیگر سلسلوں میں شمولیت اختیار کی، البتہ کہانیوں پر آ کر ایک سال تک گاڑی ہچکولے کھاتی رہی۔موضوعات ازل سے ابد تک وہی رہیں گے ہر لکھاری کا اپنا اپنا انداز تحریر ہوتا جو اسے خاص بناتا ہے۔

اپریل کا سالگرہ نمبر قدرے تاخیر سے ملا وجہ شاید عید کی چھٹیاں تھیں۔"فروزاں ہیں چراغ" بہت سی قیمتی انمول حیرت زدہ کر دینے والی تحاریر والی مصنفین سردے میں تھیں۔انٹرویوز غائب!

ج: گوشی جی !واپسی پر خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہماری قارئین نے آپ کو یاد کیا، ہم نے بڑی دیانت داری سے ان کے جذبات آپ تک پہنچائے۔ ہماری کوشش تو یہی ہے کہ کسی کو شکایت نہ ہو لیکن انسان ہیں کہیں بھول چوک ہو جاتی ہے۔آپ کو تکلیف ہوئی اس کے لیے معذرت۔

غزالہ عزیز.....کراچی

"خواتین اور شعاع" کے اگلے شمارے کے لیے ایک ایک افسانہ ارسال کر رہی ہوں۔شعاع کے لیے افسانہ رمضان المبارک کے حوالے سے ہے۔اگرچہ میں تو پوری کوشش کرتی ہوں کہ تحریروں میں کوئی بڑا ٹیکنیکی سقم نہ رہے۔مگر "ہائپو تھائی رائیڈ" کی پیشنٹ ہونے کی وجہ سے اب پہلے کے مقابلے میں ذہنی صلاحیتیں متاثر ہونے لگیں ہیں۔اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ میری تحریروں کی چھوٹی موٹی کمیاں دور کرنے کے لیے اپنے قلم کی رہنمائی اور بصیرت فراہم کر دیا کریں۔ کیونکہ ہم رائٹرز کی بھی مجبوری ہوتی ہے ہم اہل قلم قبیلہ کے لوگ لکھے، پڑھے بغیر رہ بھی نہیں سکتے۔چاہے اس کار خیر کی راہ میں کوئی بھی مشکل (بیماری) حائل ہوتی ہے۔

خواتین، شعاع اور کرن کی تمام تحریریں بہترین ہوتی ہیں۔البتہ اشعار کے سلسلوں کو چھوڑ کے باقی تقریباً سارے مستقل سلسلے اچھے ہیں۔ہو سکے تو شعر و شاعری کے صفحہ کو ختم کر کے کوئی نیا منفرد سلسلہ شروع کر دیں۔خواتین، شعاع کے تمام سلسلے بہترین جا رہے ہیں۔البتہ خواتین میں پچھلے ماہ ختم ہونے والے ناول "احد" کے بارے میں تشنگی کے ساتھ کچھ سوال بھی میرے ذہن میں آ رہے تھے۔مجھے "احد" کی رائٹر صوفیہ پر حیرانی ہوئی کہ انہوں نے "احد" میں پاکستان سندھ کے اندرون علاقوں میں بااثر افراد کے ہاتھوں جو ظلم و بربریت بتائی گئی ہے۔رائٹر نے کہانی میں اتنی بڑی وکیل کا کردار شامل کیا پھر بھی ان بااثر وڈیروں کے خلاف کوئی ایکشن نہ لیا گیا۔نہ ہی کسی مظلوم کے ساتھ اس معاملے میں انصاف دکھایا گیا۔دوسرا سوال! وکیل صاحبہ نے اپنے شوہر کے ساتھ ہونے والے ظلم (یعنی شوہر کی ماں کے) کا بھی کوئی انجام یا سزا نہیں بتائی۔

ج: پیاری غزالہ! خواتین کی پسندیدگی کے لیے تہ دل سے ممنون ہیں آپ کی کہانیاں زیر غور ہیں۔

صوفیہ بٹ تک آپ کا سوال پہنچا رہے ہیں۔

اقرا عزیز.....گاؤں دریا خان جلبانی

آپ نے تو مجھے بھولنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی سوچا خود ہی مسئلہ یہ کہ زندگی کے مسائل ان گنت یہیں۔جینا ہے جلنا ہے ماموں مرتضیٰ کے بعد زندگی کافی زدہ ہو گئی ہے۔

اب آئیں شمارے کی جانب تو ہر ماہ ڈائجسٹ والی عیاشی ختم ہو گئی ہے کزن کراچی سے لاتا تھا وہ مصروف ہو گیا تو اب میری پیاری چچازاد خیر پور میں رہتی ہیں۔صائقہ، خضرا وہ ہر ماہ میرے شمارے لے کر رکھتی ہیں۔کوئی آتا ہے تو پھر بھیج دیتی ہیں۔سب سے پہلے آسیہ رئیس کو پڑھتی ہوں کیا لکھتی ہیں اتنا کہ مانو بندہ فریش ہو جاتا ہے نام بھی ناولوں کے انوکھے ہوتے ہیں۔جیسے رو اور روشنی، تحقیق کیجیے، ان کے ناول کے ہیرو اور ہیروئن سیدھے سادے اور کمپرومائز کرنے والے ہوتے ہیں نہ انتہا خوب صورتی نہ بے جا نخرا۔

بس آسیہ رئیس سے میرا ایک سوال ہے، ان کی کہانیوں کا ہیرو ہیروئن کو کبھی تاج محل گھمانے لے کر کیوں نہیں گیا؟ ایسی بھی کیا ہیرو کی غریبی باقی ہر لحاظ سے مجھے آسیہ جی کی کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔سمیرا حمید، مشک

ایک لاجواب اسٹوری تھی ہر کردار کے ساتھ انصاف کیا گیا ،رفعت اور ہمایوں کا کردار سب سے بیسٹ تھا،خولہ اور ضامن کے کردار نے تھوڑا بور کیا جگدیش کے ساتھ لاجونتی کو بھی سزا ملتی تو سکون مل جاتا۔امر کا کردار بھی بہت اچھا تھا۔

احد،اپنی طرز کا ایک خوب صورت ناول تھا۔

ج : پیاری اقرا! جیسے طویل عرصہ بعد کوئی دوست اچانک مل جائے تو ایک الگ ہی خوشی ہوتی ہے۔

خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

عذرا حیات

میں آپ سے پوچھنا چاہتی کہ میں نے اپنا ناول لکھ دیا ہے اور آپ کے پاس لگوانا چاہتی ہوں۔ میں اسے قسطوں کی صورت بھجواؤں یا پورا ناول بھیج دوں۔آپ کے پاس کیسے بھجواؤں۔

ج: پیاری عذرا! آپ ناول ڈاک سے بھی بھجوا سکتی ہیں اور ای میل بھی کر سکتی ہیں۔جو آپ کو سہولت ہو۔

ناول آپ مکمل کر کے بھجوائیں۔قسطوں میں نہیں کیونکہ یہ آپ کا پہلا ناول ہے۔کہانی شائع کرنے کی ایک ہی شرط ہے کہ وہ دلچسپ ہو اور قارئین کی پسند کے مطابق ہو۔

صفیہ مہر فرحان.....خان پور

نو ماہ بعد پھر سے خواتین کی اس خوب صورت محفل میں شامل ہو رہی ہوں۔کسی نے نوٹس ہی نہیں کیا کہ ہم مابدولت (صفیہ مہر) کیوں محفل سے غائب ہیں ہمارا شیشے کی مانند دل کرچی کرچی ہو گیا۔یہ سوچ کر ہم نہیں تھکے ہم جیسے لاکھوں ہیں اس محفل میں کسی کو کیا فرق پڑا لیکن ہمارے نہ ہونے پر لیکن ہمیں فرق پڑا ہے۔پیارے خواتین سے دور ہو جانے پر ہوا یہ کہ بیٹی میری جب اللہ کے پاس چلی گئی۔تو اللہ نے ہم پر رحم کیا اللہ تعالیٰ کے کرم سے جولائی 2025ء میں ہمارے بیٹے ریان کی آمد بھی ہوئی اس کی خوشی میں ،میں اپنا آپ بھی بھول گئی۔دل سے اسے پالا۔بہت لاڈ سے۔ اب یہ بڑا ہوا تو ان سے کہا۔خواتین کی سالگرہ ہوتی ہے اپریل میں مجھے اس ماہ سے آپ لے دیا کریں خواتین میں آپ ریان کو بھی سنبھال لوں گی اور ڈائجسٹ بھی پڑھ لیا کروں گی۔

تو ایسے میں یہ لاہور گئے میٹنگ کرنے اسٹیٹ ایجوکیشن آفیسر ہیں تو یہ واپسی پر لیتے آتے ہیں۔پہلے رنگ میں بجی بنی ماڈل دیکھ کر خوش ہو گئی ریان کو دوپہر کو سلا کر خود سارا ڈائجسٹ کھنگالا شاید کچھ چینج ہو گیا۔شکر کہ کچھ چینج نہیں ہوا سب کچھ بھی سلسلے دیسے ملے سمیرا حمید کی ''پردیس'' پڑھی۔

راحت جبین کی انگنا میں ثانیہ کا جو بھی حال ہو بس اس کا گھر نہیں ٹوٹنا چاہیے مجھے اصل میں ہو یا کہانیوں میں گھر ٹوٹنے سے بڑا خوف آتا ہے۔

ارم کو عفان مل گیا۔نمرہ احمد ''مالا'' کو لمبا کھینچ چکی ہیں لیکن دلچسپی میں کمی نہیں آنے دے رہیں،مجھے نمرہ کی ہیروئینوں سے زیادہ ہیرو اٹریکٹو لگتے ہیں۔ جسے بدر غازان جیسے ریان حیدر، جیسے فارس غازی ، جہان سکندر، غصین الزیتون،نام بڑا مشکل رکھا عیشہ حسین نے کہانی مزے کی بہت تھی لیکن ہم مشرقی طرز کی اسٹوریاں زیادہ پسند کرتے ہیں۔ہیروئین چولہا چوکی کرے،والدیا کسی کو چائے بنا بنا کر دے (پسند پسند اپنی اپنی) آسیہ رئیس کی ابھی پڑھ رہے ہیں لیکن شروعات بتانے کو کافی ہے کہ آسیہ نے لکھا ہے تو مجھوا لگ ہی لکھا ہو گا،افسانوں میں پریتم پڑھا،اسٹوری تو کئی بار ایسی پڑھ چکے ہیں لیکن دعا ایوب نے محنت سے نئی مچالوں کے ساتھ ہمیں دی۔ ہجرت ، بیٹیوں کی ہجرت کو کون داد دیتا ہے کہتے ہیں۔ سب یہ تو فطرت ہے، ہک ہا،سلسلے بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے مگر نامے میرے نام کی محفل کو میں نے چار بار پڑھا کہ شاید کسی نے ہمیں مس (یاد) کیا ہو،خوش فہمی کے غبارے میں ہر بار ہوا نکلی۔

صدف ناصر بزم کا روشن بلب ہیں محفل ان کے آنے پر چراغاں ہو جاتی ہے۔ناہید اسماعیل بہن جس دور کی بات کر رہی ہیں وہ تو اب ذہن کی کینوس پر یادیں بن چکا ہے اب تو بچوں کو گھر سے باہر نکلتا پا کر دل دھڑکنے لگتا ہے خیر خواہی رہی نہیں لوگوں میں۔

آپ کا باورچی خانہ سدرہ سحر عمران 2009یا 2008 میں میں نے ان کے ناولٹ پڑھے میں تو ان کو رائٹر سمجھتی ہوں یہ تو قاری نکلی،واہ.....

ج: صفیہ بہن! آپ نے یہ کیا لکھ دیا کہ کسی کو کیا فرق پڑا پیاری بہن کسی کو فرق پڑا ہو یا نہیں۔ہمیں بہت فرق پڑتا ہے ہمیں اپنی قارئین بہت عزیز ہیں۔

☆☆

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

سویمیٹ اینڈ ساور چکن

ضروری اشیاء:

مرغی	تین پاؤ
دہی	تین کھانے کے چمچے
لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
تیل	چوتھائی کپ
شملہ مرچ	ایک عدد
لیموں کا رس	دو چائے کے چمچے
چلی گارلک ساس	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
لہسن	ایک چائے کا چمچہ
پسا ہوا گرم مسالہ	آدھا چائے کا چمچہ
پسے ٹماٹر	تین کھانے کے چمچے
ہری مرچیں	دو عدد
کریم	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:

ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے لہسن ڈال کر بھون لیں ہلکا سا گلر آ جائے تو بغیر ہڈی کا چکن شامل کر کے بھونیں۔ اب پسے ہوئے ٹماٹر، دہی، نمک، لال مرچ، چینی، گرم مسالہ ڈال کر بھونیں۔

آخر میں لیموں کا رس، ہری مرچیں ڈال کر تھوڑا پکائیں کریم اور چلی گارلک ڈال کر مکس کریں اور شملہ مرچ سے گارنش کر کے فرائیڈ رائس کے ساتھ پیش کریں۔

لوکی ارہر کی دال

ضروری اشیاء:

لوکی	آدھا کلو
ارہر کی دال	ڈیڑھ کپ
ہلدی	چوتھائی چمچہ
پیاز	ایک عدد
لہسن ادرک	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
املی کا رس	آدھا کپ
لال مرچیں	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ

بگھار کے لیے:

زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن کے جوے	تین عدد
رائی	آدھا چائے کا چمچہ
میتھی دانہ	چوتھائی چائے کا چمچہ
کڑی پتے	آٹھ عدد
ثابت لال مرچیں	چار عدد
ہری مرچیں	تین عدد
تیل یا گھی	چوتھائی کپ

ترکیب:

ارہر کی دال کو تھوڑی دیر بھگو دیں۔ دال میں پیاز، لہسن ادرک اور ہلدی پانی ڈال کر پکائیں۔ دال گل جائے تو گھوٹ لیں۔

دال میں نمک، کٹی ہوئی لال مرچیں اور کٹا ہوا، زیرہ، دھنیا، لوکی، پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ لوکی گل جائے تو املی کا پانی، چینی ڈال کر پکائیں۔ حسب پسند گاڑھی ہونے پر اتار لیں۔

بگھار کے لیے فرائی پین میں تیل گرم کر کے ثابت لال مرچیں، لہسن، زیرہ، میتھی دانہ، رائی ڈالیں۔ لہسن پر کلر آ جائے تو کڑی پتے، ہری مرچیں، ڈال کر دال پر بگھار دیں اور زیرے والے چاول اور سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

وائیٹ قورمہ

ضروری اشیاء:

مرغی	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
سفید مرچ	ایک چائے کا چمچہ
چھوٹی الائچی	پانچ یا چھ عدد
پسی چھوٹی الائچی	آدھا چائے کا چمچہ
لونگ	چھ عدد
سیاہ مرچیں	دس عدد
گرم مسالہ	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	ایک کپ
دودھ	ایک کپ
کریم	آدھا کپ
بادام	گارنشنگ کے لیے
پیاز	تین عدد
ثابت لال مرچ کے بیج	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن، ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
دارچینی	دو عدد
تیزپات	دو عدد
بڑی الائچی	ایک عدد
جائفل، جاوتری	آدھا چائے کا چمچہ
کیوڑا	ایک کھانے کا چمچہ
خشخاش	دو کھانے کے چمچے
پسے بادام	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

پیاز میں لال مرچ کے بیج ملا کر ابال کر پیس لیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ اس میں الائچی، دارچینی، تیزپات، لونگ، سیاہ مرچیں اور بڑی الائچی کڑکڑائیں۔ پسی ہوئی پیاز، پسا ہوا لہسن، ادرک ڈال کر بھونیں تیل الگ ہو جائے تو گوشت ڈال کر بھونیں۔ نمک، پسی ہوئی سفید مرچ، خشخاش، دہی میں ڈال کر پھینٹ لیں پھر گوشت میں ڈالیں۔ ڈھکن لگا کر پکائیں کہ گوشت گل جائے۔ پسے بادام، پسی ہوئی جائفل، جاوتری، گرم مسالہ ڈالیں دودھ ڈالیں ابال آنے پر کریم کس کر دیں۔ تیل الگ ہو جائے تو کیوڑا، تلے ہوئے بادام اور چھوٹی الائچی پاؤڈر ڈال کر پیش کریں۔

کالے چنے

ضروری اشیاء:

چنے	آدھ کلو
پیاز	دو عدد
ٹماٹر	دو عدد
ادرک لہسن	ایک چائے کا چمچہ
کھانے کا سوڈا	آدھ چائے کا چمچہ
سرخ مرچ	ایک چائے کا چمچہ
املی کا گودا	ایک کھانے کا چمچہ
چاٹ مسالہ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

بگھار کے لیے:

تیل	پاؤ کپ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
کڑی پتا	آٹھ سے دس
ہری مرچیں	چھ عدد
ہرا دھنیا	حسب ضرورت

ترکیب:

کالے چنوں کو دو تین گھنٹے پہلے کھانے کا سوڈا ڈال کر بھگو دیں۔ ایک پتیلی میں تیل، پانی، پیاز، ٹماٹر، ادرک، لہسن، سرخ مرچ اور نمک ڈال کر ہلکی آنچ پر تیس سے چالیس منٹ گل جانے تک پکائیں۔ پانی خشک ہو جانے پر املی کا گودا اور چاٹ مسالہ شامل کریں۔

بگھار کی ترکیب:

تیل، ثابت لال مرچ، زیرہ، کڑی پتا ڈال کر چولہے پر رکھیں جب کڑکڑانے لگے تو اسے کالے چنوں پر ڈال کر ملا لیں پھر کسی ڈش میں نکال کر ہرا دھنیا، ہری مرچیں، لیموں کے ساتھ پیش کریں۔

☆☆

digest library.com



روبی ملک.....فیصل آباد

س: میری بڑی بہن کے دو بچے ہیں۔ان کی لو میرج ہے وہ فیصل آباد میں رہتی ہیں جبکہ ان کی سسرال خانیوال میں ہے۔

باجی کو کچھ عرصے سے بہنوئی پر شک ہے کہ وہ کسی اور لڑکی میں دلچسپی لے رہے ہیں بس اس بات کی وجہ سے وہ ہمارے گھر آ گئی ہیں۔ دس دن ہو گئے ہیں بہنوئی انہیں لینے بھی آئے پر وہ نہ مانیں۔ ہمارے گھر میں سب بہن کی وجہ سے پریشان ہیں۔ دونوں بچے جو ڈھائی اور پانچ سال کے ہیں، باپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔

ج: محبت میں یہ بڑی خرابی ہے کہ یہ انسان کو سکون سے نہیں رہنے دیتی۔ محبت کرنے والے ہمیشہ مختلف خدشات میں گھرے رہتے ہیں۔ محبوب ذرا سی بے رخی سے بات کرلے تو دل ہزار وسوسوں میں گھر جاتا ہے اگر کسی کی طرف توجہ ذرا سی زیادہ ہو جائے تو رقابت کا احساس جاگ اٹھتا ہے۔ محبت ہر پل، ہر لمحہ اظہار چاہتی ہے اظہار میں ذرا سی کمی ہو تو لگتا ہے محبوب بدل گیا ہے۔

آپ نے خود لکھا ہے کہ آپ کی بہن کی لو میرج ہے۔ وہ آج شادی کو سات سال گزر جانے کے بعد بھی اس فیز سے باہر نہیں آ سکیں۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ وہ اب ایک بیوی اور ذمہ دار ماں ہیں۔ آپ کے بہنوئی باپ بن چکے ہیں ان پر دو بچوں کی ذمہ داری ہے۔ کماتا ہے، گھر کا خرچ پورا کرتا ہے۔ باہر کی دنیا میں مرد کے لیے سو مسائل ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ کسی لڑکی کے چکر میں ہوں۔ آپ کی بہن ان پر شک کرنا چھوڑ دیں۔ اور بالفرض اگر کوئی ایسی بات بھی ہے تو ضروری نہیں کہ بہنوئی سنجیدہ ہوں۔ بسا اوقات جو نظر آتا ہے وہ بھی سچ نہیں ہوتا۔ اپنی بہن سے کہیں کہ وہ اپنے گھر جائیں شوہر کے لینے آنے کا انتظار نہ کریں۔

بے بی.....کراچی

س: میری عمر اٹھائیس برس ہے میں آن لائن جاب کرتی ہوں۔ میری شادی ہونے والی ہے۔ مجھے ایک بات بہت اذیت دیتی ہے اور اب بھی میں راتوں کو بے چین ہو کر اٹھ جاتی ہوں۔ دراصل میں چھ سات برس کی تھی جب مجھے گھر کے نوکر نے جنسی ہراساں کیا۔ میرے لیے وہ کیفیت آج بھی سخت دردناک ہے۔ زندگی کے اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی میں ٹینشن میں آ جاتی ہوں۔

رشتہ غیروں میں ہوا ہے ویسے بھی میرے اس حادثے کو رشتہ دار، عزیز و اقارب بھول چکے ہیں لیکن میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ میرے ہونے والے شوہر بہت اچھی نیچر کے ہیں اور وہ مجھ سے اپنی وہ باتیں بھی شیئر کر چکے ہیں جو انہوں نے اپنے گھر میں کسی سے نہیں کیں کیا میں ان سے اپنی بات بھی شیئر کر لوں، وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں ہم دونوں کا ایک دوسرے پر ٹرسٹ ہے۔

ج: اچھی بہن! ایک بات، ایک حادثہ ہوا اس میں آپ کی رضامندی شامل نہیں تھی آپ کا کوئی قصور بھی

نہیں تھا۔ آپ کی عمر اتنی کم تھی کہ آپ پر اس کے اثرات بھی اب باقی نہیں رہ سکتے۔ جسمانی اثرات سے مراد ہے آپ کے ذہن پر تو اثرات باقی ہیں۔

اب آپ کا خیال ہے کہ آپ دونوں کے درمیان بہت محبت ہے۔ ایک دوسرے پر اعتماد بھی بہت ہے اس لیے آپ کو انہیں یہ بات بتا دینا چاہیے۔

سوال یہ ہے کہ یہ بتا کر کیا اعتماد اور محبت بڑھ جائے گی؟

ہرگز نہیں۔ جب جب آپ پر ان کی نظر پڑے گی، انہیں اس حادثہ کا خیال آئے گا۔ اور انہیں دکھ ہوگا آپ اس حادثہ کو یاد کر کے ذہنی اذیت میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ وہ یاد آپ کے لیے شدید تکلیف دہ ہے، کیا آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے شوہر کو بھی اس اذیت سے گزرنا پڑے۔ وہ یہ جان کر تکلیف میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ یہ بات کسی کو نہ بتائیں۔ خصوصاً شوہر کو تو ہرگز نہیں، بلاشبہ وہ بہت اچھے ہوں گے لیکن بعض معاملات میں مرد بہت مختلف انداز سے سوچتا ہے۔ وہ یہ جان کر آپ سے دور بھی ہو سکتے ہیں۔

سمرین محبوب..... پنڈی

س: میری سال بھر پہلے منگنی ہوئی تھی میں بہت خوش تھی اور اسی سال بقر عید کے بعد شادی ہونا تھی۔ وہ لوگ ہمارے دور کے رشتہ دار تھے لیکن انہوں نے عید پر عیدی لانے، لے جانے جیسی معمولی باتوں پر منگنی ہی توڑ دی۔

میری والدہ کا خیال ہے کہ منگنی ختم کرانے میں ہمارے ہی کسی رشتے دار کا ہاتھ ہے اب میری یہ حالت ہے کہ مجھے اپنے آفس میں لگنے لگا ہے کہ جیسے ہر کوئی میری پیٹھ پیچھے برائی کر رہا ہے۔ میرے دل کو جیسے قرار ہی نہیں آتا۔ اس طرح میری آفس میں بھی لڑائیاں ہونے لگی ہیں جو پہلے کبھی نہیں ہوتی تھیں۔ مجھے لگتا ہے کہ اب میری شادی بھی کبھی نہیں ہو سکے گی۔

ج: انسان جب کسی غیر متوقع صدمہ سے گزرتا ہے تو اس کے احساسات وہی ہوتے ہیں جو آپ کے ہیں۔ اس وقت جو آپ کی کیفیت ہے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے اس میں کچھ رشتہ داروں کا بھی ہاتھ ہو لیکن یہ رشتہ اگر کسی کے کہنے سننے اور عیدی کے لین دین پر ٹوٹا ہے تو اس میں یقیناً اللہ کی کوئی بہتری ہوگی۔ ممکن ہے قدرت نے آپ کے لیے اس سے بہتر کوئی چیز رکھی ہو۔ زندگی میں بہت سی باتوں کو ہم سمجھ نہیں پاتے وہ بعد میں سمجھ میں آتی ہیں۔ آپ ایک پھول کے لیے رو رہی ہیں ممکن ہے قدرت نے آپ کے لیے پورا گلدستہ رکھا ہو، اس لیے خاموشی، صبر اور سکون سے مناسب وقت کا انتظار کریں۔ بلاوجہ کسی پر شک نہ کریں، اس سے آپ کی جاب متاثر ہوگی۔

حرا وقار..... گلستان جوہر

میری پسند کی شادی ہے گھر والے بڑی مشکل سے راضی ہوئے تھے۔ ایک سال تک ان کی ناراضی برقرار رہی اب میرے بھائی کی شادی ہونے والی ہے۔ پاپا شادی کا کارڈ دے کر گئے ہیں سب میں بلایا ہے دل چاہتا ہے کہ نہ جاؤں ذہن پریشان ہے۔

ج: عزیز بہن ناراضیاں گلے شکوے اپنوں سے ہی ہوتے ہیں۔ آپ کے گھر والوں کو آپ کا انتخاب پسند نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور آپ کو باقاعدہ شادی کر کے رخصت کیا۔ اب آپ کی شادی ہوئے ایک سال گزر چکا ہے۔ ناراضی ختم نہ بھی ہو تو وقت گزرنے کے بعد اس میں وہ شدت نہیں رہتی۔ آپ اپنے بھائی کی خوشیوں میں پورے جوش، پوری محبت اور اہتمام سے شریک ہوں۔ آپ نے شرکت نہ کی تو عمر بھر کے لیے رشتوں میں دڑار آ جائے گی۔

امت صبور

بیوٹی بکس

ربیکا علی.....تاروال

س: میری عمر پچیس سال ہے میں جاب کرتی ہوں اور روزانہ لپ اسٹک کا استعمال کرتی ہوں۔ کچھ عرصے سے میں محسوس کر رہی ہوں کہ میرے ہونٹوں کا رنگ اب قدرتی نہیں رہا اور وہ خشک اور کھردرے ہو رہے ہیں۔

ج: ایسا اکثر ہوتا ہے کہ روزانہ لپ اسٹک کا استعمال ہونٹوں کے قدرتی رنگ کو متاثر کرتا ہے خاص کر جب وہ غیر معیاری بھی ہو بہت سی خواتین لپ اسٹک کے انتخاب میں پرواہ نہیں کرتیں صرف رنگ اور پیکنگ سے متاثر ہو کر خرید لیتی ہیں۔

لپ اسٹک کے انتخاب میں معیار اور اس کی مدت استعمال بھی [illegible] ہے آپ کسی لپ اسٹک کو سالوں رکھ کر استعمال نہیں [illegible] معیاری برانڈ استعمال کریں۔ کچھ عرصہ لپ اسٹک ترک کر کے لپ بام استعمال کر سکتی ہیں اور روزانہ گھر آ کر اچھی طرح منہ دھو کر شہد اور چینی ملا کر کچھ دیر لگائیں اور پانی سے دھو لیں۔ یہ اسکرب بہترین ہے۔

سیب کے جج پیس کر لگانے سے بھی ہونٹ گلابی ہو جاتے ہیں۔

صبوحی عزیز.....لانڈھی

س: میں مارکیٹنگ کا کام کرتی ہوں اس کے لیے مجھے گھر گھر جانا پڑتا ہے، میرا کام باہر کا ہے اس وقت دھوپ ہوتی ہے۔ میری عمر بائیس سال ہے لیکن کام کے ان چند مہینوں میں ہی میری جلد سنولا گئی ہے اور آنکھوں کے گرد جھریاں سی پڑ رہی ہیں۔ کیا سن بلاک میرے لیے اچھا رہے گا یا کوئی گھریلو ٹوٹکا جو میری جلد کی نمی کو خشک نہ کرے۔

ج: عام طور پر جلد کے ڈاکٹرز سن بلاک کی تجویز دیتے ہیں، ہمارے ملک میں ایس پی ایف ساٹھ موزوں ہے۔ جسے آپ دھوپ میں نکلنے سے آدھا گھنٹے پہلے چہرے اور ہاتھوں پر لگا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ چہرے کی نمی برقرار رکھنے کے لیے اور اگر آپ سن بلاک استعمال نہ کرنا چاہیں تو ایلوویرا جیل بھی اس کے لیے بہترین ہے البتہ یہ سن بلاک کا نعم البدل نہیں ہے۔

مسز شجاعت.....خانیوال

س: بقر عید کے بعد میری بیٹی کی شادی ہونے والی ہے۔ کاموں سے میں نڈھال ہو جاتی ہوں اوپر سے شدید گرمیاں، میں چاہتی ہوں کہ شادی پر میرا چہرہ نکھرا نکھرا لگے سخت ٹینشن میں ہوں چھوٹی بیٹی کی شادی ہے میری جلد نارمل ہے۔ کوئی گھریلو نسخہ [illegible]

ج: ایک چمچ [illegible] کو میش کریں اور اس میں تھوڑی سی چینی شامل کر [illegible] اچھی طرح مکس کریں اب اسے کچھ دیر کے لیے [illegible] اور پھر چہرے پر لگائیں۔

یہ ماسک آپ لمبے وقت کے لیے بھی لگا سکتی ہیں۔ اس ماسک سے گرمی کے شدید موسم میں بھی آپ کی جلد چمکے گی۔ کھیرے کا استعمال نہ صرف آپ کی جلد کو جھلسنے سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ اس کے استعمال سے آپ اپنے آپ کو تر و تازہ بھی محسوس کریں گی۔ اس ماسک کا استعمال آپ روزانہ بھی کر سکتی ہیں۔

☆☆

digest library .com